تمام طالبانِ حق کے نام

جو

تلاشِ حق میں سرگرداں ہیں

"راہ، حق اورزندگی میں ہوں"۔ (قول المسیح)

"بطلبید کہ خواہید یافت ۔ زیرا کسیکہ طلبد می یابد"۔

(انجیلِ اوّل ۷/۷)

فہرستِ مضامین

پہلی ایڈیشن
کا
دیباچہ

قریباً تیس سال کا عرصہ ہوامیں نے مسئلہ تحریف پر کتاب " صحتِ کتُبِ مقُدسہ" لکھی تھی جس کی دوسری ایڈیشن ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی ۔میں نے اس میں یہ ثابت کیا تھاکہ یونانی اناجیل جوہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں نہایت صحتِ کے ساتھ دوہزارسال سے من وعن محفوظ چلی آتی ہیں۔ تاریخ اس امرپر گواہ ہے کہ جہاں تک یونانی متن کی صحِت کا تعلق ہے روئے زمین کی کوئی قدیم کتاب انجیل جلیل کی صحِت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ پس اس لحاظ سے انجیل ایک لاجواب اوربے نظیرکتاب ہے۔

لیکن اُس کتاب میں اس موضوع کے دوپہلوؤں پربحث نہیں کی گئی ۔ یہ دو پہلو حسب ذیل ہیں جن پر اس رسالہ میں بحث کی گئی ہے:

اوّل۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات جواناجیل اربعہ میں مندرج ہیں بعینہ وہی ہیں جو آپ کی زبانِ معجز بیان سے نکلے تھے؟ کیا ان کلمات کے فرمائے جانے اوراُن کے اناجیل میں لکھے جانے کے درمیانی عرصہ میں کوئی ایسا فتورتواُن میں واقعہ نہیں ہوا جس کی وجہ سے وہ ساقط عن الاعتبار ہوگئے ہوں؟

دوم۔ حضرت کلمتہ اللہ کی مادری زبان صوبہ گلیل کی ارامی بولی تھی جس میں آپ لوگوں کوتعلیم دیا کرتے تھے لیکن موجودہ اناجیل کی زبان یونانی ہے جس کا اردو ترجمہ ہم پڑھتے ہیں ۔پس اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے کلمات جو یونانی لباس میں ہمارے پاس موجود ہیں درحقیقت وہی کلمات ہیں جو آپ نے ارامی زبان میں فرمائے تھے؟

یہ دونوں سوالات اہم قسم کے ہیں ۔ اگرآنخداوند کے الفاظ میں احاطہ تحریر میں آنے سے پہلے ہی کسی قسم کا فتور واقع ہویا ہو یا اُن کے ارامی بولی سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوتے وقت کوئی اہم تبدیلی واقع ہوگئی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا اثر اُن کے پایہ اعتبار پرپڑے گا۔ لیکن اگریہ ثابت ہوجائے کہ آپ کے کلمات کے فرمائے جانے اوراحاطہ تحریر میں آنے کے درمیانی وقفہ میں کسی قسم کے فتور کے پیدا ہونے کا احتمال نہیں ہوسکتا اورکہ ان کے یونانی لباس کی وجہ سے ان کی صحت میں فی الحقیقت کوئی فتورواقع نہیں ہوا تواناجیلِ اربعہ کی بےنظیر صحت اوررفیع پایہ اعتبارمیں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

گذشتہ چالیس سال سے علماء ان دوسوالوں پر غور کررہے ہیں ۔ ان کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ بے شمار ضیغم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اُس نے ان تمام کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔میں اس مسئلہ کا گذشتہ تیس سالوں سے مطالعہ کرتا چلا آیا ہوں۔ اس کتاب کے آخر میں حوالوں کی فہرست گواہ ہے کہ اس موضوع پر بیسیوں مضامین ، رسالے ،کتابچے اورکتابیں میری نظر سے گذری ہیں ۔پھربھی میں اپنی کم مائیگی سے بخوبی واقف ہوں ،خوش قسمتی سے کسی مصنف کی کتاب کے مفید ہونے کے لئے لازم نہیں کہ وہ عالمِ کُل اورہمہ دان بھی ہو۔

مقدس خرسسٹم (از۳۴۷ء تا ۴۰۷ء) اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں" جس طرح معطر اشیاء کو جتنا رگڑا جائے اُتنا ہی زیادہ اُن میں سے خوشبو نکلتی ہے (اسی طرح جتنا زیادہ کتبِ مقدسہ کی چھان بین کی جائے اتنا ہی حقائق ومعارف کے پوشیدہ خزانے ہم پر کھلتے جاتے ہیں"۔ مغرب کے مسیحی اورغیر مسیحی علماء کی جانچ پڑتال ،چھان بین اور تنقیداس صداقت کی زندہ مثال ہے۔ اُن کی تنقیح وتنقید نے اَب یہ ثابت کردیا ہے کہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات، معجزات بینات اورسوانح حیات من وعن اناجیل میں اَیسے محفوظ ہیں کہ اس ماجرے کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اس کتاب کی پہلی جلد میں ہم نے اناجیل متفقہ یعنی پہلی تین انجیلوں پر بحث کی ہے۔چونکہ پہلی تینوں انجیلیں سیدنا مسیح کی سہ سالہ خدمت کے صرف اُس حصہ کے ذکر کرنے پر اتفاق کرتی ہیں جو صوبہ گلیل میں گذرا لہذا ان اناجیل کو" اناجیل متفقہ" کا نام دیا گیا ہے۔اس کتاب کی دوسری جلد میں انجیل چہارم پر اوراناجیل اربعہ کی اصل زبان اوراس کے یونانی ترجمہ پربحث کی گئی ہے اوریہ ثابت کیا گیا ہے کہ مروجہ اناجیلِ اربعہ کی صحت میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔

ہم نے اس کتاب کے متن کو حوالوں سے پاک رکھا ہے اورکتاب کی ہرجلد کےآخر میں تمام حوالوں کو ہرباب اور فصل کے عنوان کے ماتحت درج کردیا ہے تاکہ شائقین ان کا خود مطالعہ کرکے ان کتابوں اور رسالوں سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

مجھے واثق یقین ہے کہ حق کی تلاش کرنے والے اس کتاب کے نتائج اوردلائل کو قبول کرنے کے قابل پائیں گے۔ ان سے میری درخواست ہے کہ بائبل مقدس کے جو حوالے اس کتاب میں جا بجا درج کئے گئے ہیں ضرورپڑھیں کیونکہ اُنہی پر دلائل کی پختگی کا دارومدار ہے۔ اگر میں اُن کو نقل کرتا تویہ کتاب ضرورت سے زیادہ طویل ہوجاتی ۔ پس متلاشیانِ حق سے التجا ہے کہ وہ ہر حوالہ کا پہلے مطالعہ کریں اور پھر آگےپڑھیں اورخالی الذہن ہوکر ٹھنڈے دل سے کتاب کے

دلائل پر غورکریں۔ میری دعا ہے وہ بھی مصنف کی طرح منجئی عالمین کے قدموں میں آکرابدی نجات حاصل کریں۔

۱۵ جنوری ۱۹۵۵ء — احقرالعباد

کورٹ روڈ، امرتسر — برکت اللہ

دُوسری ایڈیشن کا دیباچہ

تین سال کا عرصہ ہوا ہے کہ اس کتاب کی پہلی ایڈیشن چھپی تھی۔ اس کا شائع ہونا تھا کہ شمالی ہند اورپاکستان کے مختلف کونوں سے اس کی مانگ اس قدرہوئی کہ دو سالوں کے اندرپہلی ایڈیشن ختم ہوگئی ۔میں اپنے منجی خدا کا شکر کرتا ہوں جس نے اِ س کتاب کو متلاشیانِ حق کے لئے استعمال کیا ہے۔

جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا تو میری آنکھوں میں موتیا بند اُتر آیا تھا ورمیں نے بصد مُشکل اس کو ختم کیا تھا۔ دریں حالت کتابت اورطباعت کی خامیوں کا وجود ناگریز تھا۔ خدا باپ کا لاکھ لاکھ شکرہو جس نے مجھے دوبارہ بینائی عطا فرمائی ہے ۔ میں نے اس ایڈیشن میں اُن خامیوں کودوُرکیا ہے اورایزادیاں بھی کی ہیں۔ اُمید ہے کہ قارئین کرام اِس کتاب سے بیش ازپیش فائدہ اٹھاسکیں گے۔

میری دُعا ہے کہ خدا طالبانِ حق کی چشم بصیرت کو کھولے تاکہ وہ خدا کے کلامِ حق پر جو" زندہ اورقائم ہے" ایمان لاکر خدا کی معرفت اوراَبدی زِندگی حاصل کریں ۔ آمین۔

احقرالعباد

برکت اللہ

ہنری مارٹن سکول۔ علیگڑھ

۲۹۔ دسمبر ۱۹۵۵ء

حصّہ اوّل ۔ دَورِاوّلین

(از ۳۰ء تا ۴۰ء)

باب اوّل

گواہوں کے بادل

آنخداوند نے صرف ۳۳ سال کی عمر پائی اور ۳۰ء میں مصلوب ہوئے ۔ تیس سال تک آپ نے محنت ومشقت کرکے اپنے خاندان کی پرورش کی اورجب آپ کے بھائی روزی کمانے کے لائق ہوگئے اوربہنوں کی شادی ہوگئی (مرقس ۶: ۳ وغیرہ) اورآپ ان دنیاوی تعلقات کے فرائض سے سبکدوش ہوگئے تو آپ نے خدا کی لازوال محبت اورابوت کا پرچارکرنا شروع کیا(لوقا ۴: ۲۳، مقابلہ گنتی ۴: ۳، مرقس ۱: ۱۵)۔ آپ نے ہر مقام اورہرطبقہ میں منادی کی ۔ شہروں میں (مرقس ۱: ۳۲، ۱: ۳۸)گاؤں میں بستیوں میں (مرقس ۶: ۵۶)، ویران جگہوں میں (مرقس ۶: ۳۳) صوبہ گلیل میں (مرقس ۱: ۳۹)، گینسرت کے علاقہ میں (مرقس ۶: ۵۳)صور اور صیدا کی سرحدوں میں (مرقس ۷: ۲۴) دلمنوتہ کے علاقہ میں

(مرقس ۸: ۱۰)سامریہ کےعلاقوں میں (لوقا ۱۷: ۱۱، یوحنا ۴باب) ۔یہودیہ میں (یوحنا ۳: ۲۲) یروشلیم اوراس کی ہیکل میں آپ نے خدا کی محبت کا پیغام دیا(مرقس ۱۱و ۱۲باب)(یوحنا ۲: ۲۳ وغیرہ) جہاں کہیں آپ گئے آپ نے ہر قسم کے بیماروں کو شفا بخشی (مرقس ۱: ۳۴، ۳: ۱۰۔) آپ نے ناپاک روحوں کو نکالا (مرقس ۱: ۳۶)۔ اندھوں (مرقس ۸: ۲۵، ۱۰: ۵۲) بہروں لنگڑوں (لوقا ۷: ۲۲) کوڑھیوں (مرقس ۱: ۴۲، لوقا ۱۷: ۱۴) مرگی ولوں (مرقس ۹: ۲۷)۔لنجوں، مفلوجوں(مرقس ۲: ۱۱، ۳: ۵)پاگلوں (مرقس ۵: ۴،) گونگوں (لوقا ۱۱: ۱۴)، ہکلوں(مرقس ۷: ۳۵)۔ عورتوں (مرقس ۵: ۲۹، لوقا ۸: ۲، ۱۳: ۱۳) غرض سبھی قسم کے بیماروں کو (متی ۴: ۲۳)آپ نے اچھا کیا۔آپ نے مردوں کو زندہ کیا (مرقس ۵: ۳۵، لوقا ۷: ۱۵، یوحنا ۱۱: ۴۴) ہزاروں بھوکوں کو اعجازی طور پر کھانا کھلایا (مرقس ۷: ۴۴، ۸: ۸) آپ کی شہرت ہر چہار طرف پھیل گئی (مرقس ۱: ۲۸ وغیرہ) آپ جہاں جاتے لوگ" سارے علاقہ میں چاروں طرف دوڑتے اوربیماروں کو چارپائیوں پر ڈال کر جہاں کہیں سنا کہ آپ ہیں لئے پھرتے " (مرقس ۶: ۵۵) وہ آپ کے معجزاتِ بینات اورآپ کے کلمات طیبات کوسن کر انگشت بدنداں رہ جاتے اور کہتے " یہ کیا حکمت ہے جو اسے بخشی گوی اورکیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں"(مرقس ۶: ۲) وہ دنگ ہوکر کہتے " جو کچھ اس نے کیا سب اچھا کیا " (مرقس ۷: ۳۷) سب لوگ آپ کی تعلیم کو سن کر" حیران ہوتے کیونکہ وہ ان کو فقہیوں کی طرح نہیں بلکہ صاحبِ اختیار کی طرح تعلیم دیتا تھا"(مرقس ۱: ۲۲)۔

آپ کی شہرت گلیل ، یہودیہ ، سامریہ غرضیکہ تمام ارضِ مقدس میں پھیل گئی ۔ آپ جہاں جاتے بھیڑوں کی بھیڑیں آپ کی زیارت کو اورآپ کی تعلیم سننے اورآپ کے معجزات دیکھنے کو (یوحنا ۱۲: ۱۸) چاروں طرف سے جمع ہوجاتیں۔ ایساکہ آپ کسی شہر میں ظاہرا داخل نہ ہوسکتے (مرقس ۱: ۴۵) لوگ" شہروں سے اکٹھے ہوہوکر پیدا دوڑتے" (مرقس ۶: ۳۴) جس گھر میں آپ جاتے " سارا شہر دروازہ پر جمع " ہوجاتا (مرقس ۱: ۳۳) اور" دروازہ پر جگہ نہ رہتی"(مرقس ۲: ۲)" اتنے لوگ جمع ہوجاتے کہ آپ کھانا بھی

نہ کھاسکتے (مرقس ۳: ۲۰)آپ کے مصاحبین کا بھی یہی حال ہوتا اور" اُن کو کھاناکھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی" (مرقس ۶: ۳۱) اگرآپ گھر سے باہر نکلتے توبھیڑاس قدرہوتی کہ آپ پر" گرپڑتی (مرقس ۵: ۳۱) جب آپ تعلیم دینے کی خاطر" جھیل کے کنارے" چلے جاتے تو جمعِ غفیر جمع ہوجاتا(مرقس ۲: ۱۳، ۳: ۷) اوراکثر اوقات" یہودیہ اوریروشلیم اورادومیہ سے اوریردن کے پارصوراورصیدا کے آس پاس سے ایک بڑی بھیڑ جمع ہوجاتی " ایسا کہ آپ کواپنے رسولوں سے کہنا پڑتا کہ" بھیڑکی وجہ سے ایک چھوٹی کشتی میرے لئے تیاررہے تاکہ بھیڑ مجھے دبا نہ لے (مرقس ۳: ۸تا ۱۲) اورآپ کشتی میں بیٹھ کر (مرقس ۴: ۱" یا بھیڑ کودیکھ کرپہاڑپر چڑھ کر" (متی ۵: ۱) سب کو خدا کی لازوال محبت کا فرحت افزا پیغام سناتے ۔

انجیلِ چہارم سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ آنخداوند عید کے موقعہ پر یروشلیم جایا کرتے تھے اورارضِ مقدس کے اندر اورباہر کے زائرین کو جو عید کے موقع پر جمع ہوا کرتے خدا کی محبت کا پیغام دیتے تھے(یوحنا ۲: ۱۳، ۷: ۱۴، ۸: ۲، ۱۰: ۲۲، ۱۱: ۵۵ ، ۱۲: ۱۸ وغیرہ)۔ آپ نے " علانیہ ہمیشہ عبادت خانوں اورہیکل میں جہاں سب یہودی جمع ہوتے تھے تعلیم دی (۱۸: ۲۰)جوزیفس ہم کوبتلاتا ہے ۔CESTIUS GALLUS زیسٹیس گیلیس(۶۳ء تا ۶۶ء) کے عہد میں جب ان زائرین کی مردم شماری کی گئی جو یروشلیم آتے تھے تو وہ شمار میں ستائیس لاکھ دوسو تھے ۔ اعمال ۲: ۹تا ۱۱ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زائرین کس قدردُوردرازمقامات سے آتے تھے۔ پس اہالیانِ ارضِ مقدس آنخداوند کی تعلیم او رمعجزات سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس پولوس جو یروشلیم میں بھی رہے تھے(اعمال ۲۲: ۳) منجیِ عالمین کی زندگی کے واقعات اورکلمات سے واقف تھے(اعمال ۱۳: ۲۴، ۲۵، ۱۳: ۵۱، ۲۰: ۳۵، ۲۲: ۳ وغیرہ) اوروہ بادشاہ اِگرپا سے کہتے ہیں" بادشاہ جس سے میں دلیرانہ کلام کرتا ہوں یہ باتیں جانتا ہے اورمجھے یقین ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی اُس سے چھپی نہیں کیونکہ یہ ماجرا کہیں کونے میں نہیں ہوا"(اعمال ۲۶:۲۶)۔

مذکورہ بالا چند مقامات سےناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ حضرت کلمتہ اللہ کے سامعین اگر لاکھوں کی تعداد میں نہیں تو ہزاروں کی تعداد میں تو ضرور تھے(لوقا ۱۲: ۱،

مرقس ۷: ۴۴) ۔ پس ہزاروں مردوں اورعورتوں نے آپ کا جانفزا کلام سنا اورآپ کے معجزات کودیکھا۔ بالفاظِ دیگراناجیلِ اربعہ کے مندرجہ واقعات اورکلمات کوسننے اوردیکھنے والے ہزاروں چشم دید گواہ تھے جوآپ کی شہادت کے بعد زندہ تھے جنہوں نے " زندگی کے کلام کو سنا اوراپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غورسے دکھا اوراپنے ہاتھوں سے چھوا" تھا(۱یوحنا ۱:۱)۔

ان ہزاروں چشم دید گواہوں نے " جوکچھ کہ انہوں نے دیکھا اورسنا اُس کی خبردوسروں تک پہنچائی " (۱۔یوحنا ۱: ۳) کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ وہ ایسے زندگی بخش کلمات سنتے اور خاموش رہتے یا وہ اپنی بیماریوں سے چھٹکارا پاتے اورچپکے اپنے گھروں کی راہ لیتے۔(مرقس ۷: ۳٦، متی ۹: ۳۱، لوقا ۴: ۳۷، ۵: ۱۵، ۳۵۔ ۱۷: ۵، یوحنا ۹: ۳۰ وغیرہ)۔

پس آنخداوند کی وفات کے بعد ہزاروں ایسے چشم دید گواہ موجود تھے جنہوں نے " ان باتوں کو جو اُن کے درمیان واقع ہوئیں"لوقا ۱: ۱) دوسروں تک پہنچایا اوریوں یہ واقعات چشم دید گواہوں اوراُن کے سامعین کےدلوں اور دماغوں میں ہمیشہ تازیست تازہ رہے کیونکہ یہ باتیں غیرمعمولی ، حیران کنُ اورخوارقِ عادت تھیں جوآسانی سے کسی کی یاد سے مٹ نہیں سکتی تھیں بالخصوص جبکہ مابعد کے واقعات (جن کا اعمال کی کتاب میں ذکر ہے) اُن کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھنے میں ممدومعاون رہے۔

یوحنا ۱۲: ۴۲سے ظاہر ہے کہ یہودی قوم کے" سرداروں میں سے بھی بہتیرے سیدنا مسیح پر ایمان لائے مگر فریسیوں کے سبب سےاقرارنہ کرتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ عبادت خانہ سے خارج کئے جائیں (نیزدیکھویوحنا ۳: ۱، ۷، ۱۳ وغیرہ)یہ سب کے سب صاحبِ ثروت واقتدار تھے اوراُن میں سے بعض قومِ یہود کی صدرِعدالت کے ممبر تھے(یوحنا ۱۹: ۳۸، ۳۹، ۷: ۵ وغیرہ)۔

ان ہزارہا ہزارچشم دید گواہوں میں سے بعض بوڑھے تھے (یوحنا ۱: ۱۸، ۲: ۲٦، ۳٦) بعض اُدھیڑعمر کے تھے (یوحنا ۵: ۵، یوحنا ۸: ۴۳، ۱۳: ۱۱) بعض ابھی نوخیزتھے(یوحنا ۴: ۵۱، ٦: ۹ ،متی ۹: ۱۸، ۱۵: ۲۸)لیکن ان گواہوں کی ایک بہت بڑی اکثریت جوان عمر لوگوں کی تھی ۔ (مرقس ۹: ۳۴ وغیرہ)

اناجیلِ اربعه کو سرسری نظر پڑھنے سے بھی یه بات عیاں ہوجاتی ہے که آنخداوند کے چشم دید گواہوں کی عمر بیس اورتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ جس کا مطلب یه ہے که اگریہودی مردوں اورعورتوں کی اوسط عمر کی معیاد ۷۰، ۸۰ برس کی ہو (زبور ۹۰: ۱۰) تو یه ہزاروں چشم دید گواہ یروشلیم کی تباہی اورہیکل کی بربادی (۷۰ء) کے وقت زنده تھے۔ اوراگراناجیلِ اربعه اس واقعه ہائله سے پہلے ہی احاطه تحریر میں آچکی تھیں تو یه ہزاروں اشخاص انجیلی بیانات کے مصدق تھے۔

(۲)

ان ہزارہا چشم دید گواہوں کے ہجوم کے علاوه ہزاروں مردوں کی ایک اوربھیڑ تھی جو آپکے خون کی پیاسی تھی(مرقس ۱۵: ۱۱، متی ۲۷: ۲۰، لوقا ۲۳: ۲۳) جب آپ مصلوب ہوئے تو وه یہودیوں کی عید کے دن تھے (لوقا ۲۲: ۷)جب ہریہودی بالغ پرفرض تھا که وه یروشلیم حج کرنے کےلئے جائے (خروج ۲۳: ۱۵)۔ پس آپ کی صلیبی موت کے روح فرسادا واقعه کودیکھنے والوں کی" ایک بڑی بھیڑ" جمع تھی(لوقا ۲۳: ۲۷)۔ جواس واقعه کی چشم دید گواه تھی جس کو وه کبھی فراموش نہیں کرسکتے تھے۔ اس " بڑی بھیڑ" کا ایک بہت بڑا حصه بھی یروشلیم کی تباہی کے زمانه میں زنده تھااورانجیلی بیان کا مصدق تھا۔

اِن مخالفوں کے ہجوم کے علاوه فریسیوں ، فقہیوں ، ہیرودیوں ، صدوقیوں ، صدرِعدالت کے ممبروں، کاہنوں اور سردارکاہنوں کی ایک بڑی جماع تھی جو تین سال تک ہر شہر اور قصبه میں آنخداوند کی مخالفت پرتلے رہے اوربالاآخر اُنہوں نے آپ کو مصلوب کرکے چھوڑا، فقیہوں اورفریسیوں کا فرقه ابتدا ہی سے حضرت کلمته الله کے اقوال وافعال پر حرف گیری کرتا رہا (مرقس ۲: ۶، ۱۸، ۲۴) اوروه ہمیشه " اس تاک میں رہے که آپ پر الزام لگائیں "(مرقس ۳: ۲) ۔ اس غرض کے لئے فقیہه یروشلیم شہر سے دوردراز صوبه گلیل کو گئے(مرقس ۳: ۲۲) اوروه آپ کے رویه کودیکھ کر" فریسیوں اور ہیرودیوں کے ساتھ آپ کے برخلاف مشوره کرنے لگے که آپ کو کس طرح ہلاک کریں" (مرقس ۳: ۶) ۔ یه باتیں جوآپ کی خدمت کے شروع میں ہی واقع ہوئیں اس مقتد رگروه کے

عندیہ کا پتہ دیتی ہیں(متی ۱۳: ۳۹)۔ تین سال تک یہ گروہ برابر آپ کی مخالفت پر تلا رہا اورہمیشہ منہ کی کھاتارہا(لوقا ۱۳: ۱۷، متی ۲۲: ۴۶، ۲۲: ۳۴۔ وغیرہ) بالاآخریہ مقتدر اوربارسوخ طبقہ غالب آیا اوراس نے رومی گورنر کے ہاتھوں آپ کو مصلوب کرواکے دم لیا۔

ظاہر ہے کہ اس طبقہ کا کوئی فرد بھی آپ کے اقوال وافعال کو بھول نہیں سکتا تھا ۔ آپ کے اقوال اُن کے لئے جگردوزتھے ۔(متی ۲۳باب وغیرہ) پھر وہ اُن دلخراش کلمات کو کس طرح فراموش کرسکتے تھے ؟ آپ کے افعال ، یہودی بزرگوں کی روایات کے عین ضد تھے (مرقس ۷باب وغیرہ) پھر وہ اُن کو اپنے دلوں سے کس طرح محو کرسکتے تھے؟ وہ خود سنتے تھے اوردیکھتے تھے اور دوسروں کوآپ اُن حرکتوں سے مطلع کرتے تھے ۔ پس وہ چاروانجیلی بیانات کے چشم دید گواہ بن جاتے ہیں (اعمال ۳: ۱۳تا ۱۵، ۴: ۱۰، ۱۰تا ۱۶، ۵: ۲۷تا ۲۸۔ ۷: ۵۱تا ۵۲وغیرہ)۔ جن کی شہادت کو کوئی صحیح العقل شخص رد نہیں کرسکتا ۔ان مخالفین کی اکثریت آ پ کی ہم عمر تھی۔پس وہ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء کے زمانہ میں انجیلی بیانات کے جیتے جاگتے زندہ گواہ تھے ۔

(۳)

مذکورہ بالا ہزارہا مخالف وموالف گواہوں کے علاوہ ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد جوآپ پر ایمان لے آئے تھے۔ اُن کی تعداد اس قدربڑی تھی کہ سردارکاہنوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا تھا کہ" اگرہم اس کویونہی چھوڑدیں توسب اس پر ایمان لے آئینگے"(یوحنا ۱۱: ۴۷تا ۵۳۔ لوقا ۶: ۱۷وغیرہ)۔ فریسی چلا اٹھے کہ " سوچو توتم سے کچھ بن نہیں پڑتا۔ دیکھو جہاں اس کا پیرو ہوچلا "۔(یوحنا ۱۲: ۱۹) مقدس پولوس نے مسیحی ہونے کے بعد ایمان داروں کی ایک جماعت سے ملاقات کی جس کی تعداد" پانچ سو سے زیادہ " تھی (۱کرنتھیوں ۱۵: ۶) مقدس لوقا ایمان داروں کی ایک اورجماعت کا ذکرکرتے ہیں جو" تخمیناً ایک سوبیس شخصوں کی جماعت تھی (اعمال ۱: ۱۵) جن میں ایسے ایمان داربھی تھے جو" یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر خداوند کے ہمارے پاس اٹھائے جانے تک برابر ہمارے ساتھ رہے "(۱: ۲۲)۔

ایک اور جماعت تھی جس کی بابت لکھا ہے کہ خداوند نے ۷۰ آدمی مقرر کئے" جن کو آپ نے اپنے آگے آگے بھیجا (لوقا ۱۰: ۱) تاکہ وہ خوشخبری کی منادی کریں۔

ان کے علاوہ آپ نے بارہ رسول خاص مقرر کئے (لوقا ۶: ۱۳) جو شب وروز آپ کی صحبت کا فیض حاصل کرتے رہے ۔ جو آپ کے ساتھ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے رہے اور سفر وحضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ اورآپ کے ہر لفظ کے لب ولہجہ تک سے واقف تھے۔(لوقا ۲۲: ۲۸، مرقس ۳: ۱۴)۔ ان آخری دوجماعتوں کوآپ خاص ہدایات دیتے تھے(لوقا ۱۰: ۱، ۳۴۔ متی ۱۰باب)۔ لیکن سب سے زیادہ توجہ آپ نے اپنے دوازدہ رسولوں کی تعلیم وترتیب کی طرف دی(مرقس ۴: ۱۰تا ۳۴ ، ۶: ۳۰، ۷: ۱۷تا ۲۳۔ متی ۶: ۱۳تا ۲۸۔ لوقا ۹: ۲۸تا ۳۶۔ مرقس ۹: ۳۳تا ۳۷۔ لوقا ۹: ۴۴ تا ۴۸۔ مرقس ۱۰: ۳۳تا ۴۵۔ مرقس ۱۳باب یوحنا باب ۱۴تا ۱۸: ۱۲وغیرہ)۔

اوّل الذکر ایمان داروں کا گروہ یروشلیم کی تباہی کے وقت آنخداوند کا جیتا جاگتا زندہ گواہ موجود تھا(متی ۱۶: ۲۸ وغیرہ) دوسرا تیسرا اوربالخصوص دوازدہ رسولوں کا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جنہوں نے آپ کی ظفریاب قیامت کے بعد تمام دنیا میں ہندوستان سے لے کر ہسپانیہ تک پہلی صدی کے اندر اندرآپ کی انجیل کی بشارت ممالکِ مشرق ومغرب اوراقوامِ عالم میں پہنچادی۔

(۴)

پس انجیل بیانات کے مصدق ہزارہا ہزارگواہ ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ان واقعات کو دیکھا اوران کلمات کو سنا جن کاذکر اناجیل اربعہ میں موجود ہے۔ یہی لوگ ان واقعات کو بتلانے والے اور ان کلمات کودوسروں تک پہنچانے والے تھے۔ اُن میں بوڑھے، اُدھیڑ عمروالے ، جوان ،مردعورتیں ،آنخداوند کے شیدائی اورآپ کے جان لیواغرض سبھی قسم کے لوگ شامل تھے ۔ اُنہوں نے اناجیل اربعہ کے مندرجہ واقعات کو اپنی زبان سے بتلایا ۔ اوراپنے قلم سے قلمبند کیا۔ یہ سب کے سب چشم دیدگواہ تھے جن کے مرنے سے پہلے نہ صرف اناجیل لکھیں گئیں بلکہ یہوداور غیر یہود اقوام میں ارضِ مقدس کے اندراوربا ہر مخالف وموالف کے

ہاتھوں میں مختلف ممالک کے دوردراز مقامات اوررومی سلطنت کے کونے کونے میں پہنچ گئیں۔

ہم یہ امر ناظرین کے ذہن نشین کردینا چاہتے ہیں کہ اناجیل اربعہ کے واقعات کو بتلانے والے اورلکھنے والے خود چشم دید گواہ تھے "جو شروع سے خود یکھنے والے اورکلام کے خادم تھے " (لوقا ۱: ۲)۔ ان اناجیل میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو روایت پر مبنی ہو اورجس کی نسبت کسی نے کہا ہو کہ مجھ سے بیان کیا زید نے اوراس سے بیان کیا بکر نے اوراس سے بیان کیا عمر نے کہ اس نے سنا اپنے باپ سے کہ اس نے کہا میں نے سنا اپنے باپ سے جس کو بتلایا فلاں نے کہ حضرت کلمتہ اللہ نے فلاں مقام پر فلاں اندھے کی آنکھیں اس طرح کھولیں۔ اناجیل اربعہ میں نہ تو " تابعین کے اقوال پائے جاتے ہیں اورنہ "تبع تابعین" کے اقوال مندرج ہیں۔ اناجیل کے بیانات میں نہ توکوئی حدیث مقطوع ہے اورنہ مقطع ہے۔ ان میں نہ حدیث مرسل ہے اورنہ مبہم ہے۔ ان میں کوئی بیان ایسا نہیں جو" عن فلاں" وعن فلاں" سے بیان کیا گیا ہو یعنی جس میں صرف سماعی اسناد ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جن اندھوں لنجوں مفلوجوں وغیرہ کوآنخداوند نے اپنی معجزانہ طاقت سے شفا بخشی تھی انہوں نے اپنے بیٹوں، عزیزوں ، دوستوں اورواقفکاروں کے حلقہ سے ضرور ان عجیب معجزوں کا چرچا کیا ہوگا اوراُن کے عزیز واقارب اوراحباب نے اپنے بیٹوں پوتوں وغیرہ سے ضرور کہا ہوگا کہ میرے بھائی یا باپ دادا کو سیدنا مسیح نے فلاں مقام پر شفا بخشی تھی اوریوں روایات کا سلسلہ قدرتی طورپر تیسری چوتھی پشت تک بلکہ اس سے بھی آگے چلا ہوگا۔ چنانچہ جیسا ہم آگے چل کر بتلائینگے۔بشپ پے پئیس جیسے اشخاص ہمیشہ اس جستجو میں لگے رہتے تھے کہ " ایلڈروں (تابعین) کی زبان سے یہ معلوم کریں کہ اندریاس یا پطرس نے کیا کہا۔ یا یوحنا یا متی اور سیدنا مسیح کے شاگردوں میں سےکسی اورنے کیا کہا ۔۔۔کیونکہ میرا یہ خیال تھاکہ میں زندہ گواہوں کے بیانات سے کتابوں کے صفحوں کی نسبت زیادہ سیکھ سکتا ہوں" لیکن انجیلی بیانات جیسا ہم اوپر بتلاچکے ہیں اس قسم کی روایات سے بالکل مستغنی ہیں اوران بیانات کا روایات سے رتی بھر تعلق نہیں۔ کیونکہ ان بیانات میں

تابعین یا تبع تابعین یعنی دوسری یا تیسری یا چوتھی پشت کے بیانات کاشائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اناجیلِ اربعہ کو سمجھنے کے لئے نہ کسی روایت کی ضرورت ہے اور نہ راویوں کے سلسلہ کی ضرورت ہے۔ پس ہمیں نہ توراویوں کے بیان کے صدق وکذب کو جانچنے کے لئے اصول قائم کرنے کی ضرورت ہے اورنہ اسماالرجل کے علم کی ضرورت ہے ۔ اس نکتہ کو ہم انشاء اللہ جلد دوم کے حصہ چہارم کے باب ہشتم میں مفصل طورپر واضح کرینگے۔ انجیلی بیانات سیدھے سادے معتبر بیانات ہیں جو سب کے سب بغیرکسی استشناء کے صادق چشم دید گواہوں کےبتلائے ہوئے اورلکھے ہوئے ہیں۔ دوِ اولین کی پہلی پشت اور رسولوں کے گذرنے سے پہلے(جیسا ہم انشاء اللہ ثابت کردیں گے) نہ صرف اناجیل اربعہ بلکہ رسولو ں کے اعمال ،مقدس پولوس کے خطوط وغیرہ لکھے گئے اورنقل ہوکر آنخداوند کی وفات کے چالیس پچاس سال کے اندراندرپہلی صدی کےاختتام سے بہت پہلے دوردراز کے مقامات اورکلیسیاؤں کے ہاتھوں میں پہنچ گئے تھے۔

اس سلسلہ میں ایک اورامر ناظرین کو فراموش نہیں کرنا چاہیے ۔یہ ہزاروں مخالف وموالف گواہوں کی جماعت سب کی سب خواندہ تھی۔ اہل یہود میں بچوں کی تعلیم جبریہ اورلازمی تھی ۔ بچوں کو پہلے اُن کے گھروں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ پیدائش ہی سے مذہبی فضا میں تعلیم پاتے تھے۔ تورات اور صحائفِ انبیاء کے مطالعہ پر زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ربی جنائی (Jannai) کایہ قول تھاکہ بچہ تورات کا علم ماں کے دودھ کے ساتھ حاصل کرتاہے۔ کتبِ عہد عتیق وجدید اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ یہودی مائیں اپنے بچوں کی روحانی تربیت اورذہنی پرورش میں کوئی دقیقہ فردگذاشت نہیں کرتی تھیں (۲تمیر۱: ۵ وغیرہ) ہریہودی باپ پر یہ فرض عائد تھاکہ وہ اپنے بیٹے کو تورات اورکتبِ عہد عتیق کا علم سکھلائے جونہی یہودی بچہ بولنے کے قابل ہوتا اس کو کتابِ مقدس کی آیات حفظ کرائی جاتیں اورجُوں جُوں وہ قدوقامت میں بڑھتا اُس کو کتابِ مقدس کے حصص اورمزامیر حفظ

کرائے جاتے تھے۔یہودی فلاسفر فائلو[1] کہتا ہے " یہود گویا اپنی پیدائش ہی سے والدین ، استادوں اورمعلموں سے یہ سیکھتے ہیں کہ خدا جو دنیا کا خالق ہے وہ ایک ہے۔ یہ حقیقت اُن کو پہلے سلکھلائی جاتی ہے اوراس کے بعد ان کوموسوی شرع اور یہودی رسوم کی باتیں بتلائی جاتی ہیں"۔ یہودی مورخ یوسیفس کہتاہے[2]۔ " ہماری قوم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیں اور وہ شریعت کے قوانین اورآئین پر عمل کریں تاکہ کسی کوبھی یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ وہ شریعت سے بے خبر ہے"۔ پانچ چھ سال کی عمر میں یہودی بچہ مکتب کو بھیجا جاتا تھا۔پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس کے ہر شہر قصبہ اورگاؤں میں یہ مکتب موجود تھے۔ چھ برس کے اُوپر کے بچوں کی جبریہ تعلیم لازمی تھی اوراُن کی تعلیم پر اس قدر زوردیا جاتا تھا کہ ربیوں کا یہ فتویٰ تھاکہ کسی یہودی کے لئے ایسے مقام میں رہنا حرام ہے جہاں مکتب نہ ہو۔ عبادت خانے اکثراوقات مکتب کا کام بھی دیتے تھے اورعبادت خانہ کا خادم یا امام کتب کا استاد اوربچوں کی ذہنی ترتیب اورشریعت کی تعلیم کا ذمہ دارہوتا تھا۔

انجیل جلیل کی کتب سے ظاہر ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے زمانہ میں ارضِ مقدس کے کونے کونے میں عبادت خانے موجود تھے جن میں آپ اورمقدس پولوس اکثرتعلیم دیا کرتے تھے (لوقا ۴: ۱۱،اعمال ۱۳: ۱۵، ۴۴- ۱۷:۱، ۱۲- ۱۸: ۴، ۱۹ وغیرہ)۔ آنخداوند کے دنوں میں فقط یروشلیم میں عبادت خانوں کا شمار چاراورپانچ سو کے درمیان[3] تھا۔ جو مکتبوں کا کام بھی دیتے تھے ۔ تمام ارضِ مقدس میں ان عبادت خانوں نے یہودیت کو ایک واحد قوم بنادیا تھا پس وہ قوم کی تقویت ، اتحاد اوریک جہتی کا باعث تھے۔ اُن کے مکتبوں کے تعلیمی نصاب کی واحد غرض یہ تھی کہ یہودی قوم کا تحفظ ہو اوریہودیت پائیندہ اورزندہ رہے۔ او روہ اسی مقصد کے تحت مرتب کیا جاتا تھاکہ قوم اسرائیل میں قومیت کا جذبہ اور قومی اتحاد پھلے پھولے ۔ دیہات اور قصبات کے مکتبوں سے طالب علم ابتدائی اورثانوی تعلیم

---

[1] Philo, Leg ad Caium 31
[2] Josephus, Against Apion, 1,12,and 2,26
[3] Fairweather, The Back ground of the Gospels pp.25-26

حاصل کرکے یروشلیم کے " کالجوں" میں جایا کرتے تھے (اعمال ۲۲: ۳) ان تعلیمی اداروں کے طفیل ارضِ مقدس کے مختلف صوبوں میں اوریروشلیم کے درمیان نہ صرف تبادلہ خیالات ہوجاتا بلکہ طلباء کی تمام زندگی ایک خاص ڈھانچہ میں ڈھل جاتی جو قوم اسرائیل کی مضبوطی اوراستحکام کا باعث تھی[1]۔

ان مکتبوں اورکالجوں میں قوتِ حافظہ پر خاص طورپر زوردیا جاتا تھا۔ تعلیمی نصاب میں نہ صرف کتابِ مقدس کے حصص حفظ یا دکرائے جاتے تھے بلکہ اداروں کے ربی اپنی اوربزرگوں کی خاص تعلیم کے الفاظ اپنے شاگردوں کو رٹایا کرتے تھے۔ قدرتاً حافظہ کی قوت بڑھ جاتی اوران تعلیمی اداروں کے شاگرد کتبِ تورات اور" بزرگوں کی روایات" کو ازبر کرنے میں طاق ہوتے تھے ، اورطوطے کی طرح رٹ کر سنایا کرتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ ہزاروں چشم دید مخالف وموالف گواہ سب کے سب لکھے پڑھے خواندہ لوگ تھے جن کی قوتِ حافظہ سالوں کی تربیت سے نہایت تیز ہوگئی تھی۔پس اگر ان ہزاروں گواہوں میں سے ایک یا دوتین سو شخص بھی ایسے ہوں جنہوں نے "اس پر کمر باندھی جوباتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں" اُن کو قلمبند کریں اور حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات کو احاطہ تحریر میں لائیں یا ان کو حفظ یاد کرکے دوسروں تک پہنچائیں تویہ ایک نہایت قدرتی بات ہوگی کیونکہ بالفاظِ مقدس پطرس " ممکن نہیں کہ جو ہم نے دیکھا اورسنا ہے وہ نہ کہیں"(اعمال ۴: ۲۰)۔ بالخصوص جب ایمانداروں کی جماعت کے اُستاد نے اُن سے فرمایا تھا کہ " تم میرے گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو"(یوحنا ۱۵: ۲۷) پس آنخداوند کی ظفریاب قیامت کے بعدیہ جان کرکہ" آسمان اورزمین کا کُل اختیار" سیدنا مسیح کودیا گیا ہے"(متی ۲۸: ۱۸) یہ چشم دید گواہ پہلی صدی کے ختم ہونے سے قبل " تمام قوموں" میں گئے اوراُن کو خوشخبری دی کہ " جوکچھ ہم نے دیکھا اورسنا ہے تم کو بھی اس کی خبر دیتے ہیں تاکہ تم بھی ہمارے شریک ہو"(۱۔یوحنا ۱: ۳)۔اُنہوں نے انجیلی واقعات کو قلمبند کیا اور کہاکہ " یہ اس

[1] Edersheim, Jesus the Messiah vol.1 Ch.9pp.227-232.

لئے لکھے گئے ہیں کہ تم ایمان لاؤکہ عیسیٰ ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اورایمان لا کراس کے نام سے زندگی پاؤ"(یوحنا ۲۰: ۳۱)۔ ایمان داروں کی جماعت کے صدہا گواہوں میں سے ہرایک کو یہی احساس تھاکہ " یہ میرے لئے ضروری بات ہے کہ خوشخبری سناؤں بلکہ مجھ پر افسوس اگر خوش خبری نہ سناؤں " (رومیوں ۹: ۱۶) وہ کہتے تھے " یہ باتیں ہم اس لئے لکھتے ہیں کہ ہماری خوشی پوری ہوجائے"(۱۔یوحنا ۱: ۴)۔

باب دوم

مسیحی کلیسیا کاآغازاورانجیل جلیل کی اشاعت

باب اوّل میں ہم بتلاچکے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ ۳۰ء میں مصلوب ہوئے اورآپ کی جوانامرگ کےواقعہ جانکاہ کے بعد ہزارہا لوگ جو آپ کےسوانح حیات ، معجزاتِ بینات اورکلمات طیبات کےچشم دید گواہ تھے آپ کی وفات کے بعد کم ازکم چالیس برس تک یعنی یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) تک زندہ رہے۔

یہ چالیس سال کا عرصہ انجیلِ جلیل کے بیانات اوران بیانات کی صحت کے لئے نہایت اہم زمانہ ہے۔کیونکہ اگرانجیلی بیانات میں کوئی فتورپڑسکتا تھا توانہی پہلے چالیس سالوں کےعرصہ میں پڑسکتا تھا۔ یہ زمانہ گویا زنجیرکی اولین کڑیاں ہیں اوراگریہ کڑیاں کمزورہیں توان کے بعد کی کڑیوں کا مضبوط ہونا عبث ہے ۔ ہم نے اپنی کتاب" صحتِ کُتُبِ مقدسہ" میں ثابت کردیاہے ۔ کہ پہلی صدی کے بعد انجیلِ جلیل کے متن میں کسی قسم کا فتورواقع نہیں ہوا۔ اس کے برعکس اس کے متن کی صحت بے مثال ہے لیکن اگرپہلی صدی کے دوران میں انجیلی بیانات کی صحت میں فتورواقع ہوگیا ہوتو مابعد کی صدیوں میں ان کی صحت کا ثابت کرنا بیکارہے ۔ پس اصل سوال وہ چالیس ایک سال کا وقفہ ہے جو واقعات کے رونما ہونے اوراناجیل کے لکھے جانے کے درمیان حائل ہے۔ یہ زمانہ اناجیل اربعہ کی تالیف اورمسیحی کلیسیا کےوجود میں آنے اوراُس کی حیرتناک ترقی سے تعلق رکھتا ہے۔ پس لازم ہے کہ ہم اس زمانہ کےخیالات ،واقعات اورحالات کا مطالعہ کریں تاکہ ہم معلوم کرسکیں کہ اناجیل

اربعہ کا وجودکن حالات میں رونما ہوا اور وہ ضرورت کیا تھیں جن کے تحت یہ امر ناگریز ہوگیاکہ کلمتہ اللہ کے کلمات اورسوانح حیات یونانی زبان میں لکھے جائیں۔ اس زمانہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے مقدس لوقا کی تصنیفات کی جلد ثانی" رسولوں کے اعمال"اورمقدس پولوس رسول کے خطوط اوریہودی مورخ یوسیفس کی تصانیف خاص طورقابلِ اعتبار اورکارآمد توراریخی ماخذ ہیں۔

ان کتابوں سے معلوم ہوتاہے کہ جب آنخداوند آسمان کو صعود فرمائے گئے توآپ کے رسول، ایمانداروں کی جماعت دس روز" دعا میں مشغول " رہی۔ دسویں دن اہل یہود کی عید تھی اوراس دن روح القدس سے معمورہوکر انہوں نے اپنی تبلیغی مہم شروع کی۔ عید کو منانے کےلئے نہ صرف ارضِ مقدس کے یہودی آئے ہوئے تھے بلکہ یروشلیم شہر میں " پارتھی، مادعی ، عیلامی اورمسوپتامیہ کپدکیہ پنطس آسیہ، فروگیہ ، پمفولیہ ، مصر اورلیوا کے رہنے والے اورکریتی اورعرب" بھی تھے۔ مقدس پطرس نے ایک زبردست تقریر کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ " اسی روزتین ہزارآدمیوں کے قریب اُن میں مل گئے"۔ اوراس کے بعد جونجات پاتے تھے اُن کو خداوند ہر روز اُن میں ملادیتا تھا۔ (اعمال ۲باب) لوگ چاروں طرف سے رسولوں اورمبلغوں کے "پاس دوڑے "آتے تھے (اعمال ۳: ۱۱) جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہواکہ " کاہن اورہیکل کے سردار اور بزرگ اورفقیہ اورسردار کاہن حنا اورکائفا اور یوحنا اوراسکندریہ اورجتنے سردار کاہن کے گھرانے کے تھے یروشلیم میں جمع ہوگئے "(اعمال ۴: ۱تا ۵)۔ایک قیامتِ صغریٰ برپاہوگئی ۔ رسولوں کو عدالت میں گھیسٹا گیا۔ دھمکایا ،پٹوایا گیا۔ حوالات میں قید کردیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ الٹا مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دواکی ، کلام کے سننے والوں میں سے بہتیرے ایمان لائے یہاں تک کہ مردوں کی تعداد پانچ ہزار کےقریب ہوگئی "(اعمال ۴: ۴)۔

تین سال کی متواتر سزاوں کے باوجود تعداد بڑھتی ہی گئی "اورایمان لانے والے مرد وعورت خداوند کی کلیسیا میں اوربھی کثرت سے آملے"(اعمال ۵: ۱۴) " خدا کا کلام پھیلتا گیا اوریروشلیم میں شاگردوں کا شماربہت ہی بڑھ گیا " معاملہ

یہاں تک بڑھاکہ "کاہنوں کی بڑی گروہ اس دین کی تحت ہوگئی (اعمال ۶: ۷)تب تو سردار کاہن، وغیرہ تلملا اٹھے اوراُنہوں نے "اُن کوقتل کرنا چاہا"۔ ہر جگہ پروانے بھیجے گئے کہ" جو اس طریق پر پائے جائیں خواہ مرد خواہ عورت اُن کو باندھ کر یروشلیم میں " لایا جائے "۔ یروشلیم میں بڑا ظلم برپا ہو"۔ ستفنس جوایک عالم شخص اورجوشیلامبلغ تھا شہید کردیا گیا پس رسولوں کے سوا سب لوگ یہودیہ اورسامریہ کی اطراف میں پراگندہ ہوگئے"(اعمال ۸: ۱)۔کیونکہ سردار کاہن کے ایجنٹ کلیسیاؤں کو" اس طرح تباہ کرتے کہ گھر گھر گھُس کر اورمردوں اورعورتوں کو گھسیٹ کر قید "کرتے تھے (اعمال ۸: ۳) لیکن ان تمام آفتوں کے باوجود مسیحی کلیسیادن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی گئی کیونکہ " جو پراگندہ ہوئے تھے وہ کلام کی خوشخبر ی دیتے پھرے"۔ (اعمال ۸: ۴) اوریوں یہودیہ گلیل ،سامریہ انطاکیہ ، کپرس ، فینیکے،لسترہ، دربے، قیصریہ ، حبش وغیرہ دوُردراز کےمقامات کے رہنے والوں کو نجات کا پیغام مل گیا۔

۳۳ء میں اہل یہود کا سب سےزبردست جوشیلا ایذادینے والا ایجنٹ دمشق کی کلیسیا کو ایذادینے گیا لیکن مسیحی ہوگیا اوراس کا نام پولوس رکھا گیا (اعمال ۹: ۱۸) وہ جو پہلے مسیحیوں کو قتل کرنے کی "دھن" میں لگا رہتا تھا اب نہایت جوش وخروش سے ہر یہودی مرد اورعورت کوصلیب کا پیغام سنانے لگ گیا۔ اس پراہل یہود بھڑک اٹھے اوربادشاہ ہیرودیس کے پاس فریاد پہنچی جسنے ۴۳ء میں ستانے کے لئے کلیسیا میں سے بعض پر ہاتھ ڈالا اور یعقوب کو تلوار سےشہید کردیا"(اعمال ۱۲: ۲) مقدس پولوس جہاں کہیں گئے اہل یہود نےآپ کوہر جگہ ستایا اورفتنہ برپا کردیا(اعمال ۱۳: ۵، ۱۷: ۵، ۱۸: ۱۲، ۲۰: ۳، ۲۱: ۲۷تا ۳۰ وغیرہ)۔آپ کوبینتوں سے پٹوایا گیا۔ قید کرایا گیا۔ سنگسارکردیا گیا حتی کہ آپ کی جان لینے کی باربار کوشش کی گئی (اعمال ۱۴: ۱۹، ۱۶: ۳۳، ۲۱: ۳۶، ۲۲: ۲۲، ۲۳: ۱۲ وغیرہ)۔ لیکن کوئی حکمت کارگرثابت نہ ہوئی۔ اس کا الٹا نتیجہ یہ ہواکہ منجی جہاں کی موت کے پندرہ رسال بعد مقدس پولوس نے نہ صرف یہود بلکہ غیر یہود میں بھی پرچار کرنا شروع کردیا (اعمال ۱۳: ۱۔ ۱۳: ۴۶، ۱۸: ۶

وغیرہ)۔آپ سلطنتِ روما کے مختلف شہروں اور قصبوں میں گئے ۔ اورہر جگہ تقریریں کیں اور" ایسی تقریر کی کہ یہودیوں اوریونانیوں کی ایک بڑی جماعت ایمان لے آئی؟ (اعمال ۱۴: ۱)۔ " خدا نے غیر یہود کےلئے بھی ایمان کا دروازہ کھول دیا(اعمال ۱۴: ۲۷) اور وہ ہرجگہ ایمان لے آئے(اعمال ۱۳: ۴۸)بالخصوص انطاکیہ اورسوریہ اورکلکیہ میں ہر جگہ کلیسیائیں قائم ہوگئیں (اعمال ۱۵: ۲۳)۔ اوریہ" کلیسیائیں ایمان میں مضبوط اورشمار میں روز بروز زیادہ ہوتی گئیں "(اعمال ۱۶: ۵)۔ ان کے ساتھ ساتھ سلطنت روما کے مختلف شہروں میں" خدا پرست یونانیوں کی ایک بڑی جماعت اوربہتیری شریف عورتیں بھی اُن کے شریک ہوگئیں(اعمال ۱۷: ۴)اوریہ ایماندار ہر جگہ انجیل جلیل کے جانفزا پیغام کے علمبردار ہوگئے اورانہوں نے بے شمار لوگوں کو خداوند کا حلقہ بگوش کرلیا(اعمال ۱۹: ۱۸) اور"اسی طرح خداوند کاکلام زورپکڑکر پھیلتا اورغالب ہوتا گیا"(اعمال ۱۹: ۲۰)۔ یوں خداوند کی نجات کا پیغام مقدونیہ، تھسلنیکے، بیریہ، کرنتھس ،افسس ، روم غرضیکہ سلطنتِ روم کے ہر بڑے شہر اور دوردراز کے مقامات بلکہ ہسپانیہ تک پھیل گیا۔ مقدس پولوس نے ان شہروں میں ۴۶ء کے بعد دوتین بار دورہ کیا ۔ کلیسیاؤں کو خطوط لکھے تاکہ اُن کو ایمان کی استقامت حاصل ہو اوروہ دوسروں کی نجات کا باعث بنیں۔

پس دوزادہ رسولوں اوراُن کے مرُیدوں نے ارض مقدس کےمختلف صوبوں کے شہروں ، قصبوں اورگاؤں میں انجیل جلیل کی اشاعت کردی۔ خاص "یروشلیم میں شاگردوں کا شمار بہت ہی بڑھ گیا اورکاہنوں کی بڑی گروہ" منجئی جہان کے قدموں میں آگئی (اعمال ۶: ۷، ۱۰: ۴۵، ۱۴: ۱۔ ۱۸: ۲۸ وغیرہ)۔ سیدنا مسیح کے یہ جوشیلے مبلغین اپنے منجی کی محبت میں اس قدرسرشارتھے کہ انہوں نے صلیب کے پیغام کی خاطر ہرطرح کی ایذائیں برداشت کیں۔ اُن کو بینت لگے۔ اُنہوں نے کوڑے کھائے ، سنگسار کئے گئے ۔ قید خانوں میں ڈالے گئے۔ وہ سمندراوردریاؤں کے خطروں میں ، خشکی اورڈاکوؤں کے خطروں میں ،بیابانوں کے خطروں میں پڑے۔ بھوک اورپیاس کی شدت ، فاقہ کشی ، سردی اورننگے پن وغیرہ کی اُنہوں نے مطلق پر دانہ کی ، اُنہوں نے جان بکف

ہوکرتیس سالوں کے اندراندر ارضِ مقدس اوردیگر ممالک کے کٹر یہود کو اوریونانی مائل یہود کو اوربُت پرست مشُرک غیریہود کو صلیب کے نیچے لاکر کلیسیا میں سب کو شامل کرکے ایک واحد رسولی اورپاک جامع کلیسیا کی بنیادڈال دی۔ اور"یہودی قوم کی ساری اُمید توڑدی"(اعمال ۱۲: ۱۱)۔

(۲)

جب ہم ان تیس سالوں کے واقعات پر تفصیلی نظرڈالتے ہیں توہم پرعیاں ہوجاتاہے کہ ان بتدائی ایام کی مسیحی کلیسیا میں حسب ذیل گروہ تھے:

(۱۔) دوازدہ رسول:

(۲۔)یہودی مُرید جو ہزاروں کی تعداد میں منجئی جہان کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔

اعمال (۴: ۴، ۶: ۷، ۱۰: ۴۵)۔ نہ صرف ارضِ مقدس کے یہودی سیدنا مسیح پر ایمان لے آئے تھے بلکہ ارضِ مقُدس کےباہر رہنے والے یہود بھی کلیسیامیں جوق درجوق شامل ہوگئے تھے۔۔۔(اعمال ۲: ۴۱، ۱۴: ۱۔ ۱۳: ۵وغیرہ) ارضِ مقدس کے اندرخاص یروشلیم میں "یہودیہ میں ہزارہا آدمی ایمان لے آئے تھے" (اعمال ۲۱: ۲۰) اوراُن میں خاص طورپر قابل ذکر" کاہنوں کی بڑی گروہ" ہے جوآنخداوند پر ایمان لے آئی تھی (اعمال ۶: ۷) اُن کی مادی زبان ارامی تھی۔

(۳۔) ان کٹر یہودیوں کےعلاوہ" یونانی مائل یہود" ہزاروں کی تعداد میں مشرف بہ مسیحیت ہوگئے تھے۔ یہ یہود یونانی تہذیب اورعلم کے دلداہ اور فراخ دل کشادہ خیالات کے مال تھے"(اعمال۲: ۱۰، ۶: ۱ وغیرہ)۔ ان کی مادری زبان یونانی تھی کلیسیا کے پہلے ڈیکن اسی گروہ میں سے تھے اورکلیسیا کا پہلا شہیدان ڈیکنوں میں سے ایک تھا(اعمال ۷: ۶۰)۔

(۴۔) ان کٹریہود اوریونانی مائل یہود کے علاوہ ایک کثیر تعداد اُن لوگوں کی منجئی عالمین پر ایمان لے آئی تھی جن کو اہل یہود" خدا پرست نومرید" کہتے تھے۔(اعمال ۲: ۱۰، ۱۳: ۴۳ وغیرہ)۔ یہ لوگ مذہب کے یہودی تھے لیکن قوم اسرائیل میں سے نہیں تھے ۔ یہ وہ یہودی " نومرید" تھے جن کی نسبت حضرت کلمتہ اللہ نے فقیہوں اورفریسیوں کوملامت کرکے فرمایا تھا کہ " تم ایک مرُید کرنے کے لئے تری اورخشکی کا دورہ کرتے ہو اورجب وہ مرُید ہوچکتا ہے تو اسے اپنے سے

دونا جہنم کا فرزند بنادیتے ہو"(متی ۲۳: ۱۵)۔ یہ یہودی نوُمرید عبادت خانوں میں جاتے اوریہودی شرح پر عمل کرتے تھے اگرچہ وہ نامختون تھے۔ یہ لوگ مسیح موعود کے تصور سے واقف تھے۔ کیونکہ انہوں نے مسیح موعود کی بابت یہودی ربیوں سے تعلیم پائی تھی اوروہ عبادت خانوں میں عہد عتیق کی کتُب کوسننے کے عادی ہوچکے تھے۔ اُن کو بعض اوقات " خدا سے ڈرنے والے" کہا جاتا تھا (اعمال ۱۰: ۲، ۱۳: ۱۶)ان یہودی نومریدوں نے بھی ہزاروں کی تعداد میں صلیب کے پرچم کے نیچے دنیا۔ نفس اورشیطان سے پناہ لے کر روحانی تسلی حاصل کی۔

(۵۔) مذکورہ بالا چاروں گروہ یہودی مذہب کے ذریعہ منجئی جہان پر ایمان لائے تھے لیکن اگرچہ اُن کی تعداد" ہزارہا" لوگوں پر مشتمل تھی تاہم کلیسیا کی اکثریت اُن کی نہ تھی۔ بلکہ کلیسیا کی اکثریت اُن لوگوں کی تھی جو بُت پرست مشُرک اقوام میں سے منجئی جہان پر ایمان لے آئے تھے ۔ مقدس پولوس رسول نے جب دیکھاکہ اہل یہود" خدا کا کلام" ردکرتے ہیں اوراپنے آپ کو ہمیشہ کی زندگی کے ناقابل" ٹھہراتے ہیں(اعمال ۱۳: ۴۶ وغیرہ) تو آپ نے غیر یہود مُشرک اقوام کو" زندگی کاکلام " سننا شروع کیا جس کی وجہ سے آپ " غیر اقوام کا رسول " کہلائے (گلتیوں ۲: ۹، افسیوں ۳: ۷)۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنتِ روم کے ہزارہا ہزار بُت پُرست پردیسی اورمسافرنہ رہے بلکہ مقدسوں کے ہم وطن اور خدا کے گھرانے کے ہوگئے"(افسیوں ۲: ۱۹)۔ یہ تعداد روزافزوں ترقی کرتی گئی حتی کہ پہلی صدی کے اواخر میں لاکھوں پر مشتمل ہوگئی۔

ان ہزراہا ہزار مسیحیوں کو جو بُت پرست اقوام سے آنخداوند کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے قدرتی طورپر یہودی شریعت سے کوئی خاص اُنس نہ تھا۔ یہودی رسوم وروایات اُن کےلئے کوئی معنی نہ رکھتی تھیں۔وہ گناہوں سے نجات پانے کے طالب تھے اوربس۔ لہذا اس گروہ میں اورکٹر یہودی مسیحیوں میں بالخصوص اُن میں جو یروشلیم کے رہنے والے تھے قدرتی طورپر کشمکش شروع ہوگئی۔ پہلا گروہ وہ مختونوں کا تھا جو یہودی رسوم وروایات کاعاشق تھااور" شریعت کے بارے میں سرگرم" تھا (اعمال ۲۱: ۲۰)۔یہ گروہ

کہتا تھا کہ " اگر موسیٰ کی رسم کے موافق تمہارا ختنہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پاسکتے "(اعمال ۱۵: ۱تا ۵ وغیرہ)۔ لیکن آخری گروہ مقدس پولوس کے ساتھ اتفاق کرکے کہتا تھا کہ " اگر تم ختنہ کراؤگے تو مسیح سے تم کوکچھ فائدہ نہ ہوگا" (گلتیوں ۵: ۲)۔ پس اِس بات کو نپٹانے کے لئے کلیسیا کی پہلی کونسل ۴۸ء میں یروشلیم میں منعقد ہوئی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ " ضروری باتوں کے سوا م تم پر (موسوی شرح کا کوئی) اوربوجھ نہ ڈالیں کہ تم بُتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اورلہو اورگلا گھونٹے ہوئے جانوروں اورحرام کاری سے پرہیز کر" (اعمال ۱۵: ۲۹)۔ جوُں جوُں سال گذرتے گئے ان غیر یہود اقوام سے نومرید بڑھتے گئے اوراُن کی تعداد یہودی مسیحیوں کی تعداد سے بڑھتی گئی ۔ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) کے واقعہ نے یہودی قوم کا شیرازہ بکھیردیا اوروہ پراگندہ ہوکر دنیا کے مختلف ممالک میں جابسے۔اس واقعہ نے مسیحی کلیسیا کی بھی کایا پلٹ دی کیونکہ اس واقعہ کے بعد غیر یہود مسیحیوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے روزبروزاضافہ ہوتا گیا لیکن چونکہ یہودی پراگندہ ہوکر تتربتر ہوگئے تھے اُن کا رسوخ اوراُن کی تعداد قدرتی طورپر مسیحی کلیسیا میں ہر سال کم ہوتی گئی حتیٰ کہ پہلی صدی کے آخر میں غیر یہود مسیحیوں کی تعداد اس قدرغالب تھی کہ کلیسیا عملی طورپر اُن ہی پر مشتمل تھی۔

باب سوم

اناجیلِ اربعہ کا پسِ منظر

گذشتہ باب میں ہم نے ناظرین کےسامنے ابتدائی ایام کی کلیسیا کے حالات پیش کئے ہیں تاکہ وہ اُن حالات سے واقف ہوکریہ جان سکیں کہ اناجیل کیوں لکھی گئیں اوروہ کس طرح اورکن حالات کےماتحت لکھیں گئیں اور وہ تقاضائے زمانہ کیا تھے جن کی وجہ سے وہ موجودہ یونانی صورت میں لکھیں گئیں۔

ہم بابِ اوّل میں بتلا چکے ہیں کہ اُس زمانہ میں ایسے ہزارہا لوگ زندہ تھے جنہوں نے آپ اپنے کانوں سے حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات کوسُنا تھا اورخوداپنی آنکھوں سے آپ کے معجزاتِ بینات کودیکھا تھا اُن میں سے صدہا تھے جو ایمان داروں کی جماعت میں شامل ہوگئے تھے اوراپنے ہم مذہب اور قوم والوں کو آپ کی جانفزا تعلیم اور" طریق نجات"(اعمال ۱۶: ۱۷، ۱۸: ۲۶، ۹: ۹، ۲۳- ۲۴: ۱۴)۔ کا پیغام دیتے تھے ۔ جب کلیسیا میں لوگ جوق درجوق شامل ہوگئے تو یہ ضرورت پیش آئی کہ ایمان داروں کی یہ جماعت نومریدوں کو آنخداوند کی تعلیم وسوانح حیات سے مطلع کرے۔ اُن کے ایمان کی استقامت میں مدد دے تاکہ یہودی ایذارسانیوں کے طوفان سے اوراُن کے ایمان کی کشتی ڈگمگانہ جائے۔ پس رسولوں نے اس چشم دید گواہوں کی ایماندار جماعت کو نئی تشکیل وتنظیم دی تاکہ کلیسیا منظم ہوجائے۔ چنانچہ اب کلیسیا میں " رسول " تھے ۔ پھر وہ پہلے شاگرد (یعنی صحابہ) جنہوں نے " خداوند کودیکھا تھا"۔ اور جو" یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر سیدنا مسیح کے ہمارے پاس سے اٹھائے جانے تک برابر ہمارے ساتھ رہے"(اعمال ۱: ۲۱)۔اس نظام میں" نبی" تھے جو انبیائے سابقین کی طرح روح القدس کے وسیلے خدا کی مرضی لوگوں پر ظاہر کرتے تھے کلیسیا میں شفا دینے والے پرسبٹر، ڈیکن ، پاسٹر، مبشر اورمعلم وغیرہ بھی تھے۔چنانچہ لکھا ہے ۔ "خدا نے کلیسیا میں الگ الگ شخص مقررکئے ۔ پہلے رسول دوسرے نبی ، تیسرے اُستاد ، پھر معجزے دکھانے والے ، پھر شفا دینے والے ،مددگار، منتظم ،طرح طرح کی زبانیں بولنے والے۔ بشارت

دینے والے چرواہے بنا کردے دیا تاکہ مقدس لوگ کامل بنیں اورخدمتگزاری کا کام کیا جائے اورمسیح کا بدن ترقی پائے" (اعمال ۱۳: ۱، ۱۵: ۲۲، ۱۹: ۶، ۱کرنتھیوں ۱۲: ۲۸، افسیوں ۴: ۱۱ وغیرہ)۔ رسول مختلف آدمیوں کو اُن کی لیاقت کے مطابق مختلف کاموں کے لئے دُعا اورروزہ کے بعد چُن لیتے تھے (اعمال ۱۵: ۲۲، ۶: ۳ وغیرہ)۔

ہم ان اقسام میں سے خاص طورپر یہاں دوقسم کے لوگوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں یعنی اوّل وہ جو بشارت یا منادی کرتے تھے اور دوسرے وہ جو معلم اوراستاد تھے اور تعلیم (Didoche) دیتے تھے ۔ مقدس پولوس رسول کے خطوط میں ان دونوں قسم کےلوگوں میں تمیز کی گئی ہے۔ مناد مسیحیتکے اُصول کی تعلیم دیا کرتے تھے لیکن معلموں کا یہ کام تھاکہ وہ اس منادی کی تشریح اورتوضیح کرکے اپنے علم کے زورسے یہود کو قائل کریں۔

بعض مثلاً پطرس رسول صرف منادہی تھے (اعمال باب ۲ وغیرہ، ۲پطرس ۳: ۱۵تا ۱۶)۔ لیکن بعض مناد اورمعلم دونوں تھے۔ مثلاً پولوس رسول فرماتاہے کہ " ہم مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں" (۱کرنتھیوں ۱: ۲۳)لیکن وہ ساتھ ہی معلم بھی ہے اور کہتا ہے کہ "ہم کاملوں میں حکمت کی باتیں کہتے ہیں" (۱کرنتھیوں ۲: ۶ وغیرہ)۔ یہ منادی مسیحیت کے اصول پر مشتمل تھی۔ یہ منادی " نیو" تھی جس کو اُس توفیق کے موافق جو خدا نے منادوں کو بخشی تھی" وہ دانا معمار کی طرح رکھتے تھے اوردوسرے اُس نیو پر عمارت اٹھاتے تھے" (۱کرنتھیوں ۳: ۱۰) یہ عمارت اٹھانے والےمعلم یا استاد یا مسیحی " ربی " تھے جن کو رسول فرماتاہے " ہرایک خبردار رہے وہ کیسی عمارت اٹھاتا ہے "۔ اگر کوئی اس نیو پر سونا چاندی یا بیش قیمت پتھروں یا لکڑی یا گھاس یا بھوسے کا روارکھتے تو اُس کا کام ظاہر ہوجائیگا" (۱کرنتھیوں۳: ۱۲)۔ پس " نیو " ایک ہی تھی جس کے کونے کےسرے کا پتھر خودمسیح یسوع ہے۔اُسی میں ہر ایک عمارت (یعنی ہرمعلم کی نظامِ تعلیم)مل ملا کر خداوند میں ایک پاک مقدس بنتا جاتا ہے ۔" (۱کرنتھیوں ۳: ۱۱، افسیوں ۲: ۲۱ وغیرہ) ہررسول کی " منادی " کا نفس مضمون ایک ہی تھا۔ چنانچہ پولوس رسول فرماتاہے " خواہ میں ہوں خواہ دوسرے رسول

ہوں ہم یہی منادی کرتے ہیں اوراسی پر تم ایمان بھی لائے(۱کرنتھیوں ۱۵: ۱۱)۔

مقدس پولوس نے یہ خط یہود نومریدوں کوآنخداوند کی صلیبی موت کے ۲۳ سال بعد ۵۳ء میں لکھا تھا ۔ پس ان ۲۳سالوں میں اوران کے پہلے بھی تمام نومریدوں کو خواہ وہ یہود تھے یا غیریہود ایک ہی منادی کی جاتی تھی۔ اگر" منادی" کے اُصولوں کی تشریح اورتوضیح قدرتی طورپر یہود کے لئے ایک طریقہ سے کی جاتی تھی اورغیریہود کو اُسی منادی کے اُصول دوسرے طریقوں سے سمجھائے جاتے تھے۔

پس سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ اس منادی کا نفس مضمون کیا تھا؟ لفظ منادی کے لئے انجیل میں یونانی لفظ (Kerygma) " کرگما" استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ کے فعل کےمعنی ہیں" نقیبِ شاہی یا خبردینے والے منادی کرنے والے کے فرائض یا اعلان کرنا"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی پیغام کا اختیار کے ساتھ اعلان کرنا۔ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس " منادی" کا نفسِ مضمون کیا تھا جس کا اعلان اختیاراور قدرت سے کیا جاتا تھا؟

اس منادی کے نفسِ مضمون کو معلوم کرنے کےلئے ہمارے پاس دو ماخذ ہیں۔ اوّل پولوس رسول کے خطوط کےوہ مقامات جن میں وہ ابتدائی کلیسیا کے عقائد کا ذکر کرتے ہیں مثلاً، رومیوں ۱: ۲، الخ ۱۰: ۹، ۱کرنتھیوں ۱۱: ۲۳ الخ ۱۵: ۳، الخ وغیرہ ۔ دوم رسولوں کے اعمال کی کتاب کی تقریر جن میں قدیم ترین ایام کے بیانات ہیں جو قدیم سے ہی ارامی زبان میں لکھے گئے تھے۔

پولوس رسول کے خطوط ۵۰ء اور۶۰ء کے درمیان لکھے گئے تھے لہذا وہ بھی قدیم ترین خوشخبری اورمنادی کے نفسِ مضمون کو معلوم کرنے کےلئے نہایت کارآمد ہیں۔ یہ منادی ان خطوط کے احاطہ تحریر میں آنے سے بیس سال پہلے شروع تھی اورکلیسیا میں ابتدائی ہی سے رائج ہوتی چلی آتی تھی(۱کرنتھیوں ۱۵: ۳)۔ مقدس پولوس رسول آنخداوند کی وفات کے صرف تین سال بعد مسیحی ہوگئے تھے لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ مسیحی ہونے سے پہلے ہی اس نئے " طریق" کے اُصولوں سے واقف تھے جب وہ یروشلیم میں ربی گمل ایل کے شاگرد تھے (اعمال ۲۲: ۳تا ۵و۲۰: ۳۵ وغیرہ)۔ اگر وہ ان

اصولوں سے واقف نہ ہوتے تو اُن کو مسیحیوں کو" قتل کرنے کی دھن" نہ ہوتی۔

پولوس رسول کے مکتوبات سے ہم کو پتہ چلتا ہے کہ اس منادی کا نفسِ مضمون حسب ذیل تھا:

(۱۔) انبیائے سابقین کی نبوتیں پوری ہوگئی اوراب مسیح موعود کی آمد سے اس دنیا میں ایک نیا دورشروع ہوگیا ہے۔

(۲۔) سیدنا مسیح جو مسیح موعود ہیں وہ ابن داؤد ہیں جنہوں نے خدا کی قدرت سے معجزات کئے۔

(۳۔) گو سیدنا مسیح اہل یہود کے مسیح موعود ہیں لیکن کتابِ مقدس کی نبوتوں کے مطابق ضرور تھا کہ آپ صلیبی موت مریں تاکہ آپ دنیا کو اس بُرے زمانہ سے نجات عطا فرمائیں۔

(۴۔) موت کے بعد آپ دفن کئے گئے۔

(۵۔) آپ کتابِ مقدس کے مطابق موت پر فتح پاکر تیسرے روزمردوں میں سے جی اٹھے۔

(۶۔) آپ خدا کے داہنے ہاتھ سرفرازہیں۔ آپ" خدا کا بیٹا" ہیں اورمردوں اورزندوں پر حکمران ہیں۔

(۷۔) آپ بنی آدم کے منجی ہیں اورمنصف ہوکر عدالت کے لئے پھرآنے والے ہیں۔

(۸۔) پیغام سننے والوں کو نصیحت ، کہ وہ توبہ کریں اوربپتسمہ پاکر گناہوں کی معافی حاصل کریں۔

یہ ہے نفسِ مضمون اِس خوشخبری کا جس کی رسول منادی کرتے تھے۔ انجیل میں اس منادی کو" خدا کی بادشاہت کی منادی" کہا گیا ہے ۔ مقدس پولوس اس منادی کو" مسیح کی منادی" کہتے ہیں۔رسولوں کے اعمال کی کتاب میں یہ دونوں نام موجود ہیں۔ جس کے مطابق رسول" یسوع" کی یا" مسیح" کی یا" خدا کی بادشاہت" کی منادی کرتے تھے۔

مقدس پطرس رسول کی پہلی چار تقریریں یہ ثابت کردیتی ہیں کہ ابتداہی سے رسول مذکورہ بالا باتوں کی منادی کرتے تھے(اعمال ۲: ۱۶، ۳: ۱۸، ۳: ۲۴، ۲: ۳۰تا ۳۱، ۲: ۲۲، ۳: ۲۲، ۳: ۱۳تا ۱۴، ۲: ۲۴تا ۳۱، ۳: ۱۵، ۴: ۱۰، ۲: ۳۳تا ۳۶، ۳: ۱۳، ۴: ۱۱،

۵: ۳۱، ۲: ۱۷تا ۲۱، ۵: ۳۲، ۳: ۲۱، ۱۰: ۴۲، ۲: ۳۸تا ۳۹، ۳: ۱۹، ۲۵تا ۲۶، ۴: ۱۲، ۵: ۳۱، ۱۰: ۴۳)۔

پس مقدس پطرس رسول بھی مقدس پولوس کی تائید کرتے ہیں۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم ترین ایام سے تمام رسولوں کی منادی کا نفسِ مضمون واحد تھا خواہ وہ اہل یہود کو نجات کا پیغام دیتے تھے اورخواہ وہ بُت پرست غیر یہود اقوام میں منادی کرتے تھے ۔ اناجیلِ اربعہ اس بات کی گواہ ہیں کہ دوازدہ رسولوں کی منادی کا نفسِ مضمون بجنسہ وہی تھا جو حضرت کلمتہ اللہ نے خود اپنی زبان معجز بیان سے ان کو سکھلایا تھا۔ ہم اس نکتہ پر انشاء اللہ آگے چل کر مفصل بحث کرینگے۔

(۲)

منجئی کونین کی وفات کے دوسال کے اندراندر خاص یروشلیم میں ایمان داروں کا" شماربہت ہی بڑھتا گیا" (اعمال ۶: ۷) اس مختصر عرصہ میں ایمان دارارضِ مقدس کے مختلف مقاموں ، شہروں اورقصبوں اورگاؤں میں پھیل گئے تھے اورشمارمیں ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اتنی بڑی تعداد کی تعلیم دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن رسولوں نے ایمانداروں کی جماعت کوئئی تشکیل دے دی تھی پس اُن کے حُسنِ انتظام کی خوبی نے یہ مسئلہ حل کردیا ۔ اُنہوں نے قابل اوردیانتدار" خادموں"(کلسیوں ۱: ۷، ۴: ۷، ۴: ۱۲، رومیوں ۱۶: ۶، ۹، ۱۲ وغیرہ)۔اورعالم ایمانداروں کےہاتھوں میں تعلیم کا کام سونپ دیا"۔ مثلاً پولوس رسول نے کلسے کے غیر یہود طالبانِ حق کے لئے اپفراس کو مقررکیا تھا کہ اُن کو مسیحی طریق نجات کی تعلیم دے"(کلسیوں۱: ۷، ۴: ۷، ۱۲ وغیرہ)خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ " کاہنوں کی بڑی گروہ" بھی آنخداوند کی حلقہ بگوش ہوگئی (اعمال ۶: ۷) " فریسیوں کے علم پرورفرقہ میں سے بھی ایمان لے آئے تھے"(اعمال ۱۵: ۵) وہ نہایت مقتدر اوربارسوخ شمارکئے جاتے تھے(اعمال ۲۱: ۱۸تا ۲۵ وغیرہ)یہ دونو گروہ اُن لوگوں کو جو رسولوں اوردیگر مبلغوں کی " منادی" کے ذریعہ کلیسیا میں شامل کئے جاتے تھے تعلیم دیتے تھے تاکہ " جس طرح انہوں نے مسیح یسوع خداوند کو قبول" کیا اسی طرح اس میں چلتے رہیں اوراس میں جڑپکڑتے اورتعمیر ہوتے جائیں اورجس طرح انہوں نے

تعلیم پائی اسی طرح ایمان میں مضبوط رہیں" (کلسیوں ۲: ۷) یہ کاہن اورفریسی آنخداوند کی تعلیم اورسوانح حیات کے چشمدید جیتے جاگتے گواہ بھی تھے۔ اُن میں سے بعض حضرت کلمتہ اللہ کے خفیہ شاگرد بھی رہ چکے تھے اور اپنی قوم کے سربرآدروہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے (یوحنا ۳: ۲، ۲۳: ۵۰)۔ایسے سرداروں کی تعداد بہت تھی جو سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ مگر علانیہ اقرارنہیں کرتے تھے (یوحنا ۱۲: ۴۲)۔ اب یہ تمام سربرآوردہ لوگوں کی جماعت علانیہ سیدنا مسیح پر ایمان لے آئی تھی (اعمال ۶: ۷، ۱۵: ۵، ۲۱: ۲۰ وغیرہ)۔ اورعلماء کا طبقہ کلیسیا میں تعلیم اوردرس وتدریس کےکام پر مامورہوا۔

(۳)

ظاہر ہے کہ اُن بے شمار ایمانداروں کو سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم اورکلماتِ طیبات سے واقف ہوں۔ اُن کے استادوں اور معلموں نے خود اپنے کانوں سے سیدنا مسیح کی زبانِ معجز بیان سے مختلف اوقات پر تعلیم سنی تھی۔ پس وہ اس بات کے اہل تھے کہ دوسروں تک آپ کی تعلیم کے اُصول پہنچائیں اوراُن پر انبیائے سابقین اورآنخداوند کی خصوصی تعلیم میں جو فرق ہے تفصیلی طورپر ظاہر کریں۔

حسنِ اتفاق سے ان معلموں کے ہاتھوں میں ایک رسالہ بھی تھا جو حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم اورآپ کے کلماتِ طیبات پر مشتمل تھا۔ اس رسالہ میں سیدنا مسیح کے دوازدہ رسولوں میں سے ایک نے یعنی مقدس متی رسول نے آپ کے کلمات کو جمع کررکھا تھا۔ اس رسالہ کا ہم مفصل ذکر آگے چل کر کرینگے۔ ان معلموں کے لئے یہ رسالہ نہایت معتبر اورکارآمد تھا۔ وہ اس کی مدد سے اُن نومریدوں کو ایسی باتیں بتلاسکتے تھے جن کے وہ خود چشم دید گواہ نہیں تھے ۔ اس رسالہ کی نقلیں کی گئیں تاکہ آنخداوند کی تعلیم سے ہرکس وناکس واقف ہوجائے۔ اس رسالہ کلمات کے علاوہ ان ابتدائی ایام میں حضرت کلمتہ اللہ کے اقوال زرین دیگر پاروں میں بھی تحریری شکل میں موجود تھے مثلاً ہم کو حال ہی میں ملکِ مصر میں بعض پارے دستیاب ہوئے ہیں جو

پیپائرس پر لکھے ہیں جن میں " (سیدنا مسیح کے نئے کلمات) New Sayings of Jesus سب سے زیادہ مشہور ہے[§]۔

ان کے علاوہ آنخداوند کے بعض ایسے مستند اقوال موجود تھے جو اناجیل اربعہ میں درج نہیں ہیں۔ مثلاف مقدس پولوس افسس کے بزرگوں سے آخری وصیت کرکے کہتا ہے کہ " خداوند مسیح کی باتیں یادرکھنا چاہئیں کہ اُس نے خود کہا کہ دینا لینے سے زیادہ مبارک ہے "(اعمال ۲۰: ۳۵) بعض ایسے معتبر اور مستند کلمات غیر مروجہ اناجیل میں بھی محفوظ ہیں جو سینہ بہ سینہ اُن کے مصنفوں تک پہنچ تھے۔

(۴)

رسول اپنی " منادی" میں باربار انبیائے سابقین کی کتابوں اورنبیوں کا حوالہ دیتے تھے (اعمال ۲: ۱۶، ۲۵، ۳۴۔ ۴باب ۱۱، ۷باب ۔ ۱۰: ۴۳، ۱۳: ۲۷، ۳۲، تا ۳۸ وغیرہ)۔ وہ یہود کے ساتھ" کتابِ مقدس سے بحث کرتے اوراس کے معنی کھول کھول کر دلیلیں پیش" کیا کرتے تھے (۱۷: ۲)۔ اہل یہود کو سیدنا مسیح کے قدموں میں لانے کا یہ قدرتی طریقہ تھا تاکہ اُن پر واضح ہوجائے کہ جن باتوں کی رسول" منادی " کرتے ہیں وہ " کتابِ مقدس کے مطابق " ہیں (۱کرنتھیوں ۱۵: ۳)۔

اُس زمانہ میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے چشمدید گواہوں سے آنخداوند کی بابت سنا تھا۔ ایک ایسے شخص کا اعمال میں ذکر پایا جاتا ہے(۱۸: ۲۴تا ۲۸)۔ اپلوس ایک عالم شخص تھا جو" سکندریہ کا رہنے والا خوش تقریر، فصیح البیان اورکتابِ مقدس کا ماہر تھا"۔ جب وہ افسس میں آیا تو وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کا شاگرد تھا ۔ پس اس کو " خدا کی راہ اور زیادہ صحت سے بتائی " گئی اوروہ کرنتھس کی کلیسیا کا استاد بناکر وہاں بھیجا گیا۔اس طریقہ کار سے پتہ لگتا ہے کہ مختلف اوردوردراز کے مقامات کے ایمانداروں کو تعلیم دینے کا کس طرح بندوبست کیا جاتا تھا اوریہ معلم کس پایہ کے عالم ہوتے تھے۔ اپلوس نے " وہاں پہنچ کر ان لوگوں کی بڑی مدد کی جو فضل کے سبب سے ایمان لائے تھے۔ کیونکہ وہ کتابِ مقدس سے یسوع کا مسیح ہونا ثابت کرکے بڑے زوروشور سے یہودیوں کو علانیہ قائل کرتا رہا "۔(اعمال ۱۸: ۲۷تا ۲۸)۔

[§] Rev.R.Dunkerely, The Reliability of the Gospels, Expositor Aug.1924

اہلِ یہودمیں مسیحی نجات کی خوشخبری کا احسن طورپرپرچارنہیں ہوسکتا تھا تاوقتیکہ عہدِ عتیق کے حوالوں سے " منادی" کی تائید ثابت نہ ہو۔ پولوس رسول کا بھی یہی وطیرہ تھا مثلاً وہ تھسلنیکے میں" دستور کے موافق کتابِ مقدس سے یہود کےساتھ بحث " کرتےرہے اور"کھول کھول کر دلیلیں پیش " کرکے یہ ثابت کرتے تھے کہ یسوع ہی مسیح موعود ہے اورمسیح کے لئے دکھ اٹھانا ضرورتھا اورکہ مسیح کتابِ مقدس کے مطابق مردوں میں سے جی اٹھا(اعمال ۱۷: ۲تا ۳)۔

پس مسیحی معلموں اوراستادوں کی فاضل جماعت کے مسیحی کاہنوں اورمسیح فریسیوں نے انبیائے سابقین کی کتابوں اورعہدِ عتیق کی دیگر کُتب کا غائر مطالعہ کیا تاکہ کتابِ مقدس کے اُن تمام مقامات کا سب ایمانداروں کو علم ہوجائے جن کی رو سے آنخداوند کی زندگی کے واقعات کا ہونا ضرورتھا۔ پس انہوں نے اپنے استادِ ازل کے نمونہ کے مطابق ایمانداروں کو " موسیٰ سے اورسب نبیوں سے شروع کرکے سب نوشتوں میں جوباتیں اُس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ اُن کو سمجھادیں" (لوقا ۲۴: ۲۷)۔

ڈاکٹر ہیرس Dr.Rendel Harris نے یہ نظریہ قائم کیا کہ قدیم کلیسیا نے سیدنا مسیح کی مسیحائی ثابت کرنے کےلئے ایک مستقل رسالہ میں کل آیات اورمقامات جمع کردئیے تھے۔ اس رسالہ کو اس عالم نے (Testamonies) (رسالہ اثبات)کا نام دیا۔ تیسری صدی کے درمیان میں مقدس سپرین نے بھی ایک اسی قسم کا رسالہ تالیف کیا تھا۔ لیکن اُس نے یہ کتاب خود تصنیف نہیں کی تھی بلکہ وہ پہلے ہی سے لکھی ہوئی تھی۔اس نے صرف اس کی نظر ثانی کرکے اُس میں چندایزادیاں کی تھیں۔ ڈاکٹر ہیرس نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ اس قسم کی آیات کےمجموعے ٹرٹولین ، آئرنیوس اور جسٹن شہید کی تصنیفات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس عالم نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ (۱) انجیل جلیل کےمختلف مصنفین اس قدیم کلیسیاکے" رسالہ اثبات" سے اقتباسات پیش کرتے ہیں اورکہ (۲) ان اقتباسات کا متن عام طورپر سیپٹواجنٹ کے متن کے مطابق نہیں ہے جس سے یہ ثابت

ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسرے یونانی ترجمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کا یہ بھی نظریہ ہے کہ (۳) انجیل کی کتب کے مصنفین کے استعمال سے پہلے ہی اس " رسالہ اثبات" کی بعض مختلف آیات ایک دوسرے سے باہم پیوستہ تھیں۔ اوراسی واسطے انجیل کے مصنفین نے ان آیات کا اکٹھا اقتباس کیا ہے ۔مثلاً مرقس ۱: ۲، ۳ میں ملاکی اوریسعیاہ کی کتب کی آیات جو اکٹھی لکھی ہیں وہ اس واسطے اکٹھی لکھی گئیں ہیں کیونکہ وہ اس انجیل کے لکھے جانے سے پہلے " رسالہ اثبات " میں اکٹھی کی گئی تھیں۔

ڈاکٹر موصوف کا یہ خیال ہے کہ اس رسالہ اثبات میں اس کے مصنفوں نے کتابِ مقدس کی آیات کو مختلف عنوانات کے ماتحت اُن کے موضوع کے مطابق اکٹھا جمع کیا گیا تھا جس طرح تیسری صدی میں مقدس سپرین نے کیا تھا۔

تمام حالات کو مدِ نظر رکھ کر یہ عالم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ" رسالہ اثبات" اگر قدیم ترین رسالہ نہیں توکم از کم قدیم ترین زمانہ سے متعلق ہے اورانجیل جلیل کی تمام کُتب سے پہلے احاطہ تحریر میں آیا تھا[1]۔

اُن یہودی نومریدوں کے لئے یہ لازمی امر تھا کہ اس بات کو جانیں کہ مسیح موعود کے لئے یہ کیوں " ضرور" تھا کہ وہ " سردارکاہنوں اور فقیہوں کے حوالہ کیا جائے اور وہ اس کے قتل کا حکم دیں " اوریہوداپنے مسیح کو" غیر قوموں کے حوالہ کریں جو اسے ٹھٹھوں میں اڑائیں اوراُس پر تھوکیں اوراسے کوڑے ماریں اورقتل کریں "(مرقس ۱۰: ۳۳تا ۳۴)۔انجیلِ جلیل کے ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب آنخداوند نے اپنے رسولوں کو صلیب کی خبر دی تھی تو اُن کا ردِ عمل یہ تھا"۔ اے خداوند، خدا نہ کرے ۔ یہ تجھ پر ہرگز نہیں آنے کا"(متی ۱۶: ۳۲) ۔ اہلِ یہود کے خیال میں مسیح موعود اورصلیبی موت دومتضاد تصور تھے۔ " مسیح مصلوب یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر" تھا(۱کرنتھیوں ۱: ۲۳) ۔ پس مسیحی معلموں کے لئے ضرور ہواکہ وہ نومریدوں کو مفصل طورپر ان واقعات اوراسباب سے مطلع کریں جن کی وجہ سے مسیح موعود مصلوب ہوئے

[1] C.H.Dodd, According to Scriptures (1953)

اورآپ کے " دکھوں" کی تفصیلات بتلائیں جوآپ کی زندگی کے آخری چوبیس گھنٹوں میں آپ کے پیش آئیں۔ ان معلموں نے نومریدوں پریہ بھی ثابت کرنا تھا کہ " صلیب کا پیغام ہلاک ہونے والوں کے نزدیك توبے وقوفی ہے مگرہم نجات پانے والوں کے نزدیك خدا کی قدرت ہے" (۱کرنتھیوں ۱: ۱۸)۔

پس معلموں کو ابتدائی ایام میں ہی یہ ضرورت پیش آئی کہ صلیبی واقعہ کا ایك مربوط اورمسلسل بیان مرتب کریں تاکہ نومرید اس واقعہ کی تفصیلات سے آگاہ ہوجائیں اوراُن پر ان واقعات کی اصل وجہ اور غائت بھی منکشف ہوجائے کہ اس قسم کے روح فرسااورجانکاہ واقعات کا مسیح موعود کے درپیش ہونا کیوں ضرورتھا۔

صلیبی واقعہ کی چشم دید گواہ " ایك بڑی بھیڑ" تھی (مرقس ۱۵: ۱۲، لوقا ۲۳: ۲۷ وغیرہ)۔جو عید کے موقعہ پر ارض مقدس کے مختلف مقامات سے یروشلیم میں جمع ہوئی تھی۔ اس بھیڑ میں یروشلیم کے رہنے والے بھی تھے۔ جب ان چشم دید گواہوں میں سے صدہاآنخداوند کے حلقہ بگوش ہوگئے توانُہوں نے جودیکھا اورسنا تھا لوگوں سے بیان کیا۔ اناجیل اربعہ کے غائر مطالعہ سے ثابت ہے کہ جس طرح مختلف مقامات کی کلیسیاؤں نے آنخداوند کے اقوال کو مختلف پاروں میں جمع کر رکھا تھا ، اسی طرح صلیبی واقعہ کے مختلف بیانات مختلف کلیسیاؤں میں مروج تھے ۔ ان بیاناوں میں قدرتی طورپر تفصیلی اورجزوی باتوں میں معمولی اختلافات تھے تاہم یہ بیانات مجموعی طورپر ایك دوسرے سے اتفاق کرتے تھے۔چنانچہ انجیل مرقس کا بیان بنیادی ہے اورمقدس متی کی انجیل کابیان اس کی محض دوسری ایڈیشن ہے جس میں چند دیگرباتیں ایزاکردی گئی ہیں۔مقدس لوقا کا بیان زیادہ مکمل ہے اس کی پلان دہی انجیل دوم کی ہی ہے جس سے ظاہر ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل کے صلیبی واقعہ کا بیان قدیم ترین زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اوریہ وہ بیان ہے جس کو ابتدائی ایام کی کلیسیا کے معلموں نے مختلف چشم دید گواہوں کے بیانات سے " ترتیب دار" مرتب کیا تھا۔ (لوقا ۱: ۱)تاکہ نومریدوں کو آنخداوند کے صلیبی واقعات اوران کی تفصیلات سے آگاہی ہوجائے ۔ چنانچہ بی۔ ایچ برنیز کومب اپنی تفسیر میں

کہتا ہے کہ سیدنا مسیح کے " صلیبی واقعہ کا بیان تحریر میں آچکا تھا"۔[1]

دورِ حاضرہ کے نقاد جو" فارم کرٹک" Form Critic کہلاتے ہیں متفقہ آواز سے ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ قدیم کلیسیا میں سب سے پہلے صلیبی واقعہ کے بیان مسلسل طور پر لکھے گئے تھے۔

انگریز عالم ونسنٹ ٹیلر Vincent Taylor کہتا ہے[2]۔ " صلیبی واقعہ کا بیان جواناجیل اربعہ میں محفوظ ہے دیگر انجیلی بیانات سے اس بات میں مختلف ہے کہ وہ مسلسل اورمربوط ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ شروع سے چلاآتا ہے۔ اس کاطرزبیان اورترتیب اس کی صداقت پر گواہ ہے اورثابت کرتی ہے کہ یہ بیان ایک تواریخی حقیقت ہے"۔

جرمن عالم ایڈورڈ مائر Edward Meyer کہتا ہے[3] کہ " آخری فسح کا بیان انجیل کےقدیم ترین حصص سے متعلق ہے گتسمنی اورگرفتاری کے بیان صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ

---

1 B.H.Brans Comb Moffat, Commentary on Mark p.xxxiv.

2 Vincent Taylor,The Formation of the Gosple Tradition (1933).p45

3 Ibid.p.46

مقدس پطرس کی زبان کے بیان ہیں۔ مرقس ۱۲باب کے واقعات اس وضاحت سے لکھے گئے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے ان کا سماں بندجاتا ہے اوروہ خارجی حالات کے بھی عین موافق ہیں۔ اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں کہ اس بیان کا سرچشمہ معتبر ترین ہے۔ اگریہ بیانات بعد کے زمانہ کے لکھے ہوتے تو وہ اس قسم کے نہ ہوتے۔مثلاً لکھا ہے کہ مسیح دورانِ مقدمہ میں تقریباً خاموش رہے لیکن اگریہ بیان بعد کے زمانہ میں لکھے جاتے تووہ اناجیل موضوعہ کے بیانات کے سے ہوتے ۔ جن میں آنخداوند یوحنا رسول سے ، صدرعدالت والوں سے ، ہیرودیس سے اورپلاطوس وغیرہ سے لمبی چوڑی گفتگو اوربحث کرتے ہیں۔ پس واقعہ صلیب کے انجیلی بیانات قدیم ترین اورصحیح ترین ہیں"۔

ڈاکٹر ونسنٹ ٹیلر اپنی کتاب میں سوال کرتا ہے[4]۔ کہ " جب مقدس پولوس فرماتا ہے کہ مسیح کتابِ مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کےلئے موا " (۱کرنتھیوں ۱۵: ۳ تو وہ کتابِ مقدس کے کس حصہ کی طرف اشارہ کرتا ہے؟ بعض

---

4 Ibid p.49

کہتے ہیں کہ آپ کا مطلب یسعیاہ ۵۳: ۵، ۶، ۱۱،۸، ۱۲، اوردانی ایل ۹: ۲۶اور زکریا ۱۳: ۷، یوناہ ۱: ۱۷، زبور۱۶: ۸تا ۱۱ وغیرہ مقامات سے تھا۔ لیکن بس مین Bus Mann کہتا ہے کہ نہ صرف ان مقامات میں سے کوئی بھی پولوس رسول کے ذہن میں نہ تھا بلکہ وہ عہدعتیق کی کسی کتاب کی طرف اشارہ نہیں کرتے بلکہ" کتابِ مقدس" سے آپ کا مطلب صلیبی واقعہ کے اُن بیانات سے ہے جن کا ذکر مقدس لوقا اپنے دیباچہ میں کرتے ہیں (۱:۱) یہ عالم کہتا ہے کہ ۱کرنتھیوں ۱۵: ۲ سے ظاہر ہے کہ صلیبی واقعہ کا بیان احاطہ تحریر میں آچکا تھا اورکلیسیاؤں کے ہاتھوں میں موجود تھا۔ شمٹ Schmidt بھی کہتا ہے کہ صلیبی واقعہ کا ایک مسلسل اورمربوط بیان، سارے کا سارا عبادت کے دوران میں درد کے طورپر پڑھا جاتا تھا[1]۔

پس ظاہر ہے کہ ابتدائی ایام سے ان معلموں نے جو علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز تھے کلیسیا کے ہاتھوں میں نہ صرف " رسالہ کلمات" اور" رسالہ اثبات" دے دیا تھا بلکہ اُن نومریدوں کی خاطر ایک رسالہ میں مسلسل مربوط بیان بھی لکھ دیا تھا ۔جس میں منجئی عالمین کی زندگی کے آخری دنوں اورآخری واقعات کا بیان ترتیب وارمرتب تھا۔

چونکہ صلیبی واقعہ یروشلیم کے شہر میں واقعہ ہوا تھا لہذا اس کا ترتیب وار مسلسل بیان بھی عالمِ وجود میں جلدی آگیا۔ لیکن آنخداوند اپنی ظفریاب قیامت کے بعد مختلف لوگوں کو ارض مقدس کے مختلف صوبوں اورمقاموں میں نظر آئے تھے لہذا وہ بیانات جوآپ کی قیامت سے متعلق ہیں مسلسل اورترتیب وارنہیں ہیں بلکہ منتشر قسم کے ہیں کیونکہ وہ مختلف کلیسیاؤں میں مروج تھے جن کو انجیل نویسوں نے بڑی کاوش کے بعد مختلف لوگوں اور مقاموں سے بعد میں اکٹھا کیا۔ چنانچہ مقدس پولوس کی ایک فہرست ہے (۱کرنتھیوں ۱۵: ۴تا ۷) اعمال ۲۲اور۲۶باب میں آپ کے بیانات ہیں۔ بعض بیانات یروشلیم سے مخصوص ہیں۔ لوقا ۲۴باب میں صوبہ گلیل میں دکھائی دینے کے بیان نہیں ہیں۔ لوقا ۲۴: ۳۴اور۱کرنتھیوں ۱۵: ۱۵ میں ذکر ہے کہ آنخداوند مقدس پطرس کو نظر آئے لیکن اناجیل اربعہ میں

[1] Ibid p.48

اس واقعہ کا بیان پایا نہیں جاتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند کے واقعہ قیامت میں کوئی ایسی ترتیب موجود نہیں جیسی واقعہ صلیب میں پائی جاتی ہے جس کا بیان مسلسل اورمربوط ہے۔

(۵)

جب غیر یہود اقوام میں سے بھی نومرید جوق درجوق مسیحی کلیسیا میں داخل ہوگئے تو اُن کے لئے بھی یہ تینوں مندرجہ بالا رسالے بڑے کا م کے تھے۔ پس یہ رسالے اُن نومریدوں کے لئے یونانی زبان میں ترجمہ کئے گئے کیونکہ پہلے جب یہ لکھے گئے تھے تو قدرتی طورپر وہ ارامی زبان میں مرتب کئے گئے تھے۔ ان رسالوں میں سے بالخصوص رسالہ کلمات" غیر یہود کی ضروریات کو پورا کرتا تھا پس اس کے یونانی زبان میں کئی ترجمے کئے گئے ۔ ان میں سے دوترجموں کا ذکر ہم انشاء اللہ آگے چل کر کرینگے۔

جب کلیسیامیں یہودی اورغیر یہود ہزاروں کی تعداد میں شامل ہوگئے تو استادوں اورمعلموں کی فاضل جماعت کے سامنے طرح طرح کے مسئلے اورقسم قسم کے سوال نومریدوں کی دونوں مختلف جماعتوں نے پیش کئے تاکہ وہ اُن کا حل ڈھونڈیں اوران کےسوالوں کا جواب دیں تاکہ مسیحی کلیسیا کے افرادکی روحانی ضروریات پوری ہوسکیں۔ بعض نقادوں نے جو"فارم کرٹکس" کہلاتے ہیں form critics ان سوالات کو چاراقسام کے بتلایا ہے۔

(۱۔) یہ نومرید چاہتے تھے کہ مسیحی ایمان اورعمل کے بارے میں اُن کی ہدایت ہو سکے۔ مثلاً بزرگوں کی روایات اورسبت کے احکام کے متعلق اُن کا کیا رویہ ہونا چاہیے (مرقس ۷: ۱تا ۲)۔ موسوی شریعت کے متعلق اُن کو کیا کرنا چاہیے (اعمال ۱۵: ۱و غیرہ)۔ فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی اوراُن کی راستبازی میں کیا فرق ہے(متی ۵: ۲۰، ۳: ۱۵ وغیرہ)دشمنوں سے محبت کیوں کریں؟ خیرات ،دُعا ،روزہ ،حرام حلال وغیرہ کے کیا احکام ہیں۔ بے ایمانوں کا اورایمانداروں کا انجام کیا ہوگا؟ سیدنا مسیح کب واپس آئینگے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالوں کے جواب میں وہ گواہ اور رسول جنہوں نے آنخداوند سے ان اوردیگر مسائل پر گفتگو کی تھی حضرت کلمتہ اللہ کے اُن کلمات کاذکر کرتے تھے جوانہوں نے

کانوں سے سنے تھے۔ ان واقعات اورکلمات کومختلف پاروں میں جمع کیا گیا تاکہ دور دراز کے مقامات کے نومریداُن سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

(۲۔) یہ نومریدقدرتی طورپر آنخداوند کے سوانح حیات اورکلماتِ طیبات سےواقف ہونا چاہتے تھے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے "رسالہ کلمات" کی نقلیں کی گئیں۔ تاکہ قصبات، مضافات اور دیاروامصار کی کلیسیائیں ایمان میں مضبوط ہوجائیں۔اس کےعلاوہ ہزاروں چشم دید گواہ زندہ تھے جومختلف مقامات میں رہائش گزیں تھے اور مقامی کلیسیاؤں سےآنخداوند کےمعجزاتِ بینات اورسوانح حیات کا ذکر کرتے تھے اوریوں نومریدوں کے ایمان کی استقامات کا باعث تھے۔ اُن کےبیانات مختلف پاروں میں مختلف کلیسیاؤں کے لئے لکھے گئے تھے اورمعلموں کی جماعت ان کوتعلیم دیتی تھی۔

(۳۔) تیسری قسم کے سوالات کا تعلق عبادت کےساتھ تھا۔ اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ یہودی نومُرید قدیم الایام میں ہیکل میں عبادت کرنے کے علاوہ اپنی خاص عبادت کیا کرتے تھے(اعمال۱: ۱۳، ۲: ۱، ۴۶، ۴: ۲۳۔ ۳: ۱ وغیرہ)۔ ان عبادتوں میں وہ اُن خاص باتوں کوادا کرتے جواُن سے مخصوص تھیں یعنی عشائے ربانی وغیرہ۔ (اعمال ۲: ۴۶، ۱کرنتھیوں ۱۰: ۱۶تا ۱۷ وغیرہ)۔ ان عبادتوں میں وعظ بھی ہوتے جن میں منجئی عالمین کے کردار وگفتار بتلائے جاتے تھے (اعمال ۲۰: ۹ وغیرہ)۔ یہود اورغیر یہود قربانیاں کرتے تھے اورنذریں گذارنتے تھے۔ پس یہ سوال پیدا ہوئے کہ کیا بتوں کے آگے قربانی کرنا یا ہیکل میں قربانیاں گذارننا جائز ہے؟ کیا قربانیوں کے گوشت کوکھانا ناجائز ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۴۔) چوتھی قسم کے سوالوں کا تعلق بحث سے تھا۔جب یہود یاغیر یہود میں سے کوئی نوُمرید ہوتا تو قدرتاً لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے اورایذاؤں کے علاوہ اس پر سوالوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ پس نومریدوں کوجائز وناجائز سوالوں کا جواب دینا ہوتا تھا۔ اس کے لئے اُن کے پاس بہترین جواب وہ تھے جوآنخداوند نے ایسے موقعوں پر خود دئیے تھے۔ ہزاروں لوگوں نے حضرت کلمتہ اللہ کے جوابات کو خود سناتھا جن کوسن کروہ "تعجب کرتے تھے"۔(لوقا ۲۰: ۲۶) ایساکہ "پھرکسی

کو سوال کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی (لوقا ۲۰: ۴۰) ایسے
واقعات اوراقوال بھی قدرتی طورپر مختلف اوقات میں
اورمختلف مقامات میں پاروں میں جمع کئے گئے تھے تاکہ
کلیسیاؤں کے لئے اورنومریدوں کے لئے شمع ہدایت ہوں۔

پس کلیسیا کے وجود کے ابتدائی ایام کے پہلے دس
سالوں میں ہی ان استادوں اورمعلموں کی فاضل جماعت
نے وہ تمام بیانات جمع کرلئے جن کا تعلق کلیسیا کی
ضروریاتِ زندگی سے تھا۔ اس دوُر اندیش رویہ کی وجہ سے
کلیسیا کو بقا اورایمان کی استقامت ملی یہ بیانات چشم دید
گواہوں کی بیان کردہ معتبر باتیں تھیں جن کو ہزارہا لوگوں نے
خود اپنے کانوں سے سنا اوراپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ، اورجن
میں سے بعض واقعات کے یہ فاضل معلم خود بھی چشم دید
گواہ تھے۔ یہ بیانات مختلف پاروں میں جمع تھے جو مختلف
لوگوں اور مقاموں کی کلیسیاؤں اوربالخصوص یروشلیم کی
کلیسیا کے پاس محفوظ تھے۔ استادوں اورمعلموں کی فاضل
جماعت ہر جگہ اوربالخصوص یروشلیم میں ان پاروں اور
رسالوں کی حفاظت کی ذمہ دار تھی۔

اسلامی تاریخ میں رسول عربی کی رحلت کے بعد ہی
مختلف سیاسی جماعتیں پیدا ہوگئیں جنہوں نے اپنے
اغراض ومقاصد کی تکمیل اورفریقِ مخالف کو زک دینے کے
لئے قرآنی آیات میں کم وبیشی کی اوراحادیث کو وضع کیا۔ ان
جماعتوں کا اختلاف قومی، مذہبی ، سیاسی اوراعتقادی ،
غرض سبھی قسم کا تھا۔ لیکن سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت
کے بعد مسیحی کلیسیا کا یہ حال نہ تھا۔ سب ایماندار "ایک
دل ہوکر جمع ہوا کرتے اورخوشی اورسادہ دلی سے" زندگی
گذارتے تھے "(اعمال ۱: ۱۴، ۲: ۴۶، ۴: ۲۴، ۵: ۱۲ وغیرہ)۔ حتےٰ
کہ جب غیریہود کا ختنہ ہونے کی وجہ سے اُن میں افتراق پیدا
ہوا تب بھی "رسول اوربزرگ اورسب ایماندار" ایسے نازک ایام
میں " یکدل " رہے ۔ (اعمال۱۵: ۲۲، ۲۴) ۔ پس سیدنا مسیح
کی ظفریاب قیامت کے بعد اناجیل اربعہ کی تالیف کے زمانہ
تک حالاتِ زمانہ کی وجہ سے ان قدیم ترین پاروں اورسالوں
میں کسی قسم کا فرق یا فتورپیدا نہ ہوا بلکہ وہ بجنسہ لفظ
بلفظ ویسے ہی جیسے اُن کے ثقہ اورچشم دید گواہوں نے لکھا

تھا۔ اورکلیسیا کے استادوں اورمعلموں کی فاضل جماعت ان پاروں اوررسالوں کی حافظ اورذمہ داررہی۔

باب چہارم

چشم دید گواہوں کے زبانی اورتحریری بیانات

فصل اوّل

زبانی بیانات کے نظریہ کی تنقید

گذشتہ باب میں ہم نے بتلایا ہے کہ کلیسیا کے فاضل استادوں اورمعلموں کی جماعت نے صدہا چشم دید گواہوں کے بیانات کو جمع کرکے اُن کورسالوں کی شکل میں ترتیب دے دیا تھا اورکہ ارضِ مقدس کے دیگر شہروں اور قصبوں میں بھی صدہا چشم دید گواہ موجود تھے، جس کی شہادتیں مختلف پاروں میں اُن مقامات کی کلیسیاؤں نے اُن ابتدائی ایام میں محفوظ رکھی تھیں۔ چنانچہ مقدس لوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں ان رسالوں اورپاروں کی جانب اشارہ بھی کرتا ہے لیکن مغربی ممالک کےبعض قابل علماء مثلاً بشپ وسٹکٹ اورڈاکٹر رائٹ جیسے پایہ کے فاضل کہتے ہیں کہ چشم دید گواہوں کے بیانات احاطہ تحریر میں سالہسال تک نہیں آئے تھے بلکہ جب تک اناجیل لکھی نہیں گئیں یہ بیانات

سینہ بسینہ چالیس پچاس سال تک زبانی حفظ کئے جاتے تھے اوردوسروں تک پہنچائے جاتے تھے۔ اوروہ لوگ بھی اُن کو رٹ کر حفظ کرلیا کرتے تھے اوریوں تواتر اور تسلسل کا سلسلہ اناجیل اربعہ کے لکھے جانے تک جاری رہا۔ یہ تواتر اورتسلسل انجیل کی صحت کا ذمہ وار ہے۔

ان علماء کا خیال ہے کہ آنخداوند نے اپنے شاگردوں اوررسالوں کو اپنے کلمات اورخطبات زبانی یادکرائے اورچونکہ مشرق کے لوگوں کا حافظہ تیز اورزبردست ہوتا ہے، لہذا ان لوگوں کے حافظہ میں حضرت کلمتہ اللہ کے خطبات اورکلمات کا نقش فی الحجر ہوگئے۔ اوراُنہوں نے اپنی باری میں سیدنا مسیح کے کلمات کو دوسروں کو حفظ کرایا چنانچہ پادری رائٹ صاحب لکھتے ہیں[1]۔

" زبانی تعلیم اس طرح شروع ہوئی کہ مقدس پطرس نے ایک تختی پر سبق لکھا اوراُس کو اپنے شاگردوں کوپڑھ کر سنایا جنہوں نے اس سبق کو اپنی تختیوں پر لکھ لیااوروہ اُن کو بلند آواز سے پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سبق حفظ یادہوگیا۔ لگے روز وہ حافظہ سے اس یاد کردہ سبق کو سنادیتے تھے اورپھر دوسرا سبق پڑھ لیتے تھے۔ یہ طریقہ کارروزبروزجاری رہا ہوگا جب تک کہ مسیحی تعلیم کا ایک اچھا خاصہ حصہ حفظ یاد ہوگیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ مقدس پطرس کے پاس ایسی نصف درجن تختیاں ہونگی جن سے وہ اپنی یاد کوبھی تازہ کرلیتے ہونگے ایساکہ آپ کامل طورپر سب باتیں خود یا دہوگئیں۔ آپ نے ان شاگردوں کو جن کے حافظے تیز ہوں گے استاد بنادیا ہوگا تاکہ وہ اسی طرح دوسروں کوبھی سکھلائیں ۔ جب کلیسیاؤں کی تعداد زیادہ ہوگئی تواُن استادوں کی ضرورت پڑی جن کا ذکر اعمال کی کتاب اورمقدس پولوس کے خطوط میں پایا جاتا ہے"۔

" اسی قسم کی عارضی دستاویزیں شروع ہی سے موجود تھیں۔ مقدس مرقس نے بعد کے زمانہ میں مقدس پطرس کے ارامی خطبات کو یونانی میں اس طرح لکھاکہ اس نے پہلے ارامی کے ایک حصہ کو ایک تختی پر لکھا۔ پھر ایک دوسری تختی پر اُس حصہ کا یونانی ترجمہ کردیا۔ تب اس نے اس

---

[1] Rev.Arthur Wright,"Prof, Stanton on the Synoptic Problem in Exp. Times for Feb.1910.pp.211ff.

ترجمہ کی نظرثانی کرکے " یونانیوں " کوسکھلایا۔ جس طرح مقدس پطرس نے " عبرانیوں " کی جماعت کو سکھایا تھا"۔

یہی صاحب ایک اورجگہ لکھتے ہیں[1]: مشرقی ممالک میں مغربی ممالک سے زیادہ حافظہ پر زوردیاجاتا ہے ۔ چنانچہ قاہرہ کے ازہر یونیورسٹی میں جوان طلباء قرآن کو حفظ کرتے ہیں"۔

ایک اور مقام میں یہ صاحب حضرت محمد عربی کی نظیر دے کر کہتے ہیں کہ " جس طرح آنحضرت نے اپنے صحابہ کو قرآن اورپارے حفظ کرائے تھے اسی طرح حضرت کلمتہ اللہ کاوطیرہ ہوگا"۔

(۲)

ہم نے باب اول میں یہ ثابت کردیا ہے کہ اہل یہود کا ہر بالغ آدمی اورہر نابالغ چھ سات سال کی عمر سے زیادہ کا بچہ پڑھا لکھا ہوتا تھا کیونکہ ہر بچہ کی تعلیم جبریہ اورلازمی تھی ۔ زبانی بیانات کےنظریہ کے حامی اس حقیقت کو فراموش کردیتے ہیں اورخیال کرتے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کے ہم عصر یہود حضرت محمد کے ہم عصر عرب کی مانند ناخواندہ اوراُمی قوم تھے اورکہ اہل یہود کے پاس نوشت وخواند کے لئے صرف نصف درجن کے قریب تختیاں ہی ہونگی جس طرح اہل عرب کے پاس قرآن کو لکھنے کے لئے " کھجور کے پتے ، سفید پتھر کی تختیاں ، چمڑے کے پارچے اورشانوں کی ہڈیاں " وغیرہ تھیں۔ اورکہ حضرت کلمتہ اللہ کے شاگردوں نے آپ کے خطبات کو اسی طرح رٹ لیا ہوگا جس طرح ازہریونیورسٹی کے طلبا قرآن کو حفظ کرلیتے ہیں۔ لیکن یہ سب اُن کا محض ظن ہے جو حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

اناجیل اربعہ کی بنیاد حافظہ پر قائم نہیں رہی۔ آپ چاروں انجیلوں کو پڑھیں اوراُس کے ایک ایک صفحہ کی ایک ایک سطر کو چھان ماریں آپ کو اس بات کا شائبہ بھی کہیں نہیں ملیگا کہ حضرت کلمتہ اللہ خطبہ دے کر اپنے شاگردوں کو خلوت میں خطبہ کا ایک ایک لفظ زبانی حفظ کرواتے تھے۔ یہ آنخداوند کا طریقہ کارہی نہ تھا اورنہ کوئی صاحبِ عقل شخص اناجیل کے مطالعہ کے بعداس قسم کے طریقہ

[1] Quoted in Dr, Sanday's article, "The Bearing of Criticism upon the Gospel History in Exp. Times, Dec, 1908.pp.103 ff.

کوآنخداوند سے متعلق کرنے کا خیال بھی کرسکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے سامعین آپ کی تعلیم کو سن کر" حیران رہ جاتے تھے کیونکہ وہ اُن کو فقیہو کی طرح نہیں ۔بلکہ صاحب اختیار کی طرح تعلیم دیتے تھے"(مرقس ۱: ۲۲ وغیرہ) آپ کے جان لیوا تک اس بات کا اقرارکرتے تھے کہ" انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا "(یوحنا ۷: ۴۶)۔ سیدنا مسیح کا طریقہ یہودی ربیوں کا طریقہ ہی نہ تھا جن کو بات بات پر اپنے استادوں کے کلام کی سند لانی پڑتی تھی اوربغیر سند کورٹ سنائے وہ ایک قدم بھی نہ چلتے تھے۔ آنخداوند تو استادِ ازل تھے۔ ان کے شاگردوں نے بھی رٹنے کا طریقہ کبھی استعمال نہ کیا۔ عہدجدید کی تمام کی تمام کتب اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ آپ کے شاگردوں نے نہ توکوئی خطبہ طوطے کی طرح خودرٹا اورنہ دوسروں کو رٹوایا۔ ڈاکٹر رائٹ صاحب کا یہ قول کہ مقدس پطرس ایک تختی پر سبق لکھتے اوراپنے مصاحبوں سے حفظ کرواتے تھے محض آپ کی قوتِ متخیلہ کے ظن پر مبنی ہے جس میں رتی بھر حقیقت نہیں۔

اگراناجیل کی بنیاد سینہ بسینہ روایات پر ہوتی تو ویڈ کے الفاظ میں " یہ احتمال رہتا ہے کہ قدیم ترین انجیل بھی قابل اعتماد نہیں۔ جب کسی شخص کے خواوہ رسول ہی کیوں نہ ہوں)گذشتہ مشاہدات صرف حافظہ کی بنا پر ۳۷سال کے بعدایک ایسا شخص لکھنے جوان واقعات میں سے صرف ایک دوکا ہی عینی گواہ ہو تو یہ کہنا زیادہ قرینِ عقل ہے کہ واقعات میں شک کی گنجائش رہ جاتی ہے[1]۔ جو اصحاب حافظہ کے نظریہ پر زوردیتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انسانی حافظہ کسی واقعہ کو صرف اجمالی طورپر ہی درستی سے پیش کرسکتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتاکہ حافظہ ہر لفظ کی صحت کا بھی ذمہ دارہو۔ حافظہ کے لئے کسی خطبہ یا تقریر کا ایک ایک لفظ صحت کے ساتھ واقعہ کے چالیس سال بعد دہرانا ایک ناممکن امر ہے۔

" فارم کرٹک Form Critic جوزبانی روایات کے حامی ہیں کہتے ہیں کہ جو روائت سینہ بسینہ چلی آئے وہ کچھ مدت کے بعد ایک خاص جامد صورت اختیار کرلیتی ہے اوراس کے

---

[1] Wade, N.T.History (1922).

الفاظ تک پکے ہوکر جمہور کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور گویا منجمد ہوجاتے ہیں لیکن پروفیسر برکٹ ایک ایسی مثال دیتے ہیں جس سے اس خیال کا کھوکھلا پن ہر شخص پر ظاہر ہوجاتا ہے ۔ وہ پوچھتے ہیں "کیا یہ لفظ اس قدر پکے ہوجاتے ہیں کہ پانچ ہزار کے کھانے کے معجزہ کے وقت تو" بارہ ٹوکریاں" اٹھائی جائیں (مرقس ٦: ٤٣)۔ اورچار ہزار کے کھانے کے وقت سات" پٹارے" یا" ٹوکرے" اٹھائے جائیں (مرقس ٨: ٨)۔ انجیل مرقس میں الفاظ " ٹوکریاں اور"ٹوکروں" میں تمیز کی گئی ہے اورانجیل اوّل میں بھی یہ تمیز برقرار رکھی گئی ہے ۔(١٦: ٩تا ١٠، مرقس ٨: ١٩تا ٢٠)۔ حیرت پر حیرت یہ ہے کہ اس معجزہ میں زبانی روایت کے الفاظ تو اس قدر پکے ہوجائیں کہ دونوں انجیلوں میں ان کا الگ الگ ذکر ہوا اوروہ محفوظ نہ کئے جائیں لیکن واقعہ صلیب اورواقعہ قیامت جیسے اہم ترین واقعات کے بیان کرنے میں ان کی تفاصیل اوران کے الفاظ میں اس قدر اختلاف ہو[1]۔

حق تو یہ ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ نے اپنے رسولوں کو "دعائے ربانی" کے علاوہ اورکوئی شے حفظ نہ کرائی۔ لیکن اس دعا کی بھی دوقرائتیں ہیں جن کے الفاظ میں اختلاف ہے (متی ٦: ٩تا ١٣، لوقا ١١: ٢تا ٤)۔ اگرآنخداوند اپنے مبارک منہ کے الفاظ کو رسولوں سے رٹوایا کرتے تھے تو اس اختلاف کے کیا معنی ؟

پروفیسر برکٹ کہتے ہیں " سیدنا مسیح نے اپنے ہاتھوں سے کچھ نہ لکھا ۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو دعائے ربانی کے الفاظ کے علاوہ اورکچھ نہ سکھلایا اوریہ دعا بھی دومختلف قرائتوں میں ہم تک پہنچی ہے۔ آپ کا یہ طریقہ ہی نہ تھا کہ شاگردوں کو کوئی مخصوص الفاظ یا مقررہ ترتیب سے جملے حفظ کرائیں ۔ اناجیل یہ ظاہر کردیتی ہیں کہ آپ نے اپنی تعلیم کو کسی خاص نظام میں نہ ڈھالا اورنہ اس کے مختلف حصوں کوآپ نے مسلسل اورمربوط کیا۔ آپ کی تعلیم میں کوئی تکلف نہ تھا بلکہ وہ سیدھی سادی غیر رسمی تعلیم تھی جو مبہم اورنہ غیر معین اورغیر واضح تھی۔ وہ ہمیشہ صاف اور واضح تعلیم تھی جس کا صحیح مطلب ہرکس

---

[1] Burkitt, Gospel History and its Transmission(1907)p.35

وناکس سمجھ لیتا تھا۔ وہ موقعہ اورمحل کے مطابق اور اقتضائے ضرورت کے موافق تھی۔ اس کا تعلق کسی واقعہ یا تقریب کے ساتھ ہوتا تھا ۔۔۔۔ حافظہ کا تعلق باقاعدہ تعلیم سے ہوتا ہے جوکسی خاص نظام میں مربوط اورمنسلک ہو۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ فلاں ربی کے شاگردوں نے اپنے استاد کے کلام کا ایک ایک لفظ دوسروں تک پہنچایا۔ لیکن یہ ربی اپنے شاگردوں کو اپنی تعلیم رٹاتے تھے جس طرح قرآن کے حفاظ کرتے ہیں اور قافیہ بندی وغیرہ کے طریقوں سے وہ تعلیم حفظ کرائی جاتی تھی ۔ لیکن سیدنا مسیح کا یہ طریقہ نہ تھا۔ حق تو یہ ہے کہ سیدنا مسیح اورفقیہوں کے درمیان جو تصادم ہوا اُس کا اصلی سبب یہی یہ تھا کہ وہ بزرگوں کی روایات کو ہر حال میں قائم اوراستوار رکھنا چاہتے تھے لیکن جنابِ مسیح کا کلام انوکھا، فطری طورپر بدیع اوراپنے اندر تخلیقی قوت رکھنے والا تھا[1]"۔

اگر ناظرین خود چالیس سال پہلے کے کسی ایک آپ بیتی واقعہ یا تقریر کو قوتِ حافظہ پر زوردے کر یا دکرنے کی کوشش کریں تو وہ خود معلوم کرسکتے ہیں کہ کس حد تک اُن کو اس واقعہ کی تفصیل یا تقریر کے الفاظ صحت کے ساتھ یاد رہ سکتے ہیں ۔ وہ اجمالی طورپرہی واقعہ یا تقریر کو صحیح طورپر یاد کرسکینگے لیکن واقعہ کی ہر تفصیل کو یا تقریر کے ہر لفظ کو صحت کے ساتھ دہرانا اُن کے لئے ناممکن ہوگا پس چالیس سال کے عرصہ کے بعد جوایک پُشت سے بھی زیادہ کا عرصہ ہے رسولوں کا آنخداوند کے معجزات کی تفاصیل اورآپ کے خطبات کے الفاظ کو صحیح طورپر یاد رکھنا اعجاز سے کم نہیں۔ ہم کو یہ بات بھی یادرکھنی چاہیے کہ چالیس سال کا عرصہ گزرنے کے بعددوازدہ رسول بوڑھے ہوگئے تھے اور زندگی کے آخری ایام میں حافظہ جواب دے دیتا ہے۔ ہاں اجمالی طورپر خطبہ یا واقعہ کی صحت اوربات ہے لیکن یہاں توہر لفظ اورتفصیل کی صحت کا سوال ہے۔ چالیس سال کے بعد عقل سلیم کے لئے انجیلی بیانات کے ہر لفظ کو قطعی طورپر درست اورحکمی طورپر خطا سے بری ماننا ایک ناممکن ہے۔

[1] Ibid, pp.143-145 and 174

اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا میں ایسی ہستیاں بھی ہوئی ہیں جن کی قوتِ حافظہ اعجازی تھی مثلاً پاسکل Paschal کا یہ دعویٰ تھاکہ وہ کبھی کسی شے کو جو اس نے پڑھی ہو یا جس کا خیال بھی اُس کے ذہن میں کبھی آیاہو فراموش نہیں کرتا تھا۔ لیکن یہاں ایک دوغیر معمولی انسانوں کا ذکر نہیں۔ اس نظریہ کے حامی تو یہ سمجھتے ہیں کہ مشرق کے تمام لوگوں کی قوتِ حافظہ ہی اعجازی ہے اوروہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن کے قاری اورحفاظ تو الگ رہے خود حضرت محمدقرآن کی آیات کو بھول جایا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب فضائل القرآن باب نسیان القرآن)۔

جرمن نقاد ولہاسن درست کہتا ہے[1] کہ طویل مکالمات کے معاملہ میں مشرقی ممالک کے رہنے والوں کا حافظہ مغربی ممالک کے رہنے والوں کے حافظہ سے بہتر نہیں تھا۔ مثال کے طورپر وہ حضرت محمد کے اقوال کی نظیر پیش کرتا ہے جو احادیث میں مندرج ہیں اور کہتا ہے کہ یہ احادیث یقینی طورپر قابلِ اعتماد نہیں ہیں اوریہی مسلمان علماء کا متفقہ فیصلہ ہے۔

بہر حال ہمارے پاس یہ ماننے کی کوئی وجہ موجود نہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کے سامعین اوررسول اورچشم دید گواہ سب کے سب ایسا حافظہ رکھتے تھے جو اعجازی تھا۔ اس نظریہ کے حامی یہ بھول جاتے ہیں کہ آنخداوند کے ہزاروں چشم دید گواہ سب کے سب لکھے پڑھے انسان تھے اورکہ جیسا ہم گذشتہ باب میں بتلاچکے ہیں تقاضائے وقت ہی ایسا تھا کہ اُن گواہوں کی شہادتیں ابتدا ہی میں قلمبند کی جائیں تاکہ کلیسیاؤں کی روحانی ضروریات اورتقاضے پورے ہوسکیں ۔ اُس زمانہ میں لکھنے کےلئے گوکاغذ نہیں تھے لیکن بے پائرس کے طومار(جس سے انگریزی لفظ Paper بمعنی کاغذ نکلا ہے (ہر جگہ دستیاب ہوتے تھے ۔ جوسرکاری کام، کاروباری معاملات، نجی خط وکتابت ، کتابوں کے لکھنے وغیرہ کے کام آتے تھے۔

پیپائرس پر مستقبل کی تحریریں لکھی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ چرمی کاغذ " رق کے طومار" بھی استعمال ہوتے

---

[1] Quoted by Rev.G.C Montefiore in the Synoptic Gospels. Vol.I.p.xcix

تھے(۲تموتھی ۴: ۱۳)۔یہ وہ زمانہ تھا جب ہمارے ملک ہندوتان میں آریہ لوگ اپنی کتابوں کو بھوج پترکی کھال پر لکھا کرتے تھے ۔ موجودہ قسم کا کاغذ ۱۰۵ء عیسوی میں ملکِ چین میں پہل پہل بنا۔

معلوم نہیں کہ کیوں فرض کرلیا جاتا ہے کہ آنخداوند کے رسولوں اوردیگر شاگردوں نے جب تک آپ اس دنیا میں ان کے ساتھ رہے آپ کےکلمات طیبات کو لکھنے کے لئے قلم کو ہاتھ نہ لگایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب جیسی جگہ میں بھی حضرت محمد کے صحابہ اُن کے منہ کی باتیں لکھ لیا کرتے تھے ۔ پھر حضرت کلمتہ اللہ کے رسولوں کو کون چیزمانع تھی کہ وہ ایسا نہ کرتے؟ انبیائے سابقین کاکلام مثلاً حضرت یرمیاہ کاکلام اُنکے مصاحب باروک نے لکھا ۔ فاضل جارج ایڈم سمتھ G.A.Smith کہتا ہے[1] کہ وہ " دبورہ کا گیت" بغیر کسی شک وشبہ کے اُسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے جس زمانہ میں وہ واقعات ہوئے تھے جواُس میں درج ہیں"۔ عہدِ عتیق کے دیگر حصوں کی نسبت بھی علماء کی ایک بڑی تعداد کا یہی خیال ہے۔ پس ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اناجیل کے متعلق کیوں کلیتہً حافظہ پر زوردیا جاتا ہے اورتحریری مسالہ کو غیرمتعلق قرار دے کر اس بحث سے بالکل خارج کیا جاتا ہے؟ اگریہ ثابت ہوجائے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے خطبات وغیرہ اناجیل کے تحریر ہونے سے بہت پہلے احاطہ تحریر میں آچکے تھے توان کلمات کا معتبر ہونا حافظہ کی قوت پر انحصارکرنے سے زیادہ بہتر طورپر ثابت ہوجاتا ہے۔

جب انبیائے سابقین کاکلام اُن کی حین حیات میں ہی احاطہ تحریر میں آجاتا تھا تو اس امر میں کونسی بات مانع تھی کہ آنخداوند کے لکھے پڑھے ہزارہا چشم دید گواہ جن کا یہ ایمان تھاکہ " ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے"(لوقا ۷: ۱۶، مرقس ۶: ۱۵، ۸: ۲۸ ، متی ۲۱: ۱۱ وغیرہ)۔ خاموش رہتے اورآپ کی حین حیات میں آپ کے کلماتِ طیبات کو قلمبند نہ کرتے؟ اناجیل اربعہ تو یہ بتلاتی ہیں کہ یہ عوام خاموش رہنے والے انسان نہیں تھے(۷: ۳۶، متی ۹: ۳۱، لوقا ۴: ۳۷، لوقا ۵: ۱۵تا ۲۵، ۱۷: ، یوحنا ۹: ۳۰وغیرہ)۔ زبانی روایات کے نظریہ کے حامی ان ہزارہا چشم دید جوشیلے گواہوں کی ہستی کو ایسا نظر

---

[1] G.A.Smith, Historical Geography of the Holy Land.

اندازکردیتے ہیں کہ گویا آنخداوند کی وفات کے فوراً بعد اُن کو پرلگ گئے تھے یا وہ کہیں نقل مکانی کرکے چلے گئے یا اُن کے ہاتھ شل ہوگئے تھے کہ اُن سے ایک لفظ بھی لکھا نہ گیا !! صرف اُن کی قوتِ حافظہ ہی تیز ہوگئی تھی !!!

اگر کوئی دوسرا شخص آنخداوند کے کلماتِ طیبات اورمعجزاتِ بینات کو قلمبند کرنے والا نہیں تھا توکم ازکم آپ کے دوازدہ رسول تو تھے جو اپنے عزیز واقارب ، گھر بارہ کام کاج وغیرہ سب کچھ " چھوڑکر آپ کے پیچھے ہولئے تھے" (مرقس ۱: ۲۰ وغیرہ)۔ کیا یہ رسول جو شب وروز آپ کی رفاقت سے فیض حاصل کرتے تھے لکھے پڑھے نہ تھے ؟ کیا اُنہوں نے جب یہ " نئی تعلیم سنی" جو اُن کا خداوند ایک" صاحب اختیار" شخص کی طرح دیتا تھا (اورجس کو سن کر عوام الناس حیران رہ جاتے تھے)۔ یہ خیال کبھی نہ کیا کہ وہ آپ کے کلماتِ طیبات کو قلمبند کرلیں؟ قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ جس طرح باروک نے حضرت یرمیاہ کی نبوتوں کو قلمبند کرلیا تھا اورجس طرح مقدس لوقا نے جب وہ مقدس پولوس کے ساتھی تھے اُن کے سفروں کا ایک باقاعدہ روزنامچہ لکھا تھا (جس کی انہوں نے بعد کے زمانہ میں اپنی کتاب اعمال الرسل میں شامل کرلیا) اسی طرح آنخداوند کے شاگرد اوربالخصوص مقدس متی آنخداوند کے خطبات اورکلماتِ کو ضبط تحریر میں لے آتے ۔ ایسا کرنے میں کوئی بات مانع نہیں تھی کہ اس ابتدائی زمانہ میں آنخداوند کی زندگی کے دوران میں شاگردوں میں سے بعض نے دوسروں کو بتلانے کے لئے اوراپنی یاد کو تازہ کرنے کے لئے آنخداوند کے کلمات کو لکھا تھا۔ انشائی اللہ ہم آگے چل کر یہ ثابت کردینگے کہ مقدس متی نے سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں اپنا رسالہ " کلمات" کو مرتب کیا تھا۔ یہ وہی رسالہ تھا جس کو ابتدائی ایام کی کلیسیا کے معلموں کی فاضل جماعت نے ایمانداروں کے ہاتھوں میں دیا تھا اورجس کی نقلیں انہوں نے مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں بھیجی تھیں۔

یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مقدس متی رسول کا پیشہ ہی ایسا تھا جس میں یہ ضروری اورلازمی شرط تھی کہ وہ اس بات کے اہل ہوں کہ اشیائی وغیرہ کو اورلوگوں کے اقوال وغیرہ کو فوراً نوٹ کرلیا جائے۔ پس یہ امر قرین

قیاس ہے کہ ایسی قابلیت رکھنے والے شخص نے آنخداوند کے اقوال اورتمثیلوں کو سننے کے بعد فوراً نوٹ کرلیا تھا۔

(۳۔) ایسا معلوم ہوتاہے کہ جوعلمائی زبانی روایات کے حامی ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ آنخداوند کازمانہ گویا دورِجہالت کازمانہ تھا۔ یہ اصحاب خیال کرتے ہیں کہ نوشت وخواند کوئی حال ہی کی بات ہے اورقدیم زمانہ میں اس کا رواج نہ تھا لیکن موجودہ زمانہ کی تحقیقات نے اس کا پول کھول دیا ہے اورثابت کردیا ہے کہ فنِ تحریر نہایت قدیم فن ہے اوربحر متوسط کے مشرق کی جانب کے ممالک میں قدیم زمانہ سے مروج تھا۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ سیدنا مسیح کے زمانہ میں ارضِ مقدس سلطنتِ روم کا حصہ تھا اورکہ یہ سلطنت نہایت مہذب سلطنت تھی جس کے قوانین اورجس کا کلچر ممالکِ مغرب کی موجودہ کلچر کی بنا ہے۔ اس سلطنت میں مختصر نویسی یا شارٹ ہینڈ کا رواج تھاچنانچہ پلوٹارکPlutarch کہتا ہے[1] کیٹو Cato The Younger نے جو تقریر Senate (مجلس اکابر)میں کیٹا ٹین Cotatane کے خلاف کی تھی وہ شارٹ ہینڈمیں لکھی تھی۔ لارڈمیکا لے ہم کو بتلاتا ہے[2] کہ سینیکاSeneca کے مطابق شارٹ ہینڈ رُوم میں اس درجہ کے کمال تک پہنچ گیا تھا کہ جلدی سے جلدی بولنے والے کی تقریر کو بھی مختصر نویس احاطہ تحریر میں لا سکتا تھا۔ مختصر نویسی کا یہ فن یونانیوں میں بھی رائج تھا۔ مثال کے طورپر اوکس ری نیکسOxyrhnachus کاغذات (جو ۵۵ئی کے ہیں) ایک ٹھیکہ کا ذکر ہے جس کی رُو سے میونسپلٹی کے ایک افسر نے اپنے غلام کوکسی اُستاد کے سپُرد کیا تھا تاکہ وہ غلام کو دوسال کے اندر مختصر نویسی میں طاق کردے[3]۔ اُن ایام میں کاتب بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ پولوس رسول کاتب استعمال کرتے تھے (گلتیوں۶: ۱۱، ۱کرنتھیوں۱۶ : ۲۱ وغیرہ)ڈاکٹر مافٹ کہتاہے ۔کہ پولوس رسول کا کاتب ترتیس (رومیوں ۱۶: ۲۲) ان عہدیداروں Notaril میں سے تھا جن کوتمسکات کی رجسٹری وغیرہ کرنے کا اختیار تھا جو اکثراوقات مختصر نویس ہوتے تھے[4]۔ ڈاکٹرسامن بھی

---

[1] Quoted, by Rev. R.Dunkerely in "The Reliability of the Gospels". Expositor, Aug, 1924.

[2] Macaulay, Essay on Lord Bacon.

[3] Expositor, Aug,1924

[4] Introd, to Lite of the N.T.p50

کہتا ہے "یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مختصر نویسی اُن دنوں میں عام تھی[1]۔ ڈاکٹر A.T.Robertson کہتا ہے[2]۔" بعض علمائی یہاں تک کہتے ہیں کہ مقدس متی نے آنخداوند کے کلمات کو آپ کی حینِ حیات میں ہی قلمبند کرنا شروع کردیا تھا۔ چونکہ وہ ایک محصول لینے والے افسر اورعہدیدار تھے۔ پس ان کا یہ کام تھاکہ وہ جلدی نوٹ لکھیں اورغالباً اُنہوں نے شارٹ ہینڈ میں ان اعجازی الفاظ کو قلمبند کرلیا جوایسے عظیم الشان معلم کی زبان سے نکلے تھے"۔

لیکن اگرہم یہ فرض بھی کرلیں کہ مقدس متی رسول شارٹ ہینڈ نہیں جانتے تھے توبھی یہ امر زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپ نے حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کو جس کا ہر سُو چرچاہورہا تھاقلمبند کرلیا تھا۔ اس کا ذکر ہم انشائی اللہ آگے چل کرکریں گے۔

[1] Salmon, Thoughts on the Textual Criticism of the N.T.
[2] Dr.A.T. Robertson, Expositor, Feb.1922

(۳)

(۱۔) جب ہم اناجیل کا بغورمطالعہ کرتے ہیں تو چند اشارات پائے جاتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے[3]۔ کہ بعض آیات اورمقامات فوراً اسی وقت لکھے گئے تھے جن کو بعد کے زمانہ میں اناجیل میں شامل کیا گیا۔ مثلاً ہیرودیس کی ضیافت کا احوال مقابلتہً طویل ہے۔ اس کوپڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کو حال ہی میں کسی نے لکھا ہے۔ اگریہ واقعہ سالوں بعد حافظہ پر زورلگاکر لکھا جاتا تو وہ اس قدر وضاحت سے مفصل اورطویل بیان نہ ہوتا۔ بیت عنیا کے گھر کے متعلق اوربالا خانہ کے متعلق اناجیل کی خاموشی نہایت معنی خیز ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بیان اُس زمانہ میں لکھا گیا تھا جب ان جگھوں کا پتہ بتلانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔(اعمال ۱۲: ۱۱)۔ اگرانجیل مرقس حضرت یعقوب کی شہادت (۴۳ئ) کے سالہاسال بعد لکھی گئی ہوتی تو اس میں " پطرس اوریعقوب اوریعقوب کا بھائی یوحنا"(مرقس ۵: ۳۷) اس ترتیب سے نہ لکھے جاتے ۔ کیونکہ

[3] Expositor, Aug.1924

اس زمانہ میں مقدس یوحنا کلیسیا کے رُکنِ اعظم تھے۔ چنانچہ مقدس لوقا اس ترتیب کو دو دفعہ الٹا کر مقدس یوحنا کو مقدس یعقوب سے پہلے لکھتا ہے ۔(لوقا ۸: ۵۱، ۹: ۲۹، دیکھو اعمال ۱: ۱۳)۔ انجیلِ اوّل میں " نیم مثقال" کا ذکر (متی ۱۷: ۲۴) تب ہی موزوں ہوسکتا ہے ، جب یہ بیان کسی ابتدائی تحریری ماخذ سے لیا گیا ہو۔ کیونکہ اگر سالہاسال بعد حافظہ سے یہ بیان لکھا جاتا تواس کی تشریح درکا ہوتی۔ کیونکہ بعد کے زمانہ کے غیر یہودی پڑھنے والے اس سکہ رسم اورقصہ کے کنایہ کسے ناواقف تھے۔ یہی بات ہم لوقا ۱۳: ۱ کی نسبت کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی جھڑپیں اورآویزشیں اکثر ہوتی رہتی تھیں۔ مرقس ۴ اور۵ باب بھی اسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے جب یہ واقعات ہوئے تھے کیونکہ ان میں صرف دودن کے واقعات کا حال بہت طویل اورمفصل ہے۔ حالانکہ مرقس کی انجیل میں تقریباً تین سالوں کے واقعات کو نہایت اختصار سے بیان کیا گیا ہے اوراس تناسب سے سالہاسال بعد دونوں کے واقعات کی طویل بیانی نہایت غیرمتناسب ہوجاتی ہے۔ پس بظاہر یہی سبب نظرآتا ہے کہ کسی چشم دیدگواہ نے اُسی وقت ان باتوں کو لکھ لیا تھا۔ یہ امر بھی قابلِ غوراورمعنی خیز ہے کہ اناجیل اربعہ میں جب آنخداوند اپنے رسولوں کے ساتھ راہ چلتے باتیں کرتے ہیں تو ان باتوں کا خلاصہ چند فقرات میں ہی ملتاہ ے جن میں آپس میں کوئی ربط نہیں ہوتا لیکن جب کبھی آپ کسی جگہ بیٹھ کر اپنے رسولوں سے گفتگو کرتے ہیں (مثلاً مرقس ۱۳: ۳) تو ان کلمات کی رپورٹ زیادہ طولانی ہوتی ہے جس سے ہمارے نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ رسول آپ کی ان تقریروں کے نوٹ فوراً بعد لے لیا کرتے تھے۔

(۲۔) ایک اورامر قابلِ غورہے۔ آنخداوند کا خطاب" ابن آدم" اناجیل اربعہ کے علاوہ انجیلی کتب کے مجموعہ میں کسی اورجگہ نہیں ملتا۔ اوراناجیل میں بھی قیصریہ فلپی کے واقعہ کے بعد پایا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان مقاات کو انہی ایام میں لکھا گیا تھا۔

(۴)

اس امر کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے کہ گوابنِ آدم کا تصور، اور فاتح کاہن بادشاہ کا تصور اورابن آدم کے دُکھ

اٹھاکر جلال میں داخل ہونے کا تصورتینوں تصورات عہدِ عتیق میں موجود تھے لیکن ان تصورات کو ابتدا ہی سے مسیح موعود کے تصور کے ساتھ یکجا کرنے کا کام صرف حضرت کلمتہ اللہ ہی کا زبردست تخلیقی دماغ کرسکتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس یسعیاہ کی کتاب کے " خادم یہوواہ" کا تصوراورزبورکی کتاب کے " راستباز کے دکھ اٹھانے کا تصور" اورخدا کی برگزیدہ قوم اسرائیل کے گرنے اوربحال ہونے کی نبوتیں انبیائے سابقین کی کتُب میں پہلے ہی سے موجود تھیں لیکن ان مختلف تصورات کو ایک ہی ہستی (یعنی مسیح موعود) سے منسوب کرنے کا کام مسیحی کلیسیا کے استاد اورمعلموں کی فاضل جماعت نے نہ کیا۔ وہ اس قسم کے دل ودماغ کے مالک ہی نہ تھے ۔ اگرچہ ان میں اپلوس ، پولوس اورعبرانیوں کا مصنف اورانجیل چہارم کے مصنف جیسے زبردست عالم موجود تھے۔ ان مختلف تصورات کے تارپود سے ایک نئے تصور کو حضرت کلمتہ اللہ نے ہی خلق کیا جو ان تمام تصورات کی صحیح تاویل اور درست تفسیر تھا اورجس کی روشنی میں آپ کے تمام کلمات اورسوانح حیات کے پہنانی

مطلب واضح ہوگئے۔ اناجیل سے واضح ہے کہ آنخداوند نے رسولوں کی توجہ باربار انبیائے سابقین کے ان تصورات کی جانب مبذول فرمائی تاکہ وہ ان کی روشنی میں آپ کے کلام اورسوانح حیات،آپ کی صلیبی موت اورظفریاب قیامت کے صحیح مفہوم کو سمجھ سکیں۔ چنانچہ آپ نے ۱۱۰ زبور کی جانب اشارہ کرکے اپنے رسولوں کو سمجھایا تاکہ وہ آپ کی زندگی اورموت کے حقیقی مقصد کو سمجھ جائیں۔ آپ نے تصور" خداوند" کو اور" خدا کی دہنی طرف" بیٹھنے کے تصورکو اوردانی ایل کی کتاب کے " ابن آدم" کے تصور کو یکجا کردیا۔ جس سے مسیحیت میں ایک نیا باب کھل گیا۔گو اس امر کو سمجھانے کے لئے آپ نے اپنے رسولوں کے ساتھ بہتیرامغز کھپایا لیکن رسولوں نے نہ سمجھنا تھا اورنہ وہ سمجھے (لوقا ۱۸: ۳۴، مرقس ۶: ۵۲، لوقا ۹: ۴۵، ۲۴: ۲۵تا ۲۷، ۴۴: ۴۵و غیرہ)۔ اب ظاہرہے کہ اگراناجیل کے یہ مقامات جن میں آنخداوند نے ان مختلف تصورات کویکجا کردیا تھا اُسی وقت نہ لکھے جاتے تو مابعد کے زمانہ میں کہاں اس قسم کا تخلیقی دل ودماغ تھا جو اُن کو یکجا کرتا۔ بلکہ حق تویہ ہے کہ ان

مقامات نے عہدِ عتیق کی نبوتوں وغیرہ کی اصلیت کو سمجھنے کا ایک نیا طریقہ قائم کردیا اورآپ کے بعد کلیسیا کے فاضل معلموں کی جماعت نے اسی طریقہ کا اختیارکیا۔ یہ طریقہ ابتدائی ایام میں اسی واسطے رائج ہوگیا کیونکہ یہ مقامات تحریری شکل میں ان عالموں کے ہاتھوں میں تھے۔ اوراس طریقہ کو نہ صرف مقدس پولوس نے بلکہ انجیل چہارم اورعبرانیوں کے خط کے مصنفوں نے منزل بہ منزل تکمیل تک پہنچایا۔

(۵)

پس آنخداوند کے بہت سے کلماتِ طیبات اورسوانح حیات قدیم الایام سے ہی تحریری شکل میں موجود تھے جن کواُن لوگوں نے لکھا تھا جنہوں نے خود ان کوسنا اور دیکھا تھا۔ یہ امر موجودہ زمانہ کےلئے سبق آموز ہے کہ جن باتوں کو گذشتہ پشت کے علمائی کہتے تھے کہ وہ سینہ بسینہ روایات سے زبانی چلی آتی تھیں وہ اب پچاس سال کی چھان بین کے بعد موجودہ علمائی کے مطابق زبانی روایات سے اخذ نہیں کی گئی تھیں بلکہ تحریری پاروں میں اناجیل کی تالیف سے پہلے موجود تھیں۔ مثلاًاس صدی کے اوائل میں پادری آرتھر رائٹ صاحب نے لکھا تھاکہ " اناجیل کے الفاظ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابتدائی ایام میں مبشر اور معلم ان الفاظ کو زبانی حفظِ کرلیا کرتے تھے[1] "۔ لیکن اب سب علمائی اس بات پر متفق ہیں کہ اناجیل کے الفاظ ایک دوسرے سے اس لئے ملتے ہیں کیونکہ ان کے مولفوں نے ایک ہی تحریری ماخذ استعمال کئے تھے جن میں سے ایک تحریری ماخذ رسالہ کلمات" ہے۔ اس رسالہ کے تحریری شکل میں ہونے پر سب علمائی متفق ہیں[2]۔ چنانچہ ویڈتک یہ تسلیم کرتا ہے کہ " غالباً متی کے رسالہ کلمات کا مجموعہ اکیلا مجموعہ ہی نہ تھا اوریہ اغلب ہے کہ یہ رسالہ آنخداوند کے کلمات کے اُن مختصر مجموعوں سے جمع کیا گیا تھا جوبغیر کسی شک وشبہ کے لوگوں میں مسیح کی زندگی کے واقعات لکھے جانے سے پہلے مروج تھے"۔ ویڈ کو اس بات کا بھی اقبال

---

[1] Quoted in Dr.Sanday's article, "The Bearing of Criticism upon the Gospel History". Exp.Times Dec.1908

[2] A.Richardson, The Gospel in the making, (S.C.M 1938)p.20

ہے کہ مقدس متی اس بات کے اہل تھے کہ وہ اُن کلمات کو جمع کرتے اوراپنی رپورٹ کے نفِس مضمون کوپرکھ سکتے۔

آکسفورڈ کے دو علمائی گرین فیل اورہنٹ Grenfell and Hunt کو گذشتہ صدی کے اواخرمیں مقام آکسی رینلسOxyrhynachus سے آنخداوند کے چند اقوال کے نسخہ کے پارے دستیاب ہوئے[1]۔ اس دریافت نے ثابت کردیا ہے کہ مقدس متی کےرسالہ کلمات کے علاوہ قدیم زمانہ میں دیگرلوگوں نے بھی سیدنا مسیح کے مختلف اقوال کو جمع کیا تھا۔ ان پاروں کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ تیسری صدی میں اس مقام میں اوروادی نیل کے دیگر مقامات میں "یسوع کےکلمات" کا مجموعہ کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھا جو عام طورپر مروج تھا۔ اِن پاروں کے اقوال آنخداوند کے اصلی کلمات معلوم دیتے ہیں۔ اگر چہ ان میں سے بعض پر اناجیل اربعہ کے اقوال اورشائد مقدس پولوس کے خطوط اورمکاشفات کی کتاب کا اثر پایا جاتاہے۔ یہ مجموعہ غالباً ۱۵۰ئی کے قریب لکھاگیا تھا۔ ان میں سے بعض کلمات سے ظاہر ہے کہ وہ سیدنا مسیح کے اپنے منہ کے ہیں۔ مثلاً " خدا کی بادشاہی آسمان پر ہے لیکن وہ تمہارے اندربھی ہے"۔ تمام فطرت اوربالخصوص انسانی فطرت مقناطیس کی طرح ہے جو تم کو خدا کی طرف کھینچ لے جاتی ہے"۔ اعمال کے ظاہری فعل کی طرف نہ دیکھو بلکہ ان کے اصلی منبع اورچشمہ کی جانب دیکھو "۔ سچائی انسانی زندگی کی کافی اور وافی ۔۔۔ رہنما ہے۔ اگرتم اس دنیا میں حق کی پیروی کروگے توتم کو خدا کے دیدارکا کامل علم حاصل ہوگا "۔ مقدس پولوس کی ایک تقریر میں سیدنا مسیح کا ایک اورقول محفوظ ہے ۔آپ نے کہا" خداوند کی باتیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس نے خود فرمایا کہ دینا لینے سے زیادہ مبارک ہے"(اعمال۲۰: ۳۵)۔

گذشتہ پچاس سالوں میں مغربی ممالک کے علمائی نے اپنی عمر گرانمایہ اناجیلِ اربعہ کے ایک ایک لفظ کی چھان بین میں صرف کردی ہے اوراب وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اناجیل اربعہ کی تالیف سے پہلے تحریری بیانات اورپارے کلیسیا کے ہاتھوں میں موجود تھے۔ اورگوزبانی بیانات بھی ان ابتدائی ایام میں ہر مقام میں پائے جاتے

---

[1] H.B.Swete"The New Oxyrhynchus Sayings." Exp. Times. Vol.xv No.11.p.488 ff.

تھے لیکن اناجیل کی تالیف کے لئے وہ ایسے اہم شمار نہیں کئے جاتے اورنہ اب ان کی اہمیت پراس قدرزیادہ زوردیا جاتا ہے۔ اناجیلِ اربعہ کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ ان کے مولفوں نے زبانی اورتحریری بیانات دونوں سے کام لیا تھا اوران میں سے جیسا ہم بتلاچکے ہیں ، بعض مقامات ایسے ہیں جو واقعہ کے فوراً بعد لکھے گئے تھے اوردیگر آنخداوند کی حینِ حیات میں لکھے گئے تھے۔

فصل دوم

سیدنا مسیح کی آمدِ ثانی کا انتظاراورزبانی بیانات کا مفروضہ

عصرِ حاضرہ میں جو لوگ تحریری بیانات کاانکارکرتے ہیں اورانجیلی پیغام کا سینہ بسینہ بیانات پر انحصار رکھتے ہیں اُن کی اکثریت یہ وجہ بتلاتی ہے کہ آپ کے رسُول اورشاگرد آپ کی فوری آمد کے منتظر تھے کیونکہ حضرت کلمتہ اللہ نے ان سے فرمایا تھاکہ آپ ایک نیا دور شروع کرنے کے لئے آنے والے ہیں لیکن آپ کی آمد کے دن اورگھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا" (متی ۲۴: ۳٦)۔ کیونکہ آپ اچانک آئینگے جب کوئی آپ کی" راہ نہ دیکھتا ہو"۔(مرقس ۱۳: ۳۲تا ۳٦، متی ۲۴: ۳۷تا ۴۴، لوقا ۱۲: ۳۵تا ۳۷، ۱۷: ۲٦تا ۳٦ وغیرہ)۔ پس جاگتے رہوکیونکہ نہ تم اس گھڑی کو جانتے ہو اورنہ اس دن کو"(متی ۲۵: ۱۳)۔ کیونکہ " ابن آدم اپنے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ آئیگا۔ اس وقت ہرایک کو اس کے کاموں کے مطابق بدلہ دیگا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لینگے وہ موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے "(متی ۱٦: ۲۷، ۱۰: ۲۳ ، مرقس ۹: ۱، لوقا ۹: ۲۷)۔

زبانی بیانات کے حامی کہتے ہیں کہ چونکہ رسول اورشاگرد سب کے سب آپ کی فوری آمد کے شدید انتظار میں لگے تھے لہذا انہوں نے اس بات کی ضرورت ہی نہ سمجھی کہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات، معجزات بینات اور سوانح حیات کو بقید تحریر لائیں۔ وہ ہرآن اسی انتظار میں رہتے تھے کہ مولا اب آئے کہ آئے۔ پس انہوں نے زبانی بیانات پر ہی اکتفا کرنا دانشمندی سمجھی لیکن جب پہلی پشت گذرگئی اور وہ ضیعف العمر ہوگئے اورانہوں نے دیکھاکہ آنخداوند کی آمد

میں تاخیر ہے تو اُنہوں نے آنے والی پشت کےلئے اناجیل لکھیں۔

یہاں ہمیں سیدنا مسیح کی آمدِ ثانی کے وسیع مضمون پر بحث کرنا منظور نہیں ہے۔ پس ہم چند اُمور پر ہی جو ہمارے مضمون سے متعلق ہیں غورکرینگے:

(۱۔) ہم گذشتہ باب میں رسولوں کی " منادی" کا ذکر مفصل طورپر کرآئے ہیں۔ اگر ناظرین اسی مقام کے حوالوں کا بغور مطالعہ کریں تو اُن پر ظاہر ہوجائیگا کہ گو رسول یہ تعلیم ضروردیتے تھے کہ آنخداوند عدالت کےلئے آنے والے ہیں لیکن وہ کسی فوری آمدثانی کی تعلیم نہیں دیتے تھے اعمال کی کتاب میں رسولوں کی کسی تقریر سے یہ نہیں پایا جاتا۔ کوئی شخص جس نے ان تقریروں کو ۲، ۳، ۵، ۱۰، ۱۳باب میں پڑھا ہے یہ نہیں کہہ سکتا آنخداوند کی فوری آمدِ ثانی کا عقیدہ رسولوں کی " منادی" کا جزوتھا۔ پس یہ مفروضہ سرے سے بے بنیاد ہے کہ رسول اس قسم کی فوری آمد کے منتظر تھے کہ وہ سیدنا مسیح کے اقوال وسوانح حیات کے لکھنے میں رکاوٹ کا باعث ہو۔

(۲۔)فرض کرو کہ سیدنا مسیح کے شاگرد اوررسول اورتمام چشم دید گواہ جو ایمان لے آئے تھے سب کے سب آمدِ ثانی کے فوراً اوراچانک وقوع میں آنے کے منتظر بھی ہوں پھر بھی قیاس یہی چاہتا ہے کہ سیدنا مسیح کےکلمات، خطبات اور واقعاتِ زندگی احاطہ تحریر میں آجاتے۔ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ سیدنا مسیح کے ظہورسے پہلے اہل یہود" خداوند کے دن" کے انتظار میں تھے (صفنیا ۲: ۲، ۱: ۱۸)۔ چنانچہ یوایل نبی کہتاہے " سیدنا مسیح کا دن نزدیک ہے وہ قادرِمطلق کی طرف سے بڑی ہلاکت کی مانند آئیگا"یوایل ۱: ۱۵ وغیرہ)۔سیدنا مسیح کا ہم عصر مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والا بھی اسی " خداوند کے دن " کی طرف اشارہ کرکے اہل یہود کو تنبیہ کرتا ہے (متی ۳: ۷)، لیکن اس کے باوجود اہل یہود نے کتابیں لکھیں جن میں سے بعض مثلاً دانی ایل عہدِ عتیق کے مجموعہ میں موجود ہیں۔ خود مقدس پولوس نے اپنی کلیسیاؤں کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کو خطوط لکھے بلکہ جب آپ نے دیکھا کہ آمدثانی کے انتظار کی وجہ سے تھسلنیکے کی کلیسیا میں گڑبڑ ہورہی ہے تو آپ نے ان کو ہدایت

فرمائی کہ یہ " سمجھ کر کہ خداوند کا دن آپہنچا ہے تمہاری عقل دفعتہً پریشان نہ ہوجائے اورنہ تم گھبراؤ۔ کسی طرح سے کسی کے فریب میں نہ آنا کیونکہ وہ نہیں آئیگا، جب تک کہ پہلے برگشتگی نہ ہو۔۔۔ کیا تم کو یاد نہیں کہ جب میں تمہارے پاس تھا تو تم سے یہ باتیں کہا کرتا تھا۔۔۔ پس اے بھائیو ثابت قدم رہو" (۲ تھسلنیکیوں ۲ باب)۔

جس طرح پہلی صدی میں ایماندار سیدنا مسیح کی آمد ثانی کے منتظر تھے اسی طرح موجودہ زمانہ کے بہت سے مومنین اس بات کے قائل ہیں کہ آنخداوند بس آئے کہ آئے۔ لیکن وہ بھی کتابیں خود لکھتے ہیں کیونکہ اُن کا یہ خیال ہے کہ اگرچہ آپ آنے والے ہی ہیں تاہم چونکہ" اس دن گھڑی کو کوئی نہیں جانتا " اُن کی کتابیں درمیانی عرصہ کے لئے کام آئیں گی۔

موجودہ زمانہ " ایٹمی زمانہ " کہلاتا ہے جس میں ہائیڈروجن بم اور سپٹینک وغیرہ پر زوردیا جاتا ہے دنیا کی طاقتور سلطنتوں کے ہاتھوں میں ایسے خوفناک بم ہیں کہ اگر دنیا کے کسی ایک کونہ میں بھی جنگ چھڑگئی توسیاسی حالات کی وجہ سے وہ عالمگیر ہوجائیگی اوردنیا کا چندہ لحظوں میں خاتمہ ہوجائیگا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ گویا آتش فشاں پہاڑ کے دہانہ پر بیٹھا ہے لیکن اس کے باوجود ہرملک اورہرشخص اپنے روزانہ کاروبارمیں بدستور مشغول رہتا ہے اوردبک کرکسی کونہ میں اس انتظارمیں نہیں رہتا کہ اب مرے کہ مرے۔

(۳۔)پس یہ گمان باطل ہے کہ کلیسیا پہلی صدی کے نصف سے زیادہ عرصہ تک اپنے آقا ومولا کی آمدِ ثانی کے خیال میں اس قدرمحوتھی کہ وہ آپ کے سوانح حیات میں لکھنے کی جانب سے بالکل بے پرواہ رہی۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس عیسیٰ کی آمد کی کلیسیا اس بیقراری سے منتظر تھی وہ وہی مسیح موعود تھا جو آچکا تھا(اعمال ۱: ۱۱)۔کوئی صحیح العقل شخص یہ نہیں مان سکتا کہ ابتدائی زمانہ کے مسیحی آنخداوند کی سی وسہ سالہ زندگی کی طرف سے غافل تھے۔ یہ بات قابل قبول نہیں ہوسکتی کہ وہ لوگ جنہوں نے آپ کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا خاموش بیٹھ رہے اوراُن کو آپ کے کلمات اورمعجزات سے اتنی دلچسپی بھی نہ تھی کہ

وہ اُن کو احاطہ تحریر میں لانے کی زحمت گوارا کرتے۔اعمال کی کتاب (۲: ۲۳، ۱۰: ۳۸ وغیرہ) میں آپ کے معجزاتِ بینات کا خلاصہ موجود ہے اوراس کتاب میں کلیسیا کا رویہ صاف بتلارہا ہے کہ آپ کی تعلیم اورآپ کا نمونہ کلیسیا میں کارفرما ہے۔ (۲: ۴۴، الخ ۴: ۳۳ الخ وغیرہ)۔ اگر انجیل مسیح کی " خوشخبری" کے طورپر پیش کی جاتی تھی تو لازم آتا ہے کہ آپ کی مسیحائی کااعلان ،موت، قیامت، آمدِ ثانی، آپ کے کلمات اور معجزات وغیرہ وغیرہ کسی خاص شکل میں احاطہ تحریر میں آچکے تھے۔ جن پر یہ " خوشخبری" مشتمل تھی اورپیش کی جاتی تھی اورجورسولوں کی منادی کی تائید کرتی تھی اوران کے مواعظہ کو زندہ نقش بناکر اُن میں زندگی کا دم پھونکتی تھی۔

(۴۔) جوں جوں کلیسیا کا شمار بڑھتا گیا تعلیم کا کام بھی ساتھ ساتھ بڑھتا گیا اور مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ معلموں کی زیادہ سے زیادہ تعداد اس کام پر مقرر کی جائے۔ پس قدرتی طورپر ان معلموں کی تعداد چشم دید گواہوں کی تعداد سے بڑھ گئی اورسینہ بسینہ زبانی پیغام بہت جلدی اس مقصد کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ چشم دید گواہ بھی یکے بعد دیگرے مرتے جارہے تھے(۱کرنتھیوں ۱۵: ۶)لوگ سینہ بسینہ زبانی پیغام کے الفاظ بھول سکتے تھے اوران میں آمیزش بھی ہوسکتی تھی ۔ آمدِ ثانی میں تاخیر واقع ہورہی تھی اورسیدنا مسیح کی فوری آمد کے انتظار کے خلاف کلیسیا کو متنبہ کیاجارہا تھا (۲تھسلنیکی ۲: ۲) پس بہت جلدی ان واقعات کو احاطہ تحریر میں لانے کی ضرورت کا احساس ہرجگہ ہونے لگا اورمختلف مقامات کے لوگوں نے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی اورپہلے پہل چند اوراق اورپارے اوررسالے لکھے گئے جن کو بعد کے زمانہ میں انجیل نویسوں نے (جیسا ہم آگے چل کر بتلائینگے) اپنی تصانیف لکھتے وقت بطورماخذ استعمال کئے۔

(۵۔) سیدنا مسیح نے رسولوں اورشاگردوں کوتو حکم دیا تھاکہ " تم یروشلیم سے شروع کرکے سب قوموں میں توبہ اورگناہوں کی معافی کی منادی کرو۔ تم ان باتوں کے گواہ ہو۔ اُن کو شاگرد بناؤ اوران کو تعلیم دوکہ ان سب باتوں پر عمل کریں جن کا میں نے تم کو حکم دیا ہے اوردیکھو میں دنیا کے آخر تک

تمہارے ساتھ ہوں"(لوقا ۲۴: ۴۷تا ۴۸، متی ۲۸: ۱۹تا ۲۰)۔
ان رسولوں کی زندگی کا واحد مقصد ہی یہ تھا کہ بڑی سے بڑی تعداد کو سیدنا مسیح کا حلقہ بگوش کریں۔ انکی تقریروں کا مضمون ہی سیدنا مسیح کی تعلیم، زندگی ، موت اور قیامت کے حیرت انگیز واقعات تھے کیونکہ یہ اشد ضروری تھا کہ وہ دنیا کے لوگوں کو آپ کی آمدِ ثانی کے لئے تیار کریں لیکن یہ مقصد صرف معدودے چند لوگوں کی چند ایک تقریروں سے پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ اُن تقریروں میں صرف موٹی موٹی باتیں جن کو" منادی"Kerygma کہتے تھے لوگوں کو بتلاسکتے تھے۔ ہم اِس نکتہ پر باب سوم میں بحث کرچکے ہیں۔ مقدس پطرس کی تقریر (اعمال ۱۰: ۳۶تا ۴۳)۔اس بات کو واضح کردیتی ہے کہ رسول منادی اور تعلیم دونوں دیتے تھے لیکن اگرچہ لوگ ہزارہا کی تعداد میں کلیسیا میں شامل ہورہے تھے لیکن ابھی کروڑہا اس کے باہر تھے جنہوں نے نجات کا پیغام سنا بھی نہ تھا۔ پس رسولوں اورمبشروں کی جماعت نے ان سب ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تحریری یادداشتیں اورتحریری شہادتیں بہم پہنچائیں جو چشم دید گواہوں نے لکھیں یا لکھوائیں (لوقا ۱: ۱)تاکہ معلموں اوراستادوں کی فاضل جماعت اوردیگر مقامات کی کلیسیاؤں کے مبُشر اُن کا استعمال کرکے لوگوں کو سیدنا مسیح کے قدموں میں لائیں۔ اس سلسلہ میں مقدس پطرس کے الفاظ ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنے چاہئیں" پس توبہ کرو اوررجوع لاؤ تاکہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اوراس طرح سیدنا مسیح کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اوروہ مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے"(اعمال ۳: ۱۹)۔

(۲۔) سیدنا مسیح کی بعض تمثیلیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کا اپنی آمدِ ثانی سے یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ دنیا ختم ہوجائیگی بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ دور ختم ہوجائیگا اوروہ ایک نیاد دوراورزمانہ شروع ہوجائیگا جس میں آسمان کی بادشاہی کے اُصول کا رواج ہوگا جس میں رفتہ رفتہ نیکی بدی کی طاقتوں پر غالب آتی جائیگی۔ یہاں تک کہ خدا کی محبت واحد حکمران ہوگی۔ مثلاً بیج بونے والے کی تمثیل ،کڑوے دانے کی تمثیل، رائی کے دانے کی تمثیل، بیج کے پوشیدگی میں بڑھنے کی تمثیل ، وغیرہ سب سے ظاہر ہے

که دنیا آنحداوند کی وفات کے کچھ مہینے یا سالوں کے اندر اندرفنا نہیں ہوگی بلکه خدا کی بادشاہی اس دنیا میں آچکی ہے اور وہ رفته رفته بڑھتی جائیگی اورترقی ہی کرتی جائیگی ۔ لیکن سیدنا مسیح نے ترقی کی تکمیل کا زمانه متعین نہیں کیا جس سے ظاہر ہے که آمدِ ثانی فوری نہیں ہوگی بلکه بتدریج رائی کے درخت کی طرح بڑھتی جائیگی اورآپ کی تعلیم کا خمیر سب میں تاثیرکرکے نیا دورشروع کردیگا۔

(۷۔) یه بات غلط ہے که تمام ابتدائی کلیسیا سیدنا مسیح کی فوری آمد کی منتظر تھی خواہ دنیا اخلاقی طورپر آپ کے آنے کے لئے تیارہو یا نه ہو۔ چنانچه مقدس پطرس کے الفاظ (اعمال ۳: ۱۹) اس نظریه کے قطعاً خلاف ہیں۔ آنخداوند کے رسولوں کا یه خیال تھا که دنیا آپ کا اخلاقی اورروحانی چیلنج قبول کرلے گی۔ جس کا نتیجه یه ہوگا که دنیا میں ایك نیا دورشروع ہوجائیگا جس کی بنائی ظلم اوراستنبداد کی بجائے انصاف پر اوربدی کی بجائے نیکی اورمحبت[1] پر ہوگی۔ لیکن یه گہرا نکته پہلے پہل خودشاگردنہیں سمجھتے تھے جس طرح وہ سیدنا مسیح کی بہتُری دوسری باتیں نہیں سمجھتے تھے (متی ۱۵: ۱۷، ۱۶: ۹تا ۱۱، لوقا ۲۴: ۴۵ وغیرہ)۔ پس جب رسولوں نے پہلے پہل منادی شروع کی تویه ممکن ہے که بعض کا خیال ہو که اگرچند ماہ میں نہیں تو سالوں کے اندر اندر آنخداوند کی آمدِ ثانی ہوگی لیکن جب سالہاسال گذرگئے اورآپ کی آمد میں تاخیر ہی واقع ہوتی گئی توکلیسیا نے مقدس پولوس اور مقدس یوحنا جیسے معلموں اور فاضل اُستادوں کی قیادت اوررہنمائی میں واقعات کی روشنی میں آنخداوند کے کلمات پر غورکیا۔ جس طرح رسولوں کو بعد کے واقعات کی روشنی میں سیدنا مسیح کے دیگر کلمات کا اصل مفہوم معلوم ہوجاتا تھا (متی ۲۶: ۷۵، لوقا ۲۲: ۶۱، ۲۴: ۸۔ یوحنا ۲: ۱۷تا ۲۲۔ ۱۲: ۱۶ وغیرہ)۔ اسی طرح کلیسیا کے فاضل معلموں مقدس یوحنا اورمقدس پولوس رسول نے ان کلمات کے اصل مفہوم کو پالیا جن کا تعلق آمدِ ثانی کے ساتھ تھا جو عین سیدنا مسیح کے منشا کے مطابق تھا۔ چنانچه پولوس رسول دوسرے شاگردوں سے سن کر اول اول یہی خیال کرتے تھے که آپ کی آمد فوری ہوگی(۱تھسلنیکی۴:

[1] A.T.Cadoux, Essays in Christian Thinking and Lily Dougal and Emmet’s The Lord of Thought.

۱۴تا ۱۷، ۲تھسلنیکی ۱: ۷تا ۱۰)۔ لیکن جب آمدِ ثانی میں تاخیر واقع ہوتی گئی توآپ نے خود اس کا گہرا مطلب پالیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مابعد کے خطوط میں ایسے الفاظ نہیں پائے جاتے[1]۔ چنانچہ ۱تھسنلیکیوں(.ھئی) میں مقدس پولوس سیدنا مسیح کی آمدِ ثانی کے منتظر ہیں لیکن بعد کے خطوط میں آپ کی آمدِ ثانی پر زورنہیں دیتے بلکہ آپ کا تمام زورگناہ سے نجات حاصل کرنے کی تعلیم پر ہے[2] ۔ (۲کرنتھیوں ۵: ۱۶، کلیسیوں۱: ۱۳، ۲: ۶ وغیرہ)۔

لیکن معلموں میں سے بعض لوگ تھے جوان گہرے مطالب کو نہ پاسکے۔ اُنہوں نے آنخداوند کےکلمات کا انبیائے سابقین بالخصوص دانی ایل اوردیگر مکاشفاتی کتابوں کی اصطلاحات کا استعمال کرکے ایک نیا نقشہ پیش کیا جس کے بعض حصے ہم کو مرقس ۱۳باب میں ملتے ہیں۔ اس گروہ کے خیالات نے یوحنا عارف کے مکاشفہ میں تکمیل[3] پائی۔

بہر حال یہ ظاہرہے کہ دونوں قسم کے خیالات کے گروہوں کے معلم ان قدیم ترین ایام میں رسالے اورکتابچے لکھتے تھے۔ ہم حصہ دوم کے بابِ اول میں انشائی اللہ ذکر کرینگے کہ مقدس مرقس کی انجیل ۱۳باب میں اسی طرح کا ایک ورق موجود ہے جو تحریری شکل میں[4] میں تھا۔ ان کتابوں کی تصنیف اوراشاعت نہایت معنی خیز ہے کیونکہ زبانی بیانات کے حامیوں کے نظریہ کےکلیتہً خلاف ہے اورثابت کرتی ہے کہ آنخداوند کی فوری آمدِ ثانی کا انتظارآپ کے کلمات اورسوانح حیات کے احاطہ تحریر میں آنے اورجمع کئے جانے کی راہ میں رکاوٹ کا باعث نہ تھا۔

(۸۔) اگر حضرت کلمتہ اللہ کا مطلب یہ ہوتاکہ آپ کی آمدِ ثانی ایک فوری بات ہوگی توآپ کا اخلاقی تعلیم کو دینا ایک فضول بات ہوجاتی ۔ پہاڑی وعظ وغیرہ عبث ہوجاتی ہے کیونکہ جب دنیاکا خاتمہ ہی فوراً ہونے والا ہے تو لوگوں " نئی تعلیم" کی تلقین کرنے کا کیامطلب ہے؟ پس آنخداوند کی تعلیم اس طرح درحقیقت بے معنی ہوجاتی ہے۔ لیکن آپ

[1] T.R.Glover, Pual of Tarsus pp.233-234
[2] C.H.Dodd, Apostolic Preaching pp.65-71
[3] C.H.Dodd, The Parnkles of the Kingdom (1935) pp.133-134
[4] C.J.Codoux, The Historic Mission of Jesus (1941) p.12

اناجیل اربعہ کو ایک سرے سے دوسرے تک پڑھ جائیں آپ کو یہ کہیں نہیں ملیگا کہ آپ کی تعلیم صرف چند سال کے وقفہ کے اس درمیانی مدت کےلئے ہے جوآپ کی وفات اورآمدِ ثانی کے درمیان حائل ہوگا۔ پہاڑی وعظ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس دنیا میں انسانی زندگی ہزاروں سال چلتی جائیگی۔ مرقس ۱۲: ۹، متی ۲۱: ۴۰تا ۴۱، ۲۲: ۸تا ۹۔ لوقا ۱۴: ۲۲تا ۲۴ سے بھی ظاہر ہے کہ ۔ پس ان ہزاروں مخلوقِ خدا میں سے حضرت کلمتہ اللہ کی باتوں کو اپنے کانوں سے سننے والے تھے" بہتوں نے اس پر کمر باندھی " کہ اس جانفزا پیغام کو اپنی یادداشت کے لئے اوردوسروں کو بتلانے کے لئے لکھیں۔ اس بات کا ثبوت کہ آنخداوند کے کلمات قلمبند نہیں کئے گئے تھے اُن لوگوں کی گردن پر ہے جو اس زیرِبحث نظریہ کے قائل ہیں۔ لیکن یہ نظریہ حقیقت اورتاریخ دونوں سے کوسوں دُور ہے۔

ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہزارہا چشم دید گواہوں کی جماعت میں سے ہرایک فرد نے تحریری بیان ہی دیا تھا یا جو اقوال اورواقعات ہر شخص نے دیکھے تھے وہ اُن کو احاطہ تحریر میں لے آیا تھا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ زبانی بیانات دینے والے بھی ان قدیم ایام میں موجود تھے جو" خبر دیتے تھے کہ خداوند نے کیسے بڑے کام کئے"۔(مرقس ۵ : ۱۹) اوروہ " اس بات کا چرچا کرتے " تھے۔ لیکن ہم اس حقیقت پر زوردینا چاہتے ہیں کہ زبانی بیانات کے ساتھ ساتھ تحریری بیانات موجود تھے جو ان قدیم ترین کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھے اور ارضِ مقدس کے طول وعرض میں پائے جاتے تھے۔ ہر ذی عقل شخص پر ظاہر ہے ہوجاتا ہے کہ ہزارہا مومنین کی جماعت کو (جوان قدیم ترین ایام میں یروشلیم اور ارضِ مقدس کے اندر اورسلطنتِ روم کے مختلف قصبوں اور شہروں میں پھیل گئی تھی ، صرف زبانی بیانات حفظ کرانے سے ایمان کی استقامت واصل نہیں ہوسکتی تھی ۔ جو کام تحریری لفظ کرسکتا ہے وہ ایک یا متعدد اشخاص کی تقریروں کے الفاظ سرانجام نہیں دے سکتے ۔ پس جوں جوں سال گذرتے گئے اوردوردراز کی کلیسیاؤں کو شمار بڑھتا گیا، تحریری بیان ، پارے ، رسالے اورکتابیں زیادہ استعمال ہونے لگیں اوریہ پارے اوررسالے ہر مقام کی کلیسیاؤں میں مروج ہوگئے (لوقا ۱:۱)۔

باب پنجم

اناجیلِ اربعہ

گذشتہ ابواب میں ہم ثابت کرآئے ہیں کہ حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات اور خطبات کو سننے والوں اورآپ کے معجزات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں کی تعداد ہزارہا تھی۔ یہ سب کے سب لکھے پڑھے یہودی عوام اور خواص تھے۔ اُنہوں نے جودیکھا اورسنا اس کی اُن کے رشتہ داروں ، واقف کاروں اوردوستوں کے حلقوں میں دھوم مچ گئی۔آپ کی وفات کے بعد اُن میں سے ہزاروں آپ پر ایمان لے آئے، اورکلیسیا میں شامل ہوکر نجات سے بہرہ ورہوگئے ۔ پس رسولوں نے کلیسیا کی تنظیم کی۔ نومریدوں کو مسیحی ایمان کی تعلیم دینے کے لئے اوران کے ایمان کو مستحکم کرنے کےلئے رسالے لکھے گئے۔ اُن میں سے بعض رسالے اورپارے آنخداوند کی حینِ حیات میں ہی لکھے گئے اوردیگر پارے چشم دید گواہوں کے بیانات پر مشتمل تھے جو معتبر تھے ۔ بعض رسالے رسولوں نے اوربعض رسالے معلموں اوراستادوں کی فاضل جماعت نے مرتب کئے۔ بعض پارے یروشلیم کی کلیسیا میں مروج تھے۔چنانچہ اناجیلِ کو غورسے پڑھنے والوں پر ظاہر ہے کہ ان کے بعض حصوں میں الفاظ " میں"، " ہم " ، "تو"، " تم" ، "تجھے " وغیرہ یعنی واحد حاضر، جمع حاضر، واحد متکلم ،اورجمع متکلم کے صیغ آتے ہیں (لوقا ۱: ۳تا ۴، یوحنا ۲۰: ۲۱ وغیرہ)۔ یہ حقیقت ظاہرکرتی ہے کہ یہ بیانات چشم دید گواہوں کے ہیں جو کلی وثوق کے ساتھ اپنے مخاطبوں کو ان باتو نکی نسبت تحریرکرتے ہیں جن کو" ہم نے سنا اوراپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غورسے دیکھا اوراپنے ہاتھوں سے چھوا" (۱۔یوحنا ۱: ۱) یہ سب کے سب بیانات آنخداوند کی وفات کے چند سالوں کے اندراندرلکھے گئے(لوقا ۱: ۱)۔ یہ پارے اوررسالے جو ابتدائی ایام میں لکھے گئے تھے اناجیل کی تالیف کرنے والوں کے ہاتھوں میں تھے۔ انجیل نویسوں نے ان رسالوں اورپاروں کو جو مختلف کلیسیاؤں میں مروج تھے اپنی انجیلوں کے ماخذ بنایا کیونکہ وہ سب سے معتبر شمارکئے جاتے تھے۔ اس باب میں ہم ان قدیم ترین رسالوں میں سے چند ایک کا مفصل ذکرکرینگے۔

فصل اوّل

رسالہ کلمات

دوسری صدی کے اوائل میں افسس کے نزدیک شہر ہائراپولوس کے بشپ، مقدس یوحنا کے شاگرد، پے پائس (تاریخ پیدائش ۶۰ئی) نے ایک رسالہ لکھا جس میں نہ صرف اُن کے اپنے خیالات درج ہیں بلکہ اس میں انہوں نے روایات بھی جمع کی ہیں جوانہوں نے کلیسیا کے سر برآوردہ قائدین سے پہلے وقتوں میں سُنی تھیں۔ اس رسالہ میں یہ بشپ لکھتے ہیں :

" پس متی نے عبرانی زبان میں سیدنا مسیح کے کلام کو جمع کیا اورہر شخص نے اپنے لیاقت کے مطابق اُن کا ترجمہ کیا" اس فقرہ میں صرف بشپ پے پئس کا اپنا خیال ہی درج نہیں بلکہ اس کے وقت سے پہلے کے زمانہ کی یعنی ۱۰۰ئی کی روایت کا بیان ہے۔ اس مختصر فقرے سے ہم کو چارباتوں کا علم حاصل ہوتا ہے :

(۱۔) حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات اورخطبات جمع کئے گئے تھے۔(۲۔) یہ کلمات عبرانی زبان میں جمع کئے گئے ۔غالباً" عبرانی" سے مراد ارضِ مقدس کے یہود کی زبان یعنی ارامی زبان ہے۔(۳۔) ان کلمات کوجمع کرنے والے کا نام متی تھا اوراس سے غالباً متی رسول مراد ہے ۔(۴۔) مختلف لوگوں نے اپنی لیاقت کے مطابق ان کا ترجمہ کیا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس سے مراد یونانی زبان میں ترجمہ ہے[1]۔

پس ۱۰۰ئی کی روایت کے مطابق حضرت کلمتہ اللہ کے خطبات اورکلمات مقدس متی رسول نے جمع کئے تھے جس کے ۱۰۰ئی سے مدتوں پہلے یونانی زبان میں مختلف ترجمے بھی کئے گئے تھے۔

اس روایت کو ابتدائی مسیحی مورخ بشپ یوسی ئیس اپنی کتاب تاریخِ کلیسیا[2] میں لکھتا ہے ۔جس میں وہ بشپ پے پئس کی کتاب" خداوند کےکلماتِ سماوی کی تفسیر[3] " کا اقتباس کرتا ہے۔ اس کتاب میں یہ بشپ بدعتی معلموں کی غلط تفسیروں کے خلاف حضرت کلمتہ اللہ کے اقوال کی صحیح تاویل کرتا ہے جو کلیسیا کے نزدیک معتبر تھی۔

---

[1] The Mission & Message of Jesus p.309
[2] Eusebius, H.E.111.p.39
[3] Expositions of the Oracles of the Lord, by Papias, Bishop of Hierapolis.

پس دوازدہ رسولوں میں سے مقدس متی رسول نے آنخداوند کے خطبات اورکلمات کو ارامی زبان میں جمع کیا۔ پروفیسر رمزے کے مطابق یہ مجموعہ حضرت کلمتہ اللہ کے جیتے جی جمع کیا گیا تھا[1] ۔ جس طرح عاموس نبی کی کتاب اس کی حینِ حیات میں ہی لکھی گئی تھی۔ اوریہ مجموعہ اس قدرمقبول عام ہوگیا تھا کہ اس کی بہت نقلیں کی گئیں۔ کیونکہ ایمانداروں کی جماعت کو جوروز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی تھی اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ وہ آنخداوند کی تعلیم سے واقف ہو۔بعد میں اس مجموعہ کی کئی ایڈیشن بھی لکھی گئیں جس میں بعض علمائی مثلاً ہاکنس، سینڈے، سٹریٹر وغیرہ کے مطابق چندواقعات مثلاً آنخداوند کی آزمائیش، صوبہ دار کے خادم کا شفا پانا اورچند دُوسری کہانیاں اور سیدنا مسیح کے اقوال کے " شانِ نزول" شامل کے گئے[2]۔ یہ رسالہ غیریہودی کلیسیاؤں میں بھی نہایت مقبول ثابت ا اوراُن کی خاطر مختلف اشخاص نے اس کے "ترجمے" اپنی اپنی لیاقت کے مطابق"، یونانی زبان میں کئے ۔

(۲)

ان مختلف یونانی ترجموں میں سے ایک ترجمہ ہماری موجودہ انجیل اوّل کے یونانی متن میں محفوظ ہے۔ یہ رسالہ انجیلِ اوّل اورسوم کے لکھنے والوں نے اپنی اپنی انجیلوں میں لفظ بہ لفظ نقل کرلیا کیونکہ یہ رسالہ نہایت معتبر تھا۔ اس کو بارہ رسولوں میں سے ایک نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھا تھا اورحضرت کلمتہ اللہ کی حینِ حیات میں جمع کیا تھا ۔یہ رسالہ ابتدائی ایام سے ہی مختلف مقلمات کی کلیسیاؤں میں مقبولِ عام ہوگیا تھا۔

یہ رسالہ اُن مقامات پر مشتمل تھا جو پہلی اورتیسری انجیلوں میں پائے جاتے ہیں یہ مقام حسب ذیل ہیں[3]:

(۱۔) یوحنا بپتسمہ دینے والے کی مناد(لوقا ۳: ۷، ۹، ۱۲، ۱۷، متی ۳: ۷تا ۱۳)۔

---

[1] Sir W.Ramsay, Luke the Physician.p.89.

[2] Vincent Taylor,Formation of the Gospel Tradition (1938) pp.176-185

[3] The Mission & Message of Jesus (1928)p.45

(۲۔) سیدنا مسیح کی آزمائش (لوقا ۴: ۱تا ۱۳، متی ۴: ۱تا ۱۱)۔

(۳۔) سیدنا مسیح کی تبلیغ(لوقا ۶: ۲۰تا ۴۹، متی ۵: ۳، ۴، ۶، ۱۱، ۱۲، ۴۴، ۳۹، ۴۲، ۴۲، ۷: ۱۲، ۵، ۴۶، ۴۷، ۴۴، ۴۵، ۴۸، ۷: ۱، ۲، ۱۵، ۱۴، ۱۰: ۲۴، ۲۵، ۷: ۳، ۱۶: ۲۰، ۱۲: ۳۳، ۳۵۔ ۷: ۲۴تا ۲۷)۔

(۴۔) کفرنحوم کا صوبہ دار(لوقا ۷: ۱تا ۱۰، متی ۸: ۱۰تا ۱۳)۔

(۵۔) حضرت یوحنا بپتسمہ دینے والا اور سیدنا مسیح (لوقا ۷: ۱۸تا ۳۵، متی ۱۱: ۲تا ۱۱، ۱۶: ۱۹)۔

(۶۔) شاگردی کے اُمید وار(لوقا ۹: ۵۷تا ۶۲، متی ۸: ۱۹تا ۲۲)۔

(۷۔) مبلغوں سے خطاب (لوقا ۱۰: ۲، الخ ۸: ۱۶، متی ۹: ۲۷، الخ و۱۰: ۱۶، ۱۵، ۱۱: ۲۰تا ۲۴، ۱۰: ۴۰)۔

(۸۔)شاگردی کے حقوق (لوقا ۱۰: ۲۱تا ۲۴، ۱۱: ۹تا ۱۳۔ متی ۱۱: ۲۵تا ۲۷، ۱۳: ۱۶تا الخ، ۷: ۷تا ۱۱)۔

(۹۔)بعلزبول کی نسبت بحث (لوقا ۱۱: ۱۴تا ۲۶، متی ۱۲: ۲۲تا ۲۴، ۲۵: ۳۰، ۴۳، ۴۵)۔

(۱۰۔) خوشامد کی ملامت (لوقا ۱۱: ۲۷۔ الخ متی ۱۲: ۴۶تا ۵۰)۔

(۱۱۔) نشان کے طالب (لوقا ۱۱: ۲۹تا ۳۶، متی ۱۲: ۳۸تا ۴۰، ۴۱، الخ و۵: ۱۵، ۶: ۲۶۔ الخ)۔

(۱۲۔) فریسیوں کے خلاف (لوقا ۱۱: ۴۲تا ۵۲، ۱۲: ۲۔ الخ متی ۲۳: ۲۳، ۲۷۔ ۱۲: ۳۲، ۶: ۲۵، ۳۳: ۱۹۔۲۱)۔

(۱۴۔) عدالت کا نازک وقت (لوقا ۱۲: ۳۵، ۵۹، ۱۳: ۱۸، ۲۱۔ متی ۲۵: ۱تا ۱۳، ۲۴: ۴۳، ۵۱۔ ۱۰: ۳۴، ۳۶، ۵: ۲۵، ۲۶، ۱۳: ۳۱: ۳۳۔

(۱۵۔) توبہ نہ کرنے والوں کا حشر (لوقا ۱۳: ۲۲تا ۳۰، ۳۴۔ الخ ۱۴: ۱۵۔ متی ۸: ۱۱، الخ ۲۳: ۳۷، ۳۹۔ ۲۲: ۱تا ۱۰)۔

(۱۶۔) نازک وقت میں شاگردی (لوقا ۱۴: ۲۵تا ۲۷، ۳۴۔ الخ ۱۶: ۱۳، ۱۶: ۱۸۔ متی ۱۰: ۳۷، ۳۸، ۵: ۱۳، ۶، ۲۴: ۱۱: ۱۲، ۱۳: ۸: ۶تا ۷)۔

(۱۷۔) ابنِ آدم کے دن(لوقا ۱۷: ۲۲، ۳۷، متی ۲۴: ۲۶تا ۳۹۔۱۰: ۳۹۔ ۲۴: ۴۰تا ۴۱تا ۲۸)۔

اگر ناظرین مندرجہ بالا حوالہ جات کے ایک ایک لفظ کا مقابلہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ دونوں انجیلوں کے مندرجہ بالا مقامات لفظ بلفظ آپس میں ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان انجیلوں کے مصنفوں نے اپنی انجیلوں کے مختلف مقامات میں اپنے اپنے مقصد کے مطابق" رسالہ کلمات" کے الفاظ کو لفظ بلفظ نقل کیا تھا۔ اوراب اس رسالہ کی تمام آیات ہمارے ہاتھوں میں من وعن ویسی ہی موجود ہیں جیسی مقدس متی نے لکھی تھیں۔ باالفاظِ دیگر حضرت کلمتہ اللہ کے خطبات اورکلماتِ بابرکات نہایت صحت کے ساتھ ہماری اناجیل میں محفوظ ہیں۔ اس رسالہ کلمات کے الفاظ انجیل سوم کا چھٹواں حصہ اورانجیل اوّل کا ۲: ۱۱ حصہ ہیں ۔یہ رسالہ قریباً ۱۹۲آیات پر مشتمل تھا۔

بشپ لے پئس نے اپنی کتاب میں بدعتی معلموں کے خلاف حضرت کلمتہ اللہ کے زرین اقوال کی صحیح تفسیر کی جو کلیسیا کے نزدیک معتبر تھی۔ بشپ لےپئس اوراُن کے ہمعصروں کے نزدیک رسالہ کلمات کے مندرجہ اقوال کو وہی پایہ حاصل تھا جو حضرت موسیٰ کے دس احکام کو حاصل ہے[1]۔ اس سے ہم رسالہ کلمات کے پایہ اعتبار اور سند کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

(۳)

جرمن نقاد ہارنیک کہتا ہے کہ کلمات کے مضامین پر غورکرنے سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس کا مرکزی پیغام یہ تھا کہ مسیح موعود ایک زبردست معلم اورخدا کی بادشاہت کا نبی تھا اُس میں صرف کلمتہ اللہ کی تعلیم کا ہی مجموعہ تھا۔ اس کے مضامین صلیب کے واقعہ سے پہلے کے ہیں۔پس اس کا مرکزی پیغام" مسیح ہمارا نجات دہندہ " نہیں ہے[2]۔ اس ایک بات سے یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ رسالہ صلیب کے واقعہ سے پہلے احاطہ تحریر میں آچکا تھا۔ کیونکہ اس جانکا واقعہ کے بعد لکھا جاتا تویہ واقعہ اس رسالہ میں لازمی طورپر ہوتا کیونکہ دوزادہ رسول اپن منادی کے پہلے ایام ہی سے اس واقعہ پرزوردیتے تھے(اعمال ۱: ۲۱: ۲: ۲۳ وغیرہ)۔ چنانچہ پروفیسر برکٹ بھی کہتا ہے[3]کہ رسالہ کلمات میں واقعہ

---

[1] B.W.Bacon, The Story of Jesus (1928).p.45

[2] W.C.Allen, Recent Criticism of the Synoptic Gospel's Exp.Times July 1909 pp.455ff.

[3] F.C.Burkitt, Gospel History & Its Transmission p.133 also T.W.Manson, The Teaching of Jesus pp.29-34.

صلیب کا ذکر نہ تھا بلکہ حق تو یہ ہے کہ بکریوں اوربھیڑوں کی تمثیل (متی ۲۵: ۳۱تا ۴۶) سیدنا مسیح کے خطبات کا نہایت موزوں خاتمہ ہے ۔یہ رسالہ اسی تمثیل پر ختم ہوتا تھا کیونکہ اس کے بعد متی کی انجیل میں رسالہ کلمات سے کوئی قول نقل نہیں کیا گیا"۔

پروفیسر ریمزے کہتا ہےکہ اس قسم کےرسالوں کو کوئی مسیحی آنخداوند کی صلیبی موت کہ بعد نہ لکھتا ۔کم ازکم عیدپینتی کوست کے بعداس قسم کے رسالہ کا لکھاجانا ناممکن ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت کلمتہ اللہ کی حینِ حیات میں ہی لکھا گیا تھا[1]۔

دیگرعلمائی کا خیال ہے کہ یہ رسالہ حضرت کلمتہ اللہ کی وفات کے بعد لکھا گیا تھا۔ ہم نے اوپر دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ قیاس درست نہیں ہے۔ بہر حال تم علمائی اس بات پر متفق ہیں کہ[2] یہ رسالہ قدیم ترین ہے اورپہلی صدی کے درمیان سے پہلے یعنی ۵۰ئ سے پہلے کا لکھا ہوا ہے جس کا بالفاظ دیگر مطلب یہ ہے کہ ان علمائی کے خیال میں یہ رسالہ آنخداوند کی وفات کے دس پندرہ سال کے اندراندر لکھا گیا تھا ۔لیکن متعدد علمائی پروفیسر ریمزے کے ہم نوا ہوکر کہتے ہیں کہ " ہمارے پاس یہ ماننے کے لئے کافی وجوہ ہیں کہ سیدنا مسیح کی تمثیلوں اورآپ کے کلمات کا مجموعہ آپ کے جیتے جی آپ کے زیر اہتمام پوراکیا گیا[3]، پروفیسر نسلٹ ٹیلر بھی اس عالم سے اتفاق کرتے ہیں[4]۔ پروفیسر برکٹ کے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ وہ کہتے ہیں " میرے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ سیدنا مسیح کے وہ اقوال اورتمثیلیں (جن کا تعلق خدا ی بادشاہی کے اس دنیا میں پورا ہونے سے ہے) سیدنا مسیح کے زمانہ کے بعدکی ہیں ان کی تازگی اوراُن کی فضا کی شگفتگی اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ آپ کے زمانہ کے بعد کی باتیں نہیں ہیں۔ قدیم مسیحی ادب میں اناجیل متفقہ کےباہر قدرتی مناظر اورانسانی فطرت کے متعلق اس قسم کا نظریہ زندگی کہیں نہیں ملتا جوآپ کی تمثیلوں میں موجود ہے۔ اعمال کی کتاب میں مختلف رسولوں کی تقریریں لکھی

[1] Sir W.Ramsay, Luke the Physician p.89
[2] A.Richardson, The Gospel in the Making (S.C.M.P.24)
[3] B.S.Easton, The Gospel before the Gospels(1928) p.41
[4] Vincent Taylor, Formation of the Gospel Tradition p.94.

ہیں ان میں ایک بھی تمثیل موجود نہیں اورنہ اس قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں جوآنخداوند کی زبانِ مبارک سے نکلے[1]۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ " منادی" (باب سوم) میں حضرت کلمتہ اللہ کی مبارک تعلیم کی نسبت ایک لفظ بھ موجود نہیں ہے۔ اناجیل اربعہ میں باربارآیا ہے کہ سامعین آپ کی تعلیم سن کر" دنگ رہ جاتے تھے"۔ اورمخالفین تک اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ " انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا"(یوحنا ۷: ۴۶)۔ پھرکیا وجہ ہے کہ آپ کی تعلیم رسولوں کی " منادی " کا غالب حصہ نہ تھی۔ اس کی صرف یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ یروشلیم اورارضِ مقدس میں نہ صرف ایک بڑی تعداد اس تعلیم سے واقف تھی بلکہ یہ تعلیم تحریری صورت میں ایمان داروں کی جماعت میں مروج تھی۔ لیکن چونکہ اس رسالہ میں سیدنا مسیح کی تعلیم کے علاوہ اورکچھ نہ تھا لہذا رسولوں کی " منادی" اُن باتوں پر مشتمل تھی جو اس رسالہ میں نہ تھیں۔ اس قسم کی ضمنی باتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آنخداوند کے زرین اقوال آپ کی حینِ حیات میں ہی لکھے گئے تھے اوروہ تحریری صورت میں موجود تھے۔

مقدس پولوس رسول کے خطوط سےبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس رسالہ کلمات موجود تھا۔ جس میں آنخداوند کے کلمات اوراحکام موجود تھے(۱کرنتھیوں ۷: ۱۰، ۱۲، ۲۵، متی ۵: ۳۲، اعمال ۱۳: ۲۴، ۱۹: ۴، ۲۰: ۳۵ وغیرہ)۔ آپ کے خطوط (رومیوں ۱۲: ۱۴، ۲۱۔ ۲کرنتھیوں ۱۰: ۱ وغیرہ)۔ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ رسالہ کلمات رسول مقبول کے ہاتھوں میں موجود تھا۔۱کرنتھیوں کا ۱۳باب درحقیقت آنخداوند کے کیرکٹر اورخصلت کا بیان ہے۔ آپ آیات ۴تا ۸ میں لفظ" محبت " کی بجائے لفظ " یسوع مسیح" پڑھیں تو آپ پر ظاہر ہوجائیگا کہ کس خوبی سے مقدس پولوس نے آنخداوند کی زندگی کا خاکہ کھینچا ہے اوراس زندگی سے محبت کا سبق پڑھا ہے۔مقدس پولوس باربارآنخداوند کی حلیمی اورانکساری کا ذکر کرتا ہے (۲کرنتھیوں ۱۰: ۱، فلپیوں ۲: ۷تا ۸، ۱کرنتھیوں ۱۱: ۱ وغیرہ)۔ جس سے ظاہر ہے کہ رسالہ کلمات جس میں متی ۱۱: ۲۹ کا قول موجود ہے اُن کے ہاتھوں

---

[1] Burkit, Gospel-History & Its Transmission p.195-196

میں موجود تھا۔ آپ کے خطوط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ رسالہ اثبات آپ کےہاتھوں میں تھا جس کا مفصل ذکرہم آگے چل کرینگے۔ یہ رسالہ "کلمات" کے مجموعہ کے بعدلکھا گیا تھا۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ مقدس پولوس اوردیگر رسولوں اورمبلغوں کے ہاتھوں میں رسالہ کلمات نہ ہو۔ ہم کو تعجب ہوتا ہے کوئی کہتا ہے کہ مقدس پولوس منجئی جہان کی زندگی کے واقعات اورتعلیمات کی طرف سے بے نیاز تھے۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ آپ کے خطوط میں منجئی کی زندگی کے واقعات کا ذکر بہت کم پایا جاتا ہے لیکن یہ خطوط اس غرض کے لئے لکھے ہی نہیں گئے تھے۔ آپ کے زمانہ میں کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں یہ رسالے اورپارے موجود تھے جو قدیم کلیسیا میں مروج تھے۔ پس ہم اس نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے کہ رسولِ مقبول منجئی عالمین کی زندگی اورواقعات سے واقف نہ تھے یا آپ کے نزدیک وہ بہت اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ رسول کی زندگی کے انقلابی واقعہ کا مرکز[1] ہی یہ تھا کہ مصلوب گلیلی درحقیقت کون تھے اورکیا تھے اوردنیا میں آپ کی اہمیت دراصل کیا تھی۔ آپ کے خطوط سے ظاہر ہے کہ قدیم رسالے اوربالخصوص رسالہ کلمات آپ کےہاتھوں میں موجود تھا۔ پروفیسر برکٹ کا خیال[2] ہے کہ پولوس رسول نے سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے اورعشائے ربانی کے جو بیان لکھے ہیں (۱کرنتھیوں ۱۱: ۲۳) الخ اور ۱۵: ۳۔ الخ) وہ تحریری صورت میں موجود تھے۔

حق تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خالی الذہن ہوکر اس سوال پر غورکرے کہ جس قسم کی تعلیم" رسالہ کلمات" میں موجود ہے وہ کب احاطہ تحریر میں آئی ہوگی تو وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس ماخذ کی تاریخ پنتیکوست کے بعد کی نہیں ہوسکتی کیونکہ مقدس پطرس کی تقریر صاف ظاہر کردیتی ہے کہ اس وقت رسولوں پر انجیل کا اصل منشا اورآنخداوند کی آمد کی علتِ غائی اورآپ کی صلیبی موت اور ظفریاب قیامت کا عقد کھل گیا تھا اوران ایام میں مسیحیت صلیبی موت کی قربانی اورگناہوں سے نجات کی نیو پر پختہ طورپر کھڑی ہوچکی تھی۔ اگریہ رسالہ پینتکوست کے بعد لکھا جاتا تو

---

[1] T.R. Glover, Paul of Tarsus p.205

[2] Burkitt, Gospel-History & Its Transmission p.263

یہ ناممکن تھاکہ اس میں نجات کی خوشخبری کا یہ طریقہ مذکورنہ ہوتا۔ شائد کوئی کہے کہ یہ رسالہ سیدنا مسیح کی قیامت اورعید پینتکوست کے درمیانی عرصہ میں لکھا گیا تھا لیکن یہ قیاس ایسا غیر معقول ہے کہ کسی نقاد نے پیش نہیں کیا۔ اس بیم ورجا کہ زمانہ میں کس کویہ حوصلہ ہوسکتا تھا کہ ایسا رسالہ مرتب کرے جس کی فضا بلند معیاراوردنگ ڈھنگ رسالہ کلمات کا ساہو۔

تمام امکانات پر غورکرکے ہم اس نتیجہ پرپہنچتے ہیں کہ رسالہ کلمات صرف تب ہی لکھا جاسکتا تھا جب آنخداوند ابھی زندہ تھے اوریہی وجہ تھی کہ مقدس لوقا جیسا محتاط مورخ اِس رسالہ کو اپنے دیگر ماخذوں سے بھی زیادہ مستند اورمعتبر سمجھتا ہے اورانجیل اوّل کا مصنف بھی اس کو یکتا خیال کرکے استعمال کرتا ہے۔اس رسالہ میں مقدس متی نے آنخداوند کے کلمات اورآنکھیں دیکھے اورکانوں سنے واقعات کو قلمبند کرلیا تھا اورانجیلِ اوّل اورسوم کے مصنف دونوں اس رسالہ کی سند کوقبول کرکے اپنے اپنے نکتہ نظر کے مطابق اس رسالہ کو اپن اپنی ترتیب کے اختلاف کے مطابق اپنی انجیلوں میں لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں۔یہ رسالہ ایک طرف تو ایسی دستاویز تھی جو مشمولہ واقعات کی ہمعصر تھی۔ جس میں اُن شاگردوں کے تاثرات اوررِدعمل کا ذکر تھا جو واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ اوردوسری طرف یہ کلمات اور واقعات تب احاطہ تحریر میں آگئے۔ جب یہ چشم دید گواہ ان الفاظ کی اہمیت اورواقعات کے مطالب ومعانی کو سمجھنا تو درکناروہ اُن کے خواب وخیال میں نہ آئے تھے (یوحنا ۲: ۲۲، ۱۲: ۱۶، لوقا ۲۴: ۶تا ۸، مرقس ۹: ۳۲، لوقا ۹: ۲۲، مرقس ۶: ۵۲، لوقا ۱۸: ۳۱تا ۳۴ وغیرہ)۔ شاگردوں میں ابھی یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ان کلمات کو سمجھ سکیں جن کا تعلق صلیب کے ساتھ تھا یا اس واقعہ کے حقیقی مقاصد اوراصلی مطالب کو جان سکیں ۔ چنانچہ متی ۱۶: ۲۱تا ۲۳ کے واقعہ کے عین بعد ۲۴، ۲۵آیات کا واقعہ سے یہ ثابت ہے۔ اسی طرح لوقا ۹: ۴۴تا ۴۵ کے بعدآیات ۵۴، ۵۶ ظاہر کرتی ہیں کہ آنخداوند اورآپ کے شاگردوں کے نکتہ نظر میں کتنا فرق تھا۔ع بہ میں تقاوت راہ ازکجا ست تاک بکجا۔ انجیل نویس رسالہ کلمات کے

مندرجه اقوالِ خداوندی کے بعد اپنا نوٹ لکھتے ہیں " اس کی باتیں ان (شاگردوں) کو یاآئیں"۔ انہوں نے ان میں سے کوئی بات نہ سمجھی اوریہ قول اُن پر پوشیدہ رہا اوران باتوں کا مطلب اُن کی سمجھ میں نہ آیا"۔ حضرت کلمتہ اللہ نے اُن کو بعض اقوال بولنے کے بعد ہی سمجھا دئیے (مرقس ۴: ۱۳، ۳۴ وغیرہ)۔ بعض کے مطلب کا اُن کو بعد کے واقعات کی روشنی میں پتہ چلا(مرقس ۷: ۱۸تا ۱۹، اعمال ۱۰: ۱۴ تا ۱۵ وغیرہ)۔ان الفاظ کا وجود ہی ان کی صحت کا ذمہ وار ہے اورشاگردوں کے اپنے پرانے خیالات کا آئینہ اوران کے ذہنی ارتقا کا شاہد ہے۔ ان باتوں سے ثابت ہے کہ آنخداوند کے اقوال اُس وقت لکھے گئے تھے جب آپ نے فرمائے تھے[1]۔

(۴)

جب ہم رسالہ کلمات کے مضامین پر نظر کرتے ہیں تو اس کی خصوصیات ہم پر ظاہر ہوجاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کا دائرہ نظر، معمورِذہنی اوراحساسات سب کے سب یہودی فضا اوریہودیت میں رنگے ہیں۔ دوم۔ اس رسالہ میں بتلایا گیا ہے کہ فریسیوں کے فرقہ میں اورآنخداوند میں باہمی آویزش رہتی تھی۔ اورسوم اس میں خدا کی بادشاہی کا تصورمسائل معادExchatological سے متعلق ہے۔ اس رسالہ میں آنخداوند کی جو تصویر نظر آتی ہے وہ خدا کی بادشاہی کے نبی کی ہے۔ لیکن فرقہ یہ ہے کہ یہ نبی ابنِ آدم ہے جو خداکی بادشاہی کو قائم کرنے کے لئے آنے والا ہے[2]۔

یہ رسالہ کلمات پانچ حصوں پر مشتمل تھا۔ اسی لحاظ سے بشپ پے پئس کی تفسیر بھی پانچ حصوں پر مشتمل تھی۔ پس نیسل Nestle کا یہ خیال درست معلوم ہوتاہے کہ بشپ مذکور کی تفسیر مقدس متی کے رسالہ کلمات کے پانچ حصے تھے اس حقیقت کو بھی ثابت کرتی ہے کہ مقدس متی نے اپنے رسالہ کلمات کو پانچ حصوں پر اس بنا پر تقسیم کیا تھا کیونکہ رسولوں کے نزدیک حضرت کلمتہ اللہ کی زبان کا ایک ایک لفظ کُتُبِ تورات اورصحائف انبیائی کی طرح الہامی تھا۔ (یوحنا ۱۸: ۳۲، مرقس ۱۰: ۳۳، متی ۱۲: ۴۱تا ۴۲۔ یوحنا ۱۸: ۹، ۱۳، ۱۸ وغیرہ)۔

---

[1] W.M.Ramsay, The Oldest Written Gospel Expositor vol.111 May 1907

[2] W.C.Allen, Recent Criticism of Synoptic Gospels Exp.Times July, 1909 pp.455 ff.

جس طرح انبیائے سابقین کے صحابہ ان انبیائی کا کلام موقعہ اورمحل کا ذکر کئے بغیر جمع کیا کرتے تھے اسی طرح مقدس متی نے بھی رسالہ کلمات میں سیدنا مسیح کے کلام معجز نظام کو جمع کیا اوران کا " شانِ نزول" نہ بتلایا۔ آپ نے یہ نہ لکھا کہ سیدنا مسیح نے فلاں موقعہ پر یا فلاں محل پر فلاں کلمات فرمائے تھے۔

چونکہ رسالہ کلمات ایک مختصر رسالہ تھا جس میں صرف آنخداوند کے کلمات ہی درج تھے اوراس میں منجئ جہان کی صلیبی موت اوردیگر سوانح حیات اور معجزات کا بیان نہ تھا اورمقدس متی اورمقدس لوقا نے اس رسالہ کے ایک ایک لفظ کو اپنی انجیلوں میں نقل کرلیا تھا ،لہذا جُوں جُوں وقت گذرتا گیا اس رسالہ کی نقلیں ہونی بند ہوتی ہوگئیں۔

علاوہ ازیں قدیم زمانہ کے مسیحی صرف چند طوماروں کے ہی مالک ہوسکتے تھے۔ پس انہوں نے انجیل متی اورانجیل لوقا کے طوماروں کو ترجیح دی اوریہ رسالہ آہستہ آہستہ نقل ہونا بند ہوگیا اورایک زمانہ آیا جب یہ رسالہ ناپید ہوگیا[1]۔

فصل دوم

رسالہ اثبات

ہم بابِ سوم میں بتلاچکے ہیں کہ ابتدائی ایام کی کلیسیا کے معلموں نے ایمان داروں کی جماعت کےایمان کی استقامت کے لئے ایک رسالہ مرتب کیا[2] جس میں مختلف عنوانات کے ماتحت عہد عتیق کی کتابوں کی اُن آیات کو اکٹھا کیا گیا تھا جن کا ایک ہی موضوع تھا اورکہ یہ رسالہ اسی قسم کا تھا جس قسم کا بعد کے زمانہ میں بشپ سپرین[3] نے نظر ثانی کرکے تیارکیا تھا۔ جس سے متعدد لاطینی مصنفوں نے اقتباس کئے ہیں ان تمام وجوہ کے باعث ڈاکٹرہیرس Dr. Harris جیسا عالم اس نتیجہ پرپہنچا کہ یہ رسالہ اگر قدیم ترین کتاب نہیں توکم ازکم قدیم تریم زمانہ سے متعلق ہے۔ اورانجیلی مجموعہ کی تمام کُتُب سے پیشتر احاطہ تحریر میں آیا تھا

---

[1] Filson, Origin of the Gospels. P.125.
[2] Bishop Blunt, St.Mark, (Clarendon Bible 1935).11.
[3] Cyprian's Testimony against the Jews.

اوراس کتاب کا اثر انجیل کی تقریباً ہر کتاب میں نظر آتا ہے۔ اس عالم کے خیال میں یہ کتاب عہدِ عتیق کی نبوتوں پر مشتمل تھی اوراس مجموعہ کی بہتیری ایڈیشن ہوئیں اورہر ایڈیشن میں اُس سے پہلی ایڈیشن کی نظر ثانی کی گئی تھی ۔ جس میں بعض آیات کو خارج اوردیگر مقامات کا اضافہ کیا گیا تھا۔ ہم بابِ سوم میں بتلاچکے ہیں کہ اس قسم کے رسالہ کا قدیم ترین زمانہ میں مرتب کیا جانا ایک قدرتی بات بھی تھی۔ دوسری صدی کے اوائل میں جسٹن شہید نے اپنی کتاب " اپالوجی" کی بنیاد بھی عہد عتیق کی نبوتوں پر رکھی تھی اوردیگر آبائے کلیسیا نے بھی تبلیغ کا یہی طریقہ اختیارکیا تھا۔

اس فصل میں ہم اس رسالہ کے مضامین پر مفصل بحث کریں گے ۔

جب ہم انجیلی مجموعہ کی کتُب پر ایک غائر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتاہے کہ انجیل کے بعض مقامات میں عہدِ عتیق کی کتُب کا اقتباس کرنے سے پہلے انجیل کے بعض مولف ایک خاص فارمولا یامقرری الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً " جیسا نبی کی معرفت کہا گیا تھا " ۔ وغیرہ لیکن انجیلی مجموعہ کی کتب میں متعدد مقامات ایسے بھی ہیں جہاں یہ ظاہر ہے کہ مصنف کا منشائی اقتباس کرنے کا ہے لیکن اقتباس کرنے سے پہلے وہ کوئی خاص فارمولا استعمال نہیں کرتا ۔ بعض اقتباسات لفظ بلفظ یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ سے ملتے ہیں لیکن دیگر اقتباسات سیدھے عبرانی اصل متن سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔ بعض مقامات سے ظاہر ہے کہ وہ توضیح کی خاطر اقتباس کئے گئے ہیں۔ دیگر مقامات میں عہدِ عتیق کی کسی کتاب کی جانب صرف اشارہ ہی پایا جاتا ہے۔

عہدِ عتیق کی کتب کے چند مقامات حسب ذیل ہیں[1]

(۱۔) زبور۲: ۷، یہ آیت اناجیل میں مرقس ۱: ۱۱، ۹، ۷، متی ۳: ۱۷، لوقا ۳: ۲۲ اوراناجیل کے باہر اعمال ۱۳: ۳۳ ، عبرانیوں ۱: ۵، ۵: ۵ میں پائی جاتی ہے ۔اس سے ظاہرہے کہ عہدِ جدید کی کتابوں کے تین مختلف مصنف (جن کا ایک دوسرے کی تصنیفات سے قطعاً کوئی متعلق نہیں) زبور۲: ۷ کا استعمال کرتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کتابوں کے لکھے جانے

[1] C.H.Dodd, According to the Scripturess (1935)

سے بہت پہلے یہ آیت مسیح موعود کے ثبوت میں پیش کی جاتی تھی۔

(۲۔) زبور ۸: ۴تا ۶ کا اقتباس عبرانیوں ۲: ۶تا ۸ (جس کے الفاظ سیپٹواجنٹ ترجمہ کے مطابق ہیں)۔ ۱کرنتھیوں ۱۵: ۲۷۔ افسیوں ۱: ۲۲، فلپیوں ۳: ۲۱، ۱پطرس ۳: ۲۲ میں پایا جاتا ہے ۔ ۱پطرس کے خط کے مصنفوں کی تشریح کو جو وہ اس آیت کی کرتے ہیں نہیں لیتا۔ بلکہ وہ اس زبور کی مقبولِ عام تفسیر کا قائل ہے۔ پس یہ تینوں مختلف مصنف اس زبور کی آیات کو اپنے اپنے مطلب کو ظاہرکرنے کے لئے ثبوت کے طورپر پیش کرتے ہیں تاکہ ہرکس وناکس یہ جان لے کہ" مسیح کو دکھ اٹھا کر جلال میں داخل ہونا ضرور تھا"(لوقا ۲۴: ۲۶) پس ظاہر ہے کہ ان مصنفوں کی تحریرات سے بہت پہلے کلیسیا کے معلم ان آیات کو اس غرض کے لئے پیش کرتے تھے۔

(۳۔) زبو ۱۱: ۱ اس آیت کا اقتباس نہ صرف انجیل مرقس ۱۲: ۳۶ میں کیا گیا ہے بلکہ اعمال ۲: ۳۴ تا ۳۵ (جس کے الفاظ سیپٹواجنٹ کے مطابق ہیں) اورعبرانیوں ۱: ۱۳ میں کیا گیا ہے۔ لیکن عہدِ جدید کی کتب میں اس آیت کی جانب متعدد مقامات میں اشارے موجودہیں (مثلاً مرقس ۱۴: ۶۲، اعمال ۷: ۵۵، رومیوں ۸: ۳۴، افسیوں ۱: ۲۰، کلسیوں ۳: ۱، عبرانیوں ۱: ۳، ۸: ۱، ۱۰: ۱۲، ۱۲: ۲ اور۱پطرس ۳: ۲۲ ۔ ظاہر ہے کہ یہ آیہ شریفہ رسولوں کی " منادی" کی بنیادی آیت تھی پس مقدس مرقس، مقدس لوقا ، مقدس پولوس اورعبرانیوں اور۱پطرس کے خطوط کے مصنف مختلف مقامات میں اس آیت کا اقتباس کرتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ان اناجیل کے احاطہ تحریر میں آنے سے پہلے یہ رسالہ لکھاگیا تھا۔

(۴۔) زبور ۱۱۸: ۲۲، ۲۳۔ ان آیات کو مقدس مرقس(۱۲: ۱۰تا۱۱)۔ استعمال کرتے ہیں ۔ ان کے الفاظ یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کے مطابق ہیں۔ علاوہ ازیں ان آیات کا اقتباس اعمال ۴: ۱۱اور ۱ پطرس ۲: ۷ میں کیا گیا ہے۔ پس تین مختلف گواہ اس بات کے شاہد ہیں کہ انجیلی مجموعہ کے وجود میں آنے سے پہلے ان آیات کو اس غرض کے لئے پیش کیا جاتا تھا۔

(۵۔) یسعیاہ ۶: ۹تا ۱۰ کا اقتباس اناجیل میں موجود ہے۔ لیکن انجیل اول (۳: ۱۴تا ۱۵)۔کے الفاظ یونانی ترجمہ

سیپٹواجنٹ کے مطابق ہیں۔ انجیل چہارم کے الفاظ ۱۲: ۴۰ سیپٹواجنٹ سے مختلف ہیں ۔ انجیل دوم ۴: ۱۲ کے الفاظ مقدس یوحنا کے الفاظ اورسیپٹواجنٹ دونوں سے مختلف ہیں۔ مقدس لوقا بھی ان آیات کا اقتباس کرتے ہیں (اعمال ۲۵: ۲۵تا ۲۷) الفاظ کے اختلاف سے یہ ظاہر ہے کہ یہ مصنف ایک دوسرے سے نقل نہیں کررہے بلکہ ایک مقام کے تین مختلف اقتباسات نقل کررہے ہیں ۔ جس سے ظاہر ہے کہ قدیم ترین زمانہ میں کلیسیا اس آیت کا استعمال کرتی تھی ، جب اہل یہود نے نجات کے پیغام کو قبول نہ کیا تاکہ اس آیت کی سند سے وہ یہ ثابت کرے کہ انجیل جلیل کی منادی غیریہود میں کی جائے گی۔

(۶۔) یسعیاہ ۵۳: ۱کا اقتباس انجیل یوحنا ۱۲: ۳۸ میں کیا گیا ہے جس کے الفاظ سیپٹواجنٹ کے مطابق ہیں اور مقدس پولوس بھی اس آیت کا ذکر رومیوں کے خط ۱۰: ۱۶ میں کرتے ہیں۔

(۷۔) یسعیاہ ۴۰: ۳تا ۵ کا اقتباس تین انجیلوں یعنی لوقا ۳: ۴تا ۶ اورمتی ۳: ۳ اوریوحنا ۱: ۲۳ میں پایا جاتا ہے۔ انجیل چہارم کے اقتباس کے الفاظ سیپٹواجنٹ کے متن سے مختلف ہیں ۔ ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اناجیل اربعہ کے احاطہ تحریر میں آنے سے پہلے کلیسیا ان آیات کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرتی تھی۔

(۸۔) یسعیاہ ۲۸: ۱۶، ۸: ۱۴ ۔ یہ دونوں مقامات ۱پطرس ۲: ۶تا ۸ میں موجود ہیں لیکن ان کے الفاظ سیپٹواجنٹ سے مختلف ہیں ان آیات کا اقتباس رومیوں ۹: ۳۳ میں بھی ہے۔

(۹۔)پیدائش ۱۲: ۳، ۲۲: ۱۸ ۔ یہ دونومقامات اعمال ۳: ۲۵ اورگلتیوں ۳: ۸ میں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کئے گئے ہیں کہ غیریہود خدا کی بادشاہت میں داخل ہوکر برکت پائینگے جس سے ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ ہی سے ابتدائی کلیسیا اس غرض کے لئے ان آیات کو استعمال کرتی تھی۔

(۱۰۔) یرمیاہ ۳۱: ۳۱تا ۳۴۔ ان آیات کااقتباس عبرانیوں کے خط (۸: ۸تا ۱۲) میں کیا گیا ہے اوراس کے لفظ ترجمہ سیپٹواجنٹ کےمطابق ہیں۔ ان آیات کی طرف ۱کرنتھیوں ۱۱: ۲۵ میں اشارہ کیا گیا ہے اور۲کرنتھیوں ۳باب میں

ان آیات سے استد لال کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قدیم ترین زمانہ کی کلیسیا ان آیات کو کس کس مقصد کے لئے استعمال کرتی تھی۔

(۱۱۔) یوایل ۲: ۲۸تا ۳۲ کا اقتباس اعمال ۲: ۱۷، ۲۱، ۳۹ میں کیا گیا ہے۔ اوران آیات کا ذکر رومیوں ۱۰: ۱۳ میں بھی آیا ہے۔ان آیات کا زبردست اثر ابتدائی کلیسیا کے اُن خیالات پر پڑا جن کا تعلق آنخداوند کی آمدِ ثانی کے ساتھ ہے۔ ملاحظہ ہولوقا ۲۱: ۲۵ اورمکاشفات ۹: ۲۔

(۱۲۔) زکریاہ ۹: ۹ کا اقتباس انجیل متی ۲۱: ۵ اورانجیل یوحنا ۱۲: ۱۵ میں کیا گیا ہے ۔ ان دونوں مقامات کا متن یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ سےمختلف ہے۔ یہ حقیقت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ یہ دونوں انجیل نویس ایک دوسرے کے مرہونِ منت نہیں ہیں بلکہ ان اناجیل کے احاطہ تحریر میں آنے سے بہت پہلے قدیم زمانہ کے معلم اوراستاد اس آیہ شریفہ کا استعمال کرتے تھے۔

(۱۳۔)حبقوق ۲: ۳ کا اقتباس عبرانیوں کے خط (۱۰: ۳۷تا ۳۸) میں اورمقدس پولوس کے دوخطوط ،رومیوں ۱: ۱۷، گلتیوں ۳: ۱۱) میں کیا گیا ہے اورلطف یہ ہے کہ مقدس پولوس کا ترجمہ یونانی سیپٹواجنٹ کے متن سے اور عبرانیوں کے خط کے الفاظ سے دونوں سے مختلف ہے۔ یہ امر ثابت کرتاہے کہ قدیم کلیسیا کے معلموں کا مجموعہ اصل عبرانی زبان میں تھا اوربعد کے زمانہ میں مختلف مصنفین نے حسبِ ضرورت ان آیات کا اپنے اپنے علم کے مطابق یونانی میں ترجمہ کیا۔

(۱۴۔) یسعیاہ ۶۱: ۱تا ۲کا اقتباس انجیل لوقا (۴: ۱۸تا ۱۹) میں کیا گیاہے جو عام طورپر یونانی سیپٹواجنٹ کے مطابق ہے۔ اسی آیت کا اقتباس اعمال ۱۰: ۳۸ میں بھی موجود ہے۔

(۱۵۔) استثنا ۱۸: ۱۵تا ۱۹ کا اقتباس لوقا نے اعمال ۳: ۲۲تا ۲۳ میں کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم ترین زمانہ میں رسول اورمعلم ان آیات سے سیدنا مسیح کا مسیح موعود ہونا ثابت کیا کرتے تھے۔

ہم نے اُوپر کی پندرہ آیات کو بطور مشُتے نمونہ ازخروارے پیش کیا ہے تاکہ ناظرین پر ظاہر ہوجائے کہ

انجیلی مجموعہ کی کتُب کے مصنفین اُن آیات کو اوراسی قسم کی دوسری آیات کو اپنے مطالب اورمقاصد کو سمجھانے کے لئے پیش کرتے ہیں جو ان کے لکھنے سے پہلے ہی کلیسیاؤں میں مروج تھیں۔

(۲)

(۱۔) جب ہم مذکورہ بالا آیات کے اقتباسات پر نظر کرتے ہیں تو ہم پریہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ قدیم ترین کلیسیا کے معلموں کے " رسالہ اثبات" کا نفس مضمون کیا تھا اوراس زمانہ کے معلم ، مبلغ اور مبشران آیات کو کن کن اغراض اور مقاصد کی خاطر استعمال کرتے تھے ان اقتباسات سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ رسالہ مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں مروج تھا۔ اوراناجیل اربعہ کے لکھے جانے سے پیشتر عام مقبولیت حاصل کرچکا تھا۔

(۲۔) جب انجیلی مجموعہ کی کتُب کے مصنف اس رسالہ کی آیات کا اقتباس کرتے ہیں تو وہ کسی خاص یونانی ترجمہ کا اقتباس نہیں کرتے ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رسالہ کی آیات کا متن یونانی زبان میں نہ تھابلکہ یہ رسالہ اصل عبرانی آیات کا مجموعہ تھا اورعبرانی زبان میں ہی مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے معلموں کے ہاتھوں میں تھا۔

(۳۔) جب ہم اقتباسات پر نظر کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ مصنف اقتباس کرتے وقت کسی آیت کے تمام الفاظ کا اقتباس کرنا ضروری خیال نہیں کرتا۔ اگرایک مصنف کسی آیت کے پہلے حصے کا اقتباس کرتا ہے تو دوسرا مصنف اسی آیت کے دوسرے حصے سے استدلال کرتا ہے۔ کسی مصنف کا اقتباس طویل ہے ،کسی کا کم اورکسی کا بالکل مختصر ہے۔مثال کے طورپر زبور۶۹: ۹ کو (جس کا مندرجہ بالا آیات میں ذکر نہیں کیا گیا) لے لیں۔ مقدس یوحنا اس آیہ شریفہ کے پہلے حصہ کا اقتباس ۲: ۱۷ میں کرتا ہے ۔ لیکن مقدس پولوس اسی آیت کے پہلے حصے کا اقتباس نہیں کرتا۔ لیکن دوسرے حصہ کا اقتباس (رومیوں ۱۵: ۳) کرتا ہے۔ دونوں مصنف الفاظ " لکھا ہے" استعمال کرتے ہیں۔دونوں دلیل دیئے بغیریہ فرض کرلیتے ہیں کہ ان الفاظ کا اطلاق سیدنا مسیح پر ہے۔یہ دونوں مصنف ایک دوسرے کی تصنیفات سے ناواقف ہیں کیونکہ پولوس رسول نے رومیوں کا خط

۶۵ئہ میں لکھا تھا۔ جس سے ثابت ہے کہ دونوں مصنف قدیم ترین کلیسیا کے اس نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں مسیح موعود کی طرف اشارہ ہے حالانکہ اہلِ یہود اس زبور کو" مسیحائی" مزامیر میں شامل نہیں کرتے تھے ۔ لیکن قدیم کلیسیا اس زبور کو آنخداوند کی طرف منسوب کرتی تھی چنانچہ اناجیل (یوحنا ۱۵: ۲۵، متی ۲۷: ۳۴، مرقس ۱۵: ۳۶ اوراعمال الرسل (۲: ۲۰)۔ دونوں سے ظاہر ہے کہ قدیم زمانہ میں کلیسیا اس زبور کو ثبوت کے طورپر پیش کرتی تھی۔ اسی طرح مذکورہ بالا دیگرآیات کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہے کہ انجیلی مجموعہ کے مصنفوں کا مقصد محض یہ نہ تھا کہ عہدعتیق کی آیات کے اقتباسات پر ہی اکتفا کیا جائے بلکہ اُن کا مقصد یہ بتلانا بھی تھا کہ ان آیات کا اصل مفہوم کیا ہے اورمسیح موعود کے آنے سے عہدِ عتیق کی تمام نبوتیں پوری ہوجاتی ہیں کیونکہ وہ سب اشارات ہیں جو سیدنا مسیح کے حق میں پورے ہوئے۔

(۴۔) ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ مذکورہ بالا پندرہ آیات کا تعلق رسولوں کی " منادیٰ کے نفس مضمون کے ساتھ ہے۔ جس کا ذکر باب سوم میں کیا گیا ہے ۔ قدیم ترین معلم رسولوں کی " منادی" کی " نیو" پر عہدِ عتیق کی آیات کی عمارت رکھتے ہوئے کہ سیدنا عیسیٰ ناصری مسیح موعود ہوکر آئے اورآپ کی آمد سے تمام یہود پر آپ کے قول کا صحیح مطلب ظاہر ہوجائے کہ میں" توریت اورنبیوں کی کتابوں کو پورا کرنے آیا ہوں"۔

(۳)

اس باب کی فصلوں میں ہم نے اناجیل اربعہ کے صرد دوتحریری ماخذوں کا بیان کیا ہے تاکہ ناظرین پر ظاہر ہوجائے کہ اناجیل کے مصنفوں نے لکھتے وقت صرف ایسے ماخذوں کا ہی استعمال کیا تھا جو قدیم ترین تھے اورجن کا پایہ اعتبارتمام کلیسیاؤں میں مسلم تھا۔

یہ دو ماخذ ایسے ہیں جن کو چاروں کے چاروں انجیل نویسوں نے استعمال کیا تھا لہذا ان کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے ۔ لیکن ہمیں یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ انجیل نویسوں کے سامنے بہت سے ماخذ اوربھی تھے۔ جن کو" انہوں

نے شروع سے خوددیکھنے والے اورکلام کے خادم تھے ترتیب وار" لکھا تھا (لوقا ۱: ۱تا ۴)۔

پس ہزارہا چشم دید گواہوں کے زبانی اور تحریری بیانات ارضِ مقدس کے طول وعرض میں مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں پھیلے ہوئے تھے۔

پہلے پہل جو مجموعے چشم دید گواہوں نے آنخداوند کے کلمات اورسوانح حیات کے لکھے وہ سب شخصی ، ذاتی اورانفرادی قسم کے تھے۔ وہ لوگوں کے اپنے رنج کے مجموعے تھے۔ ان کو کلیسیا کی طرف سے مستند قرارنہیں دیا گیا تھا اورنہ کسی رسول کی مہرُاُن پر ثبت تھی۔ اس بات پر انجیل سوم کا دیباچہ گوا ہے۔چاروں انجیل نویسوں نے نہایت کاوش اورجانشفانی سے اُن مقامات کا دورہ کیا ، جہاں کی کلیسیاؤں میں معتبر بیانات مروج تھے اوران بیانات کی اُن لوگوں کے ذریعہ جو" شروع سے خوددیکھنے والے اورکلام کے خادم" تھے خوب چھان بین کی اورجانچ پڑتال کے بعد ان انجیل نویسوں نے " مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ترتیب" سے لکھیں۔ اُن کو اس بات کا خوب احساس تھاکہ کسی قول یا فعل کو حضرت کلمتہ اللہ کی ذات سے منسوب کردینا بڑی ذمہ داری کا کام ہے جس کو وہ بے باکانہ انجام نہیں دے سکتے ۔ خدا نے ان کی مساعی جمیلہ کو باورکیا۔ اگلے ابواب میں ہم دیکھینگے-----------------۔ کہ ہر انجیل نویس نے مندرجہ بالا دو تحریری ماخذوں کے علاوہ اورایسے ماخذ بھی بہم پہنچائے جو دورِ اوّلین میں معتبر ترین تھے اورجن کا پایہ صحت نہایت مسلم تھا۔ ہر انجیل نویس نے مندرجہ بالا دوتحریری ماخذوں کے علاوہ اورایسے ماخذ بھی بہم پہنچائے جو دورِاوّلین میں معتبر ترین تھے اورجن کا پایہ صحت نہایت مسلم تھا۔ ہر انجیل نویس کے ایسے ماخذ صرف اسی کی انجیل میں پائے جاتے ہیں۔ ہم ان ماخذوں کا مفصل ذکر ہر انجیل کی تالیف کے تحت کرینگے۔

حصّہ دوم

جمع وتالیفِ اناجیل (از ۵۰ئی تا ۶۰ئی)

باب اوّل

انجیل مرقس کی تالیف

فصل اوّل

انجیلِ مرقس کے ماخذ

ہم حصہ اول کے باب پنجم کی پہلی فصل کے شروع میں بزرگ بشپ پے پئس کا ذکرکرآئے ہیں۔ یہ بزرگ فرگیہ کے ہائراپولس(ایشیائے کوچک)کے دوسری صدی کے پہلے نصف میں بشپ تھے اورسمرنا کے بشپ شہدپولی کارپ کے (جومقدس یوحنا کے شاگرد تھے) دوست تھے۔وہ فلپس مبشر کے بیٹیوں سے ملے تھے جن کا ذکر اعمال ۲۱: ۹ میں ہے۔ وہ قیصر M.Aurelius مارکس آریلیس کے زمانہ میں ۱۵۵ئی کے قریب شہید ہوئے ۔ اُنہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام " تفسیر کلماتِ خداوندی" Exposition of the Qneclecs the Lord ہے۔ اس کتاب کے چند حصے مورخ یوسی بیئس کی کتاب " تواریخ کلیسیا" Ecclesiastical History میں پائے جاتے ہیں جو قسطنطین اعظم کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اس میں بشپ پے پئس کی کتاب سے مرقس کی انجیل کی نسبت حسب ذیل اقتباس ہے[1]۔

اور وہ ایلڈر (پرسبٹر یوحنا کے قول کی یہ بشپ نقل کرتے ہیں) یہ کہا کرتے تھے کہ مرقس پطرس کا ترجمان تھا۔ اس نے صحت کے ساتھ جہاں تک اس کو یاد تھا وہ باتیں لکھیں جو سیدنا مسیح نے کہی تھیں یا کی تھیں لیکن ترتیب سے نہیں۔ کیونکہ نہ تو اس نے سیدنا مسیح کی باتوں کو سنا تھا اورنہ وہ سیدنا مسیح کا شاگرد تھا۔ لیکن جیسا میں کہہ چکا ہوں وہ بعد میں پطرس کا شاگرد تھا۔ پطرس حسبِ موقعہ اپنے سامعین کی ضروریات کے مطابق تعلیم دیا کرتا تھا۔ اس کا یہ ارادہ نہ تھا، کہ وہ سیدنا مسیح کے خطبات کو سلسلہ وار ربط دے کر ترتیب سے بیان کرے۔ مرقس نے اُن باتوں کولکھتے وقت جواُس کو یاد تھیں کوئی غلطی نہ کی ۔کیونکہ اس نے ایک بات کی خاص احتیاط کی کہ کوئی چیز جو اس نے

---

[1] Eusebius, Ecclesiastical History Bk.111.39

سنی تھی قلم اندازنہ ہوجائے اورکسی بات میں غلط بیانی نہ ہو"۔

اس اقتباس میں صرف پہلا فقرہ ایلڈرکی زبان کا ہے۔ باقی فقرے بشپ پے پئس کے اپنے ہیں[1]۔

مرقس کی انجیل کی نسبت یہ قدیم ترین روایت ہے اوراس کے بعد کی کلیسیائی روایات بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس انجیل میں مقدس پطرس کی منادی کا نفس مضمون پایا جاتاہے ۔ اعمال کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ کلیسیا کے آغاز ہی سے مقدس مرقس مقدس پطرس کے ساتھی تھے(اعمال ۱: ۱۳) اور۴۴ء سے پہلے پطرس رسول قید خانہ سے رہائی پانے کے بعد مرقس کے گھر میں آئے تھے جہاں ایمانداروں کی جماعت دعا کیا کرتی تھی(اعمال ۱۲: ۱۲)۔ دونوں کا تعلق مدت قائم رہا ۔ (۱پطرس ۵: ۱۳)۔

ایسا معلوم ہوتاہے کہ مقدس مرقس اوراس کا خاندان آنخداوند سے صلیبی واقعہ سے پہلے بھی واقف تھا (مرقس ۱۴: ۱۲تا ۱۶)۔اورخود مقدس مرقس آنخداوند کی صحبت سے فیض یاب ہوچکا تھا اوربعض واقعات کا چشم دید گواہ بھی تھا ۔(مرقس ۱۴: ۱۵، ۵۱، ۵۲)۔ اس کی ماں کا گھر، یروشلیم کے شہر میں ابتدائی شاگردوں اورایمانداروں کے اکٹھے ہونے کی جگہ تھی۔ پس مقدس مرقس کو آنخداوند کے چشم دید گواہوں سے ملنے اوران سے حالات کا پتہ لگانے کے بے شمار موقعے ۳۰ء سے ۴۳ء تک حاصل تھے[2]۔ وہ تین رسولوں کے ساتھی رہ چکے تھے اورآخر تک پولوس رسول کے ساتھ تھے (کلسیوں ۴: ۱۰)۔ آپ برنباس کے رشتے کے بھائی اوراس کے ساتھ تبلیغ کا کام کررہے تھے(اعمال ۱۲: ۲۵، ۱۵: ۳۹) آپ ایمان میں مقدس پطرس کے بیٹے تھے ۔(۱۔پطرس ۵: ۱۳)۔

بشپ پے پئس کی روایت کے الفا" لیکن ترتیب سے نہیں "کا صحیح مطلب کیا ہے؟ اس انجیل کی ترتیب ایسی صحیح ہے کہ جیسا ہم آئندہ ثابت کردینگے ۔ مقدس لوقا، اورمقدس متی اپنی اناجیل کی ترتیب کو اسی انجیل کی ترتیب کی بنا پر رکھتے ہیں۔

[1] A.W.F Blunt, St. Mark (Clarendon Bible 1935) p.27

[2] Ibid.p.65

قرائن سے پته چلتا ہے که مقدس مرقس نے اس ترتیب کو مقدس پطرس سے حاصل کیا تھا کیونکه مقدس پطرس رسول کی یه عادت تھی که آپ واقعات " شروع سے ترتیب وار بیان" کیا کرتے تھے(اعمال ۱۱: ۴، ۱: ۲۱ وغیرہ)۔ پس تینوں اناجیل کی متفقه اندرونی شہادت ان الفاظ کے خلاف ہے۔ممکن ہے که ان الفاظ کا مطلب یه ہو[1] که اس میں تاریخ وار وہ واقعات درج نہیں ہیں جو سیدنا مسیح کی سه ساله خدمت میں یروشلیم میں پیش آئے تھے اورجن میں سے چند ایک کا ذکر چہارم میں پایا جاتا ہے۔

(۲)

پروفیسر برکٹ[2] کہتا ہے که بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے که مقدس مرقس نے پہلی ترتیب وار انجیل کا بیڑا اٹھایا اوراس بات کی پہلے کوشش کی که سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات کو یکجا کرکے لکھے۔ اگریه درست ہے توظاہر[3] ہے که اس انجیل کے ماخذ متفرق قسم کے الگ الگ پارے ہوں گے جو اس انجیل کے لکھے جانے سے بہت پہلے احاطه تحریر میں آچکے تھے۔ اس انجیل کے ماخذ قدیم زبانی بیانات پر ہی مشتمل نه تھے بلکه یه کتاب اُن زبانی بیانات اور تحریری ماخذوں سےبنائی گئی ہے جوسب کے سب ابتدائی درجه اورپایه رکھتے ہیں جن میں بعد کے زمانه کے کلیسیائی رحجانات اوردینا مسائل کے میلانات کا وجود تك نہیں پایا جاتا۔ اس کی بنیاد ارضِ مقدس کی ابتدائی کلیسیا اوراس کا تاردپود عینی شہادت سے بنا ہے جس کا تعلق دورِاوّلین سے ہے۔

ہم حصّہِ اوّل کےباب پنجم کی فصل اوّل میں بتلا چکے ہیں که رساله کلمات جو آنخداوند کے جیتے جی لکھا گیا تھا۔ ابتدائی کلیسیا کے ہاتھوں میں موجود تھا ۔ پس یه رساله مقدس مرقس کا ایك نہایت معتبر ماخذ تھا۔ چنانچه اس رساله کے مضامین اورانجیل دوم کے مضامین کامقابله کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے که مقدس مرقس نے حسب ذیل مقامات اس رساله سے نقل کئے ہیں[4]۔

---

[1] Streetor, Four Gospels p.20
[2] Burkitt, Earliest Sources of the Life of Jesus .p.83
[3] A.W.F. Blunt ,St. Mark, pp.42-43
[4] Bishop Rawlinson's Commentry on Mark. See also Oxford Studies in the Synoptic Problem p.412

(۱۔) ۱: ۴تا ۱۳۔ یہ مقام متی ۳باب ، ۱۴: ۱۱میں اورلوقا ۳: ۱تا ۷ اور۲۱: ۲۲ میں پایا جاتا ہے ۔ اس میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کو احوال اور سیدنا مسیح کی آزمائشوں کا حال موجود ہے۔

(۲۔) ۳: ۲۲تا ۳۰۔ یہ مقام متی ۹: ۳۴، ۱۲: ۲۴تا ۳۷ میں اورلوقا ۱۱: ۱۵تا ۲۶۔ میں پایا جاتا ہے اس میں بعل زبول کا ذکر ہے جس کا مقدس مرقس نے اختصارکیا ہے۔

(۳۔) باب چہارم بالخصوص آیات ۲۱تا ۲۵ جو لوقا ۸: ۱۶تا ۱۸ ۔ ۱۲: ۲، ۶: ۳۸ اورمتی ۵: ۱۵ ، ۱۰: ۲۶، ۷: ۲، ۱۳: ۱۲ میں پائی جاتی ہیں[1]۔

(۴۔)۶: ۷تا ۱۳۔ یہ مقام متی ۱۰: ۱تا ۵، میں اورلوقا ۹: ۱تا ۵، ۱۰: ۴تا ۱۲ میں ملتا ہے جہاں بارہ رسولوں کو ہدایات دی گئی ہیں۔

(۵۔) ۸: ۱۵ جو لوقا ۱۲: ۱ اورمتی ۱۶: ۶ میں پائی جاتی ہیں۔

(۶۔) ۸: ۱۰: ۳۵تا ۴۰۔

(۹۔) ۱۲: ۳۸تا ۴۰جو متی ۲۳: ۱تا ۳۶ میں اورلوقا ۲۰: ۴۵ تا ۴۷ میں ملتا ہے ۔ اس میں فریسیوں پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے ۔

(۱۰۔) ۱۳: ۹تا ۱۳)۔

مذکورہ بالا مقامات کل دس ہیں جہاں علماء کے خیال میں مقدس مرقس نے رسالہ کلمات سے اخذ کئے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے قریباً ساٹھ آیات سے زیادہ نقل نہیں کیں۔ لیکن جب ہم اس انجیل کو پڑھتے ہیں تو ہم کو جابجا اس قسم الفاظ ملتے ہیں" یسوع نے گلیل میں آکر خدا کی خوشخبری کی منادی کی "(۱: ۱۵)۔" وہ عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگا اورلوگ اس کی تعلیم سے حیران ہوئے"(۱: ۲۱) " وہ ان کوکلام سنارہا تھا" (۲: ۲) " بھیڑاُس کے پاس ۔۔۔آئی اوروہ ان کو تعلیم دینے لگا"(۲: ۱۳)" وہ جھیل کے کنارے تعلیم دینے لگا(۴: ۱)۔ " وہ ان کو تمثیلوں میں بہت سی باتیں سکھلانے لگا"(۴: ۳) وہ ان کو بہت سی تمثیلیں دے دے کر اُن کی سمجھ کے مطابق کلام سناتا تھا(۴: ۳۳) وہ چاروں طرف کے گاؤں میں تعلیم دیتا پھرا"(۶: ۶) "وہ اُن کو بہت سی باتوں کی

---

[1] Oxford Studies in the Synoptic Problem pp.xxi 176 & Burney, Poetry of Our Lord p.8 Gores Commentary on N.T.p.39

تعلیم دینے لگا" (۶: ۳۵)۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنخداوند شہروں ، قصبوں اورگاؤں میں " عبادت خانوں میں جھیل کے کنارے غرضیکہ ہر جگہ تعلیم دیتے تھے لیکن اس کے باوجود یہ انجیل نویس آپ کی تعلیم کی کل ساٹھ آیات سےزیادہ نقل نہیں کرتا اور" بہت سی تمثیلوں" میں صرف تین چارتمثیلوں کے ذکر پرہی کفایت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سیدنا مسیح کی دعا کا ذکر بھی نہیں کرتا اورنہ اُس کی انجیل میں سیدنا مسیح کے خصائل مثلاً حلیمی، انکساری اور محبت کے اقوال کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ اُن باتوں کو اہم خیال نہ کرتا ہو۔

اس کی وجہ بجزاس کے اورکچھ نہیں ہوسکتی کہ جب مقدس مرقس نے اپنی انجیل تصنیف کی تو ایمانداروں کے ہاتھوں میں " رسالہ کلمات" موجود تھا۔ پس آپ نے حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کو مفصل نہ لکھا بلکہ مشتے نمونہ ازخروارے آپ کی تعلیم اورتمثیلیں بطورنمونہ درج کریں۔

قریباً تمام علماء اس بات پر متفق ہیں[1] کہ رسالہ کلمات مقدس مرقس کی انجیل سے پہلے لکھا گیا تھا اوریہ قدرتی بات بھی ہے کیونکہ ہرشخص یہ ماننے کو تیارہوگا کہ آنخداوند کی تعلیم پہلے پہل احاطہ تحریر میں آئی ہوگی اوراس کے بعد آپ کی زندگی کے واقعات لکھے گئے ہوں گے۔ چنانچہ ڈاکٹررابنسن Dr.A.T.Robinson کہتاہے کہ مقدس متی نے رسالہ کلمات کو انجیل مرقس کی تصنیف سے کم ازکم بیس سال پہلے لکھا تھا۔ بشپ[2] بلنٹ کہتے ہیں " مرقس کی انجیل غالباً اسی واسطے لکھی گئی تھی تاکہ رسالہ کلمات کا تکملہ ہو جو پہلے سے ایمان داروں کے ہاتھوں موجود تھا اورجس میں صرف تعلیم ہی درج تھی اوریہی وجہ ہے کہ اس انجیل میں بہت کم تعلیم موجود ہے "۔ بشپ گور کی تفسیر میں ہے " جب ہم دیکھتے ہیں کہ رسالہ کلمات میں سیدنا مسیح کے سوانح حیات کم ہیں لیکن آپ کے کلمات نہایت کثرت سے ہیں اورکہ انجیل دوم میں سیدنا مسیح کے کلمات کم ہیں لیکن سوانح حیات بکثرت ہیں توہم قدرتی طورپر اس نتیجہ پرپہنچتے ہیں کہ اس

---

[1]

[2] Burney, Poetry of Our Lord

انجیل کے لکھنے جانے کی اصل غرض یہ تھی کہ وہ رسالہ کلمات کی کمی پورا کرے۔ پس مقدس مرقس سیدنا مسیح کی خدمت کے ابتدائی واقعات کا مجمل ذکر کرکے ان نئی باتوں کا مفصل ذکر کرتا ہے جو رسالہ کلمات میں نہیں تھیں[1]"۔

گوگیل کہتا ہے " مقدس مرقس رسالہ کلمات سے واقف تھا اوراس نے اس کا استعمال نہایت احتیاط اورشعور کے ساتھ کیا۔ یہ رسالہ کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو کسی پلان کے مطابق لکھی گئی ہو بلکہ وہ صرف کلمات کا مجموعہ تھا جو نہایت قدیم تھا۔ مرقس نے بڑی کفایت سے اس کو استعمال کیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ مجموعہ اُن لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، جن کے لئے اس نے اپنی انجیل لکھی[2]"۔

ڈاکٹر میکن ٹاش کے الفاظ بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں[3]" مقدس مرقس نے صرف سیدنا مسیح کے چند اقوال کا ہی ذکر کرتا ہے کیونکہ اُس کا مقصد یہ نہ تھا کہ وہ آپ کے تمام اقوال کو لکھے۔ وہ لوگوں کو دوبارہ وہی باتیں بتلانا نہیں چاہتا تھا جن سے وہ پہلے ہی واقف تھے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اپنی انجیل لکھ رہا تھا تو اس کے سامنے آنخداوند کے اقوال کا مجموعہ رسالہ کلمات موجود تھا۔

(۳)

" رسالہ کلمات" کے علاوہ مرقس نے دیگر چھوٹے چھوٹے پارے اپنی انجیل میں استعمال کئے ہیں۔ چنانچہ بشپ بلنٹ کہتے ہیں " ممکن ہے کہ اس انجیل کی بعض کہانیاں تحریری شکل میں پہلے موجود تھیں گویہ اغلب نہیں کہ اس انجیل کا اکثر حصہ یا سب کے سب حصے احاطہ تحریر میں آچکے تھے[4]۔ بشپ رابنس کہتے ہیں کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے اورہیرودیس کا واقعہ (۶: ۱۷تا ۲۹) مقدس پطرس سے حاصل نہیں کیا گیا بلکہ یہ بیان مقامی روایت کا درجہ رکھتا ہے۔

---

[1] Gore's one Vol.Commentry N.T.p.39

[2] M.Goguel, Jesus the Nazarene Myth or History (1926) pp 179-180

[3] H.R.Mackintosh, in Exp.Time Vol.XV.No.8 pp 356 ff

[4] Blunt,St.Mark p.42

(۲۔) آرچ ڈیکن بکلے کہتے ہیں[1]۔ کہ اس انجیل میں دو واقعات ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کے دوبیان موجودہیں۔ پہلا وقعہ پانچ ہزار اور چار ہزار کو کھانا کھلانے کا واقعہ ہے (۶: ۳۰تا ۴۴، ۸: ۱تا ۱۰)۔ دوسرا سیدنا مسیح کا قول جو ۹: ۳۵ دین ہے۔ اور ۱۰: ۴۳ تا ۴۴ میں دہرایا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ انجیل نویس کے سامنے دوتحریری ماخذ تھے جن سے یہ دو مختلف بیانات ماخذ کئے گئے ہیں۔ مقدس مرقس نے دونوں بیانات کو اپنی انجیل میں لکھ لیا کیونکہ یہ بیانات آپ تک پہنچے تھے۔ آپ ان خاص واقعات کے چشم دید گواہ نہیں تھے ۔ پس آپ نے ایمان داری کے ساتھ اپنے تحریری ماخذوں کو اپنی انجیل میں نقل کرلیا۔

(۳۔) پادری کیڈاؤ A.T.Cadou کے خیال میں اس انجیل کے ۱۴باب کی تین آیات ۱۰ ، ۲۰، ۴۳ کے تین مختلف ماخذ ہیں اور ۸: ۳۱، ۹: ۳۱، ۱۰: ۳۳تا ۳۴ کے بھی الگ الگ ماخذہیں اوریہی وجہ ہے کہ ان آیات کی پیشین گوئیوں کے الفاظ میں اختلاف ہے۔

(۴) ایلبرٹز Albertz کے خیال میں مقدس مرقس نے انجیل کے لکھے جانے سے پہلے ایسے واقعات احاطہ تحریر میں آچکے تھے جن میں یہ پایا جاتا تھاکہ اہلِ یہود میں اورآنخداوند میں تصادم اورآویزش ہوئی تھی[2]۔ اوریہ واقعات اس واسطے لکھے گئے تھے تاکہ جب ابتدائی ایام میں کلیسیا اوریہود میں باہمی تکرار اور تصادم ہوا تویہ مقامات کلیسیا کے وطیرہ کےلئے چراغ ہدایت ہوں۔ کیونکہ جو مشکلات کلیسیا کے سامنے تھیں ، وہی آنخداوند کے پیش آئی تھیں۔ پس مقدس مرقس نے ان واقعات کوجو پہلے سے احاطہ تحریر میں موجود تھے اپنی انجیل میں شامل کرلیا(مرقس از۲باب تا ۳: ۶، ۱۱: ۱۵تا ۱۲: ۴۰)۔ ایلبرٹز کا یہ خیال درست بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقامات مقدس مرقس نے خود نہیں لکھے تھے بلکہ وہ پہلے ہی سے لکھے ہوئے تھے اورکلیسیا میں مروج تھے کیونکہ (مرقس ۳: ۶) جیسی آیت انجیل کے شروع میں ہی ہے اوراس کے

---

[1] Archdeacon Buckely, “The Sources of the Passion Narratives in St.Mark Gospel in J.T.S April 1933. Also A.T. Cadoux in the Sources of the Second Gospel.

[2] Vincent, Taylor Formation of Gospel Tradtion p.16.

بعد ہلاک کرنے کی کوشش کا ذکر نہیں آتا ۔یہ ظاہر ہے کہ آیت ۳: ۶ کا اس جگہ نقل کیا جانا قدرتی بات نظر نہیں آتی[1] ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس قدیم تحریری پارے کی آخری آیت تھی جو مقدس مرقس نے نقل کیا تھا اوریہی وجہ ہے کہ وہ آیت اس مقام میں موجود ہے۔

ایک اورامر قابلِ غور ہے کہ مذکورہ بالا مقامات میں خطاب "ابنِ آدم" دو دفعہ وارد ہوا ہے لیکن اس کے ۸: ۲۹ سے پہلے کسی جگہ بھی یہ خطاب وارد نہیں ہوا اور۸: ۲۹ کے بعد یہ خطاب آنخداوند کے ساتھ ۱۲مقامات میں آیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی یہ ظاہر ہے کہ یہ مقامات انجیل کے لکھے جانے سے پہلے ہی پاروں میں لکھے ہوئے موجود تھے جن کو مقدس مرقس نے اپنی انجیل میں نقل کرلیا۔ ورنہ اگر وہ خود ان مقامات کو لکھتے تو وہ " ابنِ آدم" نہ لکھتے۔ پس ایلبرٹز کا کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامات کسی معلم نے پہلے ہی کسی پارے میں لکھے تھے۔ یہ معلم اس اختلاف کی مثالیں دینا چاہتا تھا جوآنخداوند اوریہود کے درمیان تھا اورروزبروز بڑھتا ہی چلا جاتا تھا۔ اگرہم اس عالم کا یہ نظریہ تسلیم کرلیں تو ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ خطاب " ابنِ آدم" اس مقام میں وقت سے پیشترکیوں وارد ہوا ہے اورآخری آیت" پھر فریسی ۔۔۔ہلاک کریں " وقت سے پیشتر یہاں کیوں لکھی گئی۔پس سیدنا مسیح کی سہ سالہ خدمت کے بیان کے لئے مقدس مرقس نے اس جماعت کے زبانی اورتحریری بیانات کی طرف رجوع کیا جو" یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر سیدنا مسیح کے اٹھائے جانے تک برابر اس کے ساتھ رہے "(اعمال ۱: ۲۱)۔انجیل کا سطحی مطالعہ غبی سے غبی شخص پربھی ۔۔۔ یہ ظاہرکردیتا ہے کہ جو واقعات اس میں بیان کئے گئے ہیں اس کے ڈراما کے سین ، ہیرو، اداکارسب کے سب چلتے پھرتے اورزندہ متحرک شخصیتیں ہیں جن کے اصل ہونے میں کوئی جنونی ہی شبہ کرسکتا ہے۔ پس اس انجیل کے شروع سے گیارہ باب تک کے واقعات آنخداوند کی سہ سالہ خدمت کے چند سین ہیں جن کے بتلانے والے وہ لوگ تھے جو شروع سےخود یکھنے والے تھے" اورجو" برابر سیدنا مسیح کے ساتھ رہے" یعنی " جتنے عرصہ تک سیدنا

[1] Ibid p.176

مسیح اُن کے ساتھ آتے جاتے رہے یعنی یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر آپ کے اٹھائے جانے تک جوبرابر ساتھ رہے"(اعمال ۱: ۲۱)۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجیل کا شروع یوحنا کے بپتسمہ سے ہوتا ہے اوراگراس کے اوراق ۱۶: ۸ کے بعد ضائع نہ ہوجاتے تواُن میں قیامتِ مسیح کے بعد صعودِ آسمانی کا بھی ذکر پایا جاتا۔ ان واقعات کو انجیل نویس نے " ترتیب واربیان " کیا۔ ان کا شروع قدرتی طور پر گلیل میں منادی ہے (۱: ۱۴) اس کے بعد کفرنحوم میں منادی (۱: ۱۶تا ۳۹) فریسیوں سے تصادم (باب ۲، ۳) ۔ رسولوں کا تبلیغی دورہ (۶: ۷) پانچ ہزار کو کھانا کھلانا (۶: ۳۱) صور کی سرحدوں سے نکل کر صیدا کی راہ سے دکپلس کی سرحدوں سے ہوتے ہوئے گلیل کو جانا(۷: ۳۱)بیت صیدا کی جانب سفر کرنا اور قیصریہ فلپی (۸: ۲۷) جانا اوریروشلیم کو روانگی(۱۰: ۳۲) یہ تمام واقعات ایک قدرتی ترتیب میں مرتب ہوجاتے ہیں ۔

(۵۔) نوے (۹۰) سال کا عرصہ ہوا چند علماء نے یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ اس انجیل کے ۱۳باب میں آنخداوند کے خطبہ کی بناء پر ایک دوورقہ گشتی اشتہار تھا جو ابتدائی کلیسیا میں مروج تھا ۔ اب تمام علماء کےنزدیک یہ نظریہ مسلم ہے[1]۔

یہ اشتہارکسی قدیم یہودی مسیحی نے زمانہ کی نازک حالت کو دیکھ کر مسیحی کلیسیا کے لئے قدیم یہودی مکاشفات کی کتابوں کی طرز کی تقلید کرکے لکھا تھا جس میں اس نے سیدنا مسیح کے بعض کلمات بھی شامل کرلئے تھے۔ مقدس مرقس نے اس گشتی اشتہار میں آنخداوند کے دیگر کے دیگر اقوال کو ایزاد کرکے ۱۳باب کا خطبہ مرتب کیا ۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ۱۳باب میں سیدنا مسیح کے اقوال کون کون سے ہیں۔ لیکن بالعموم وہ اس امر پر متفق ہیں کہ اس باب میں آپ کے اقوال موجود ہیں۔اگر چہ وہ دیگر روایات میں شامل کئے گئے ہیں جن کی بناء قدیم کلیسیا کے حالات اورخیالات ہیں۔ اس باب میں آنخداوند کے اقوال زریں کو حالات زمانہ کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تمام ایزادیاں ہم کوکم وبیش معلوم ہوسکتی ہیں کیونکہ ہم کواس بات کا علم ہے کہ مقدس مرقس نے اپنے ماخذوں کو کس

---

[1] Moffat Itrood, to the Lite of N.T.(1918)p.209

طرح استعمال کرکے اُن کے الفاظ کو ترتیب دیتا ہے۔ نہ صرف ہم کو مقدس مرقس کے طریقے کارکا علم ہے بلکہ ہم ابتدائی کلیسیا کے قدیم خیالات اورحالات سے بھی واقف ہیں جن کا عکس ہم کو ۱۳باب میں ملتا ہے۔ ان سے ظاہر ہے کہ ابتدائی کلیسیا کے شرکا آنخداوند کی آمد کا نہایت شوق کے ساتھ انتظارکرتے تھے۔ انکا یہ خیال تھاکہ موجودہ نسل کے ختم ہونے سے پہلے آپ الہیٰ جلال کے ساتھ بادلوں پر آئینگے اورچاروں طرف سے ایمان داروں کو جمع کرینگے(آیت ۲۶، ۲۷، ۳۰، ۳۳)۔ اس امر کی باربار نصحیت اورآگاہی دی جاتی ہے (آیت ۵، ۹، ۲۳، ۳۲، ۳۵، ۳۷ گو اس باب میں مدت کا تقررنہیں کیا گیا۔

مقدس مرقس کے طریقہ کار سے جس سے وہ اپنے ماخذوں سے انجیل کو مرتب کرتا ہے عیاں ہے کہ وہ اُن کو قریباً لفظ بلفظ نقل کرتا ہے۔ اُس کی تخلیقی قوت بہت کم ہے لیکن وہ محتاط اوراعتدال پسند مولف تھا۔ یہ باتیں اس کی انجیل سےثابت ہیں۔ اگروہ ۱۳باب کو شروع سے آخرتک خود لکھتا تو ۱۳باب اختلاف سے پاک ہوتا۔ مثلاً اس باب کے شروع میں سوال یروشلیم کی ہیکل کی تباہی اوراس کے وقت اورنشان کے متعلق ہے(آیات ۱، ۴)لیکن جواب میں ان سوالات کو نظر انداز کردیا گیا ہے اوروہ غیر متعلقہ امورپر مشتمل ہے جس میں مخالفِ مسیح اورابنِ آدم کی آمد کا ذکر ہے۔[1]

شاگردوں نے توآنخداوند سے سوال یہ کیا تھا" ہمیں بتا کہ یہ باتیں (یروشلیم کی تباہی) کب ہونگی"(۱۳: ۴) لیکن آنخداوند ہیکل کی تباہی کے سوال کا جواب دینے کی بجائے دنیا کے آخر کے سوال پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اورعجیب بات یہ ہے کہ ہیکل کی تباہی کا ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ اس سوال کو نظر انداز کرکے ہیکل کے ناپاک ہونے کا ذکر فرماتے ہیں[2]۔

ایک اور امر قابل ذکر ہے : (۱۔) آیات ۹ تا ۱۳ میں مقدس مرقس کلیسیا کو تسلی دیتا ہے کہ گوزمانہ کے حالات کلیسیا کے حق میں نہایت نازک ہیں تاہم مسیحیوں کو حوصلہ رکھنا چاہیے کیونکہ آنخداوند نے پہلے ہی ان خطرات

---

[1] Vincent Taylor, The Apoalyptic Discourse of Mark X111, Exp. Times Jan1949

[2] Charles Eschatology (2nd ed.1913) p77

کو بھانپ لیا تھا اوران ایذاؤں کو جان لیا تھا جو کلیسیا کے درپیش ہیں اورسیدنا مسیح اپنی آمد سے ان کی مدد کریں گے۔

(۲۔) آیات ۱۴تا ۲۳ میں " اجاڑنے والی مکرہ چیز" کا ذکر ہے جس کا ذکر بعد میں کیا جائیگا۔ ان آیات میں اس سوال کا جواب ہے جو آیات ۱تا ۴ میں پوچھا گیا تھا۔

(۳۔) آیات ۵ تا ۱۸ اور۲۴، ۲۷ اُس گشتی اشتہار کا حصہ ہیں جس میں زمانہ کی نازک حالت اوراُن آفات کا ذکر ہے جو کلیسیا کے سامنے درپیش تھیں ۔ پس مقدس مرقس کے طریق عمل سے اس اشتہار کے الفاظ وخیالات کو آنخداوند کے اقوال وتصورات سے الگ کرکے معلوم کرسکتے ہیں کہ آنخداوند کے اقول کون سے تھے اوراس اشتہار کے الفاظ کیا تھے۔ یوں دونوں میں تمیز کرکے حضرت کلمتہ اللہ کے کلمات بابرکات کا پتہ لگاسکتے ہیں جو ۱۳ابواب کا ماخذ ہیں۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ اس باب کی پہلی چھ آیات اورآیات ۹تا ۱۳، ۱۵ تا ۱۶ ، ۲۱، ۲۳، ۲۸تا ۲۹ اورآیات ۳۲ تا ۳۷ رسالہ کلمات سے ماخوذ کی گئی ہیں۔

(۴)

ہم حصہ اول کے باب سوم میں بتلاچکے ہیں کہ قدیم کلیسیا میں آنخداوند کے صلیبی واقعہ کے بیانات تحریری شکل میں مروج تھے جن کو کلیسیا کے معلموں نے چشم دید گواہوں سے حاصل کیا تھا ۔ مقدس مرقس کی انجیل میں صلیبی واقعہ کا ذکر اس تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے اس کا بہت بڑا حصہ صرف اسی ایک واقعہ کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس واقعہ کا ذکر آٹھویں باب کے درمیان سے شروع ہوتا ہے اورانجیل کے آخر تک مسلسل چلا جاتا ہے۔

انجیل دوم کے پڑھنے والوں نے منجئی عالمین کی گرفتاری کے بیان میں ایک آیت کا ملاحظہ کیا ہوگا جس میں لکھا ہے کہ تمام شاگرد آپ " چھوڑکربھا گئے" مگرایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادراوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔ اسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ اپنی چادرچھوڑکربھاگ گیا" (۱۴: ۵۱)۔یہ آیت بظاہر بے جوڑ اور واقعات کے سلسلہ سے بے تعلق معلوم ہوتی ہے ۔ جس کی وجہ سے اناجیل اوّل وسوم کے مولفوں نے اس کو نقل نہیں کیا لیکن ماخذوں کے معلوم

کرنے میں یہ آیت بڑے کام کی ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مقدس مرقس آپ بیتی بیان کررہے ہیں۔یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ انجیل نویس خود اس رات کے تمام واقعات کے چشم دید گواہ تھے اورجب باغ گتسمنی میں مقدس پطرس ، یعقوب اوریوحنا رسول سورہے تھے(۱۴: ۳۷) تو مقدس مرقس کے کان اورآنکھیں کھلی تھیں اورآپ خود منجئی عالمین کی حالت اوردعا کو دیکھ اورسن رہے تھے۔ جس " بالا خانہ " میں منجئی جہان نے آخری کھانا کھایا وہ مقدس مرقس کا ہی گھر تھا(اعمال ۱: ۱۲، ۲: ۱۲)۔ مقدس مرقس نے اس آخری ہفتہ میں ربنا المسیح کے ہروقت کے ساتھی تھے اوراس ہفتہ کے تمام واقعات کے خود چشم دید گواہ تھے ۔ جبھی آپ کی انجیل میں اس ایک ہفتہ کےواقعات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں ایسا کہ انجیل کا یہ حصہ ایک روزنامچہ ہوگیا ہے۔ جس میں کھجورکے اتوارسے لے کرعیدِ قیامت تک کے ہر روزکے چشم دید واقعات کا مفصل ذکر موجود ہے۔

مقدس مرقس نے ایک محتاط مولف کی طرح صرف اپنے چشم دید واقعات پرہی انحصارنہ کیا بلکہ قدیم ایام کے تحریری بیانات سے بھی مدد لی۔ چنانچہ آرچڈیکن بکلے کے خیال میں مقدس مرقس نے باب ۱۴: ۱تا ۱۶: ۸ میں صلیبی واقعہ کو بیا ن کرنے میں دوماخذوں سے کام لیا ہے۔چنانچہ یہ صاحب ان ابواب کو ذیل کے حصوں میں تقسیم کرکے ان کے ماخذ بتلاتے ہیں[1]:

(۱۔) باب ۱۴۔آیات ۱تا ۳۳ (الف)۔

پہلا ماخذ۔آیات ۱، ۲، ۱۰، ۱۱، ۱۷- ۲۱، ۲۷، ۳۲

دوسرا ماخذ۔آیات ۳ تا ۹ ، ۱۲، ۲۲، ۲۶۔

اگر ان صاحب کی یہ تقسیم درست ہے تو ۱۴: ۱۷ کے الفاظ " جب شام ہوئی " سے مراد وہ تاریخ ہے جس کا ذکرپہلی آیت میں ہے" دو دن کے بعد عید فطیر ہونے والی تھی" اوریوں یہ تاریخ بعینہ وہی ہوجاتی ہے جو مقدس یوحنا کی انجیل میں ہے۔ ان دونوں انجیلوں میں کوئی تضادنہیں رہتا اس سے یہ بھی پتہ چل جاتاہے کہ پہلے ماخذ کے مطابق

---

[1] Ven. E.R.Burkley, “The Sources of Passion Narratives in St.Mark’s Gospel in J.T.S1933 pp.138 ff.

مقدس پطرس کے انکار کا ذکر فسح کے کھانے کے کمرہ میں ہوا تھا نہ کہ گتسمنی باغ کو جاتے وقت۔ اوریہی مقدس لوقا اورمقدس یوحنا کہتے ہیں۔ پس یہاں بھی یہ تناقص دور ہوجاتا ہے ۔ علاوہ ازیں اس ماخذ کے مطابق عشائے ربانی کی رسم اس فسح کے کھانے پر مقرر نہیں ہوئی تھی اوریہی مقدس یوحنا کا بیان ہے۔اس کے علاوہ اس ماخذ کے مطابق سردار کاہن آنخداوند کو اپنے پہلے ارادہ کے مطابق عید کے دوران میں گرفتار نہیں کرتے اوریوں ایک اوراختلاف دُورہوجاتا ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے ماخذوں کی یہ تقسیم درست معلوم ہوتی ہے۔

ایک اورامر قابلِ ذکر ہے کہ پہلے ماخذ میں رسولوں کے لئے لفظ" بارہ" تین جگہ استعمال ہوا ہے لیکن لفظ " شاگرد" کا استعمال اس ماخذ میں نہیں ہوا۔ لیکن دوسرے ماخذ میں لفظ " شاگرد" چاردفعہ استعمال ہوا ہے لیکن لفظ " بارہ" ایک دفعہ بھی مستعمل نہیں ہوا۔

(۲۔)باب ۱۴۔آیت ۳۲ (ب) تا ۵۳ میں آنخداوند کی جان کنی اورگرفتاری کے دوبیان ہیں :

پہلا ماخذ۔ آیات ۳۳، ۳۴، ۴۰، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۴۸تا ۵۰۔

دوسرا ماخذ۔آیات ۳۲ (ب)۳۳(ب)، ۳۷تا ۳۹، ۴۱، ۴۲، ۴۴، ۴۷،آیات ۵۱ ، ۵۲، مولف کی ہیں۔

(۳۔) باب ۱۴۔ آیات ۵۳، ۵۴، ۵۷، ۵۸،(۶۱) (الف)،۶۵، ۶۸، (ب)تا ۷۲۔

دوسرا ماخذ۔ آیات ۵۵، ۵۶، ۶۱(ب)تا ۶۴، ۶۶تا ۶۸(الف)۔

پہلے ماخذ میں آنخداوند کے خلاف یہ الزام ہے کہ آپ ہیکل کو تباہ کردینگے۔ دوسرے ماخذمیں الزام یہ ہے کہ آپ مسیحائی کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ پہلے ماخذ کے مطابق مقدس پطرس دو دفعہ اوردوسرے ماخذ کے مطابق ایک دفعہ آنخداوند کا انکارکرتا ہے پہلے ماخذ کے مطابق آنخداوند الزام کا جواب نہیں دیتے لیکن دوسرے کے مطابق آپ جواب دیتے ہیں۔ آیت ۵۴ میں مقدس پطرس " دیوان خانے کے اندر" ہے۔ لیکن آیت ۶۶میں وہ "نیچے صحن " میں ہے۔اگر دونوں بیانات کو الگ الگ کرکے دونوں کو مسلسل پڑھا جائے تو یہ ظاہر

ہوجاتا ہے کہ وہ دو جدا ہیں جن کو مقدس مرقس نے یک ترتیب دے کر مرتب کیا ہے۔

(۴۔) باب ۱۵تا ۱۶: ۸ آیت میں بھی دونوں بیانات ہیں:

پہلا ماخذ ۔ ۱۵: ۳تا ۵ ، ۷تا ۸، ۱۵، ۲۴، ۲۷، ۲۹تا ۳۰، ۳۲(ب)۳۹، ۲۴تا ۲۷، ۴۷، ۱۶: ۲تا ۴، ۸۔

دوسرا ماخذ ۔ ۱۵: ۲، ۶، ۹تا ۱۴، ۱۶تا ۲۰(الف) ۲۲، ۲۵، ۳۱ تا ۳۲(الف)۳۳تا ۳۶، ۱۶: ۱، ۵تا ۷۔

یہ دو تحریری ماخذ مقدس مرقس کے سامنے موجود تھے جب آپ نے انجیل تالیف کی ۔ پس مسیح کی زندگی کے واقعات کا قدیم ترین حصہ صلیبی واقعہ کے بیانات پر مشتمل تھا جو انجیل دوم میں ہیں۔ کیونکہ اس واقعہ کی ابتدا ہی سے منادی کی جاتی تھی اورمعلم ثابت کرتے تھے کہ عہد عتیق کے مطابق مسیح موعود کا مرنا ضرور تھا۔ یہ تحریری ماخذ چشم دید گواہوں کے مشاہدات تھے اورآخری ہفتہ کے واقعات بھی چشم دید گواہوں کے بیانات تھے[1]۔ علاوہ ازیں مقدس مرقس خود ان واقعات میں سے بعض کے چشم دید گواہ تھے(۱۴: ۵۱، ۵۲)۔

(۵)

مرقس ۱۲: ۱۵میں سیدنا مسیح فریسیوں اورہیرودیوں کو فرماتے ہیں " میرے پاس ایک دینار لاؤ تاکہ میں دیکھو" یہ الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ سیدنا مسیح ہیکل کے اس حصہ میں تعلیم دے رہے تھے جو" غیر اقوام کا صحن" کہلاتا تھا کیونکہ ہیکل کے اندرونی صحنوں میں رُومی سکوں کا لانا ممنوع تھا کیونکہ اُن پر قیصر کا بُت ہوتا تھا۔ یہ تفصیل ثابت کرتی ہے کہ یہ بیان کسی چشم دید گواہ کا ہے۔

(۶)

جب ہم مختلف ماخذوں پر(جن کا ذکر اس فصل میں کیا گیا ہے) غور کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ مقدس پطرس ہی صرف اکیلا واحد شخص نہ تھا جس سے مقدس مرقس نے استفادہ حاصل کیا تھا بلکہ مقدس پطرس کے علاوہ آپ نے دیگر ماخذوں سے بھی استفادہ کیا ہے اورکہ مقدس پطرس اس انجیل کے سب سے بڑے ماخذ نہیں ہیں۔

[1] F.C.Burkitt,J.T.S for April 1935 pp.186-188

چنانچه اس انجیل میں بمشکل کوئی ایسا مقام ہوگا جس کا تعلق اس رسول کے ساتھ ہو اورجس کا ذکر انجیل نویسوں نہ کیا ہو۔ علاوہ ازیں جس کسی نے انجیل دوم کو سطحی طورپر بھی پڑھا ہے اس پر یہ ظاہر ہے کہ " قیصریہ فلپی کے علاقہ" میں مقدس پطرس نے جو آنخداوند کی مسیحائی کا اقرارکیا تھا (متی ۱۶: ۱۳تا ۲۴) وہ اس انجیل میں درج نہیں حالانکہ اس کا تعلق مقدس پطرس کی ذات سے خاص طورپر وابستہ ہے۔ اسی طرح لوقا ۵: ۱تا ۱۰ کا واقعہ انجیل مرقس میں نہیں پایا جاتا جس کا تعلق خاص طورپر مقدس پطرس کی زندگی کے ساتھ ہے۔مزید براں جب ہم انجیل اول ودوم کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہوجاتاہے کہ مقدس متی کی انجیل میں مقدس پطرس کو جوجگہ حاصل ہے وہ مقدس مرقس کی انجیل میں نہیں ہے مثلاً متی ۱۰: ۱، مرقس ۳: ۱۵، متی ۱۴: ۲۲تا ۳۳، مرقس ۶: ۴۸تا ۵۲، متی ۱۵: ۵، مرقس ۷: ۱۶، متی ۱۷: ۲۴، ۱۸: ۲۱، وغیرہ ۔ آخری دو مقامات کا ذکر مقدس مرقس نہیں کرتے ۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ اس انجیل میں مقدس پطرس جا بجا ملامت کا نشانہ ہیں۔(۸: ۳۳، ۱۰: ۲۸، ۱۴: ۲۹، ۳۷، ۶۶)۔لہذا آپ کا اس انجیل سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا لیکن مقدس پطرس کو ان باتوں کے بتلانے میں کسی قسم کی طبیعت کی ہچکچاہٹ نہیں ہوسکتی تھی۔ عید پینتی کوست کے بعد آپ کی خصلت اور طبیعت کی افتادہ بالکل بدل چکی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ گو مقدس پطرس سیدنا مسیح کی ماں اوربھائیوں سے واقف تھے لیکن انجیل دوم میں سوائے ان رشتہ داروں کے غیر ہمدردانہ رویہ کے ان کا ذکر نہیں ملتا اورنہ مقدس یوسف کا نام پایا جاتا ہے۔ اس قسم کی باتوں سے ظاہر ہے کہ مقدس پطرس انجیل دوم کے واحد گواہ نہ تھے۔ بلکہ مقدس مرقس نے رسول کے علاوہ دیگر ماخذوں کا بھی استعمال کیا تھا۔

بشپ پے پئس کے قول میں لفظ" ترجمان" کا کیا مطلب ہے؟ بعض اس لفظ" مترجم" مراد لیتے ہیں لیکن یہ بات درست نہیں ہوسکتی۔ جائے حیرت ہے کہ پینتی کوست کے

روز مقدس پطرس کو غیر زبانیں بولنے کی بخشش عطا ہوئی اورپھر آپ کو ترجمہ کرنے کے لئے مقدس مرقس کی ضرور پڑے۔ علاوہ ازیں مقدس پطرس کے پہلے خط کی یونانی انجیل دوم کی یونانی سے بہت بلند ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یونانی زبان مشرقی ممالک میں بولی اورسمجھی جاتی تھی اورکوئی وجہ معلوم نہیں دیتی کہ مقدس مرقس اس زبان کو پطرس رسول سے بہتر جانتا ہو۔کیونکہ اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ پطرس رسول غیر یہود کے سامنے یونانی زبان میں خود بلاتوسط غیرے منادی کیا کرتے تھے(اعمال ۱۰: ۳۴تا آخر وغیرہ)۔ یہ بات بھی معقول نظرنہیں آتی کہ مقدس پطرس کو مغربی ممالک یا روم کے شہر میں اپنی تقریر کا لاطینی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی اوراس بات کو ماننے کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں کہ مقدس مرقس لاطینی زبان میں رسول کی تقریروں کا ترجمہ کیا کرتے تھے۔ تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ روم میں مسیحیت زیادہ ترنچلے طبقہ تک ہی محدود تھی اوریہ لوگ یا تویونانی تھے اوریا مشرق کے رہنے والے تھے جو یونانیت کے رنگ میں رنگے تھے اورسب کے سب یونانی جانتے تھے اوراغلب یہی ہے کہ وہ لاطینی سے بہت کم واقف تھے ۔ پس بشپ پے پئس کی لفظ" ترجمان" سے مراد " خادم" ہوگی کیونکہ اعمال میں مقدس مرقس کی پولوس رسول اورمقدس برنباس کا " خادم" کہا گیا (۱۳: ۵، ۲تیمتھیس ۴: ۱۱)۔

پروفیسر بیکن کہتاہے[1]" پے پئس کی روایت سے اثر پذیر ہوکر لوگ اس قدرمسحورہوچکے ہیں کہ کسی کو یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں ہوتا کہ انجیل مرقس میں پطرس رسول کا خاص طورپر ذکر اورلحاظ موجود ہے"۔ پروفیسر برکٹ بھی کہتے ہیں[2]" اس میں کچھ شک نہیں کہ مقدس مرقس نے مقدس پطرس سےبہت کچھ مسالہ جمع کیا ہوگا۔ لیکن ہم کو اس نظریہ کے لئے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اس انجیل کا خاکہ اورڈھانچہ مقدس پطرس کا ہے"۔

پس گو انجیل مرقس کی اندرونی شہادت قدیم کلیسیائی روایت اوربشپ پے پئس کی شہادت کی ایک گونہ تصدیق

[1] Bacon, Beginnings p.XXV.
[2] F.C.Burkitt, The Earliest Sources for the Life of Jesus(1910) pp.93-94

کرتی ہے لیکن اس اندرونی شہادت سے یہ پتہ بھی چل جاتا ہے کہ مقدس مرقس نے مقدس پطرس کے علاوہ دیگر تحریری ذرائع سے بھی فائدہ اٹھاکر اپنے ماخذوں کو ایک جگہ جمع کرکے انجیل کو تالیف کیا تھا اور مختلف قسم کے بیانات کو ترتیب دے کر انجیل کو مرتب کیا تھا۔

فصل دوم

انجیلِ مرقس کی خصوصیات

مقدس متی کی انجیل سیدنا مسیح کی پیدائش سے شروع ہوتی ہے (۱: ۱۸) مقدس لوقا کی انجیل اس سے پہلے کے واقعہ یعنی حضرت یوحنا اصطباغی کی پیدائش کی پیش خبری سے شروع ہوتی ہے (۱: ۵) مقدس یوحنا کی انجیل تمام زمانوں سے بھی پہلے شروع ہوتی ہے " جب ابتدا میں کلام تھا"(۱: ۱) لیکن مقدس مرقس اپنی انجیل کو حضرت یوحنا اصطباغی کی منادی اوربپتسمہ سے شروع کرکے اُس میں سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت تک کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔

اناجیل اربعہ کی یہ ترتیب نہایت معنی خیز ہے کیونکہ اس سے ہم کو یہ پتہ چلتا ہے کہ انجیل مرقس کلیسیا کی تاریخ کے اُن ابتدائی ایام میں لکھی گئی جب رسالت کا معیار یہ تھا کہ رسول ان تمام واقعات کا چشم دید گواہ ہو۔ چنانچہ یہودا غدا کے عوض بارھویں رسول کے تقرر کے موقعہ پر مقدس پطرس کہتے ہیں " اے بھائیو! جتنے عرصہ تک سیدنا مسیح ہمارے آتے جاتے یعنی یوحنا کے بپتسمہ سے لے کر مولا کے آسمان پر تشریف لے جانے تک جو برابر ہمارے ساتھ رہے۔ چاہیے کہ ان میں سے ایک مرد ہمارے ساتھ اس کے جی اٹھنے کا گواہ بنے"(اعمال ۱: ۲۱تا ۲۲)مقدس مرقس کی انجیل بعینہ اس عرصہ کے واقعات پر مشتمل ہے اوراس میں صرف انہی باتوں کا ذکر ہے جن کی منادی رسولی زمانہ کے ابتدائی دورمیں دوزادہ رسول کیا کرتے تھے۔

ہم حصہ اوّل کے بابِ سوم میں ذکر کرچکے ہیں کہ ابتدائی ایام میں " یہ منادی" مسیحیت کے بنیادی اصولوں پر مشتمل تھی۔ یہ منادی" نیو" تھی جس پر مسیحی معلم " دانا معماروں کی طرح عمارت اٹھاتے تھے "(۱۔کرنتھیوں۳: ۱۰)ہم

نے اس باب میں اس " منادی " کے مضمون پر بحث کرکے بتلایا تھاکہ اس میں جتنے عرصہ تک سیدنا مسیح ہمارے ساتھ آتے جاتے رہے " یعنی یوحنا کے بپتسمہ سے لے کرآپ کے ہمارے پاس سے اٹھائے جانے تک " (اعمال۱: ۲۱) کے واقعات کا مسلسل ذکر تھا۔

انجیل مرقس کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتاہے کہ اس انجیل میں " منادی" کے اُنہی حصوں کا ذکر ہے جن کا خلاصہ مذکورہ بالاآیات میں ہے یعنی اُن تاریخی واقعات کا ہی ذکر ہے جو" منادی" کے جزو اعظم تھے۔ان مقامات کا غائر مطالعہ یہ بھی ظاہر کردیتا ہے کہ ان تواریخی واقعات کو" منادی" کے سیاق وسباق میں ہی مرتب کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس انجیل کی پہلی آیت ہے" یسوع مسیح ابنِ خدا کی خوشخبری کا شروع"۔ پھر نئے دورکاآغاز، یوحنا بپتسمہ دینے والے کی منادی سیدنا مسیح کا بپتسمہ سے ممسوح ہوکر خدا کی بادشاہی کی گلیل میں منادی کرنا اورپھر صلیب کےواقعہ کے اسباب کا بیان اورصلیبی واقعہ کا ذکر اور سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت وغیرہ، غرضیکہ اس انجیل کے تمام واقعات اس " منادی" کی ترتیب وار تفصیلی شرح ہیں۔ جیسا ہم گذشتہ فصل میں بتلاچکے ہیں صلیبی واقعہ کا اوراس کے اسباب کا ذکر آٹھویں باب کے درمیان سے انجیل کے آخر تک مفصل بتلایا گیا ہے اورانجیل کا سب سے بڑا حصہ ہے۔چنانچہ آنخداوند کی سہ سالہ خدمت کے واقعات کا ذکر اس انجیل کی تین سوگیارہ آیات میں ہے ۔ لیکن صرف آخری ہفتہ کےواقعات کا ذکر تین سور پنتالیس آیات میں پایا جاتاہے ۔ رسولوں کی ابتدائی" منادی" کا بھی غالب حصہ مسیح مصلوب سے ہی متعلق ہے۔ جس طرح اعمال ۱۰باب کی تقریرمیں آنخداوند کے معجزات کا ذکر صرف اجمالی طورپر ہی کیا گیا ہے، اسی طرح انجیل دوم میں سیدنا مسیح کی تعلیم ،ومعجزات کا بغیرکسی تواریخی ترتیب کے اجمالاً ذکر ہوا ہے لیکن آنخداوند کی الہٰی قدرت اوراختیار اور شیطانی طاقتوں پر اپنی زندگی اور موت میں حکمران ہونے کا اورایمان داروں کو خدا کی بادشاہی کے بھید بتلانے کا مفصل ذکر ہے۔ اس انجیل کی ترتیب رسولوں

کی " منادی" کی ترتیب ہے اوریہ انجیل رسولوں کی ابتدائی منادی کا آئینہ ہے[1] (دیکھو اعمال باب ۲، ۳، ۴، ۵، ۱۰)۔

پس انجیلِ دوم میں وہ واقعات اور پیغامات موجود ہیں جن کی رسول ابتداء ہی سے منادی کرتے تھے۔ اس انجیل کی ابتدا نبوت کے پورا ہونے سے شروع ہوتی ہے (۱: ۲) اوراس میں اعمال ۱۰: ۳۷ کی طرح " یوحنا کے بپتسمہ کی منادی کے بعد گلیل سے شروع ہوکر یہودیہ تک" سیدنا مسیح کے کاموں کا ذکر ہے اوراس کے بعد تیسرے حصہ میں صلیبی واقعہ کا ذکر ہے۔ اس انجیل کے واقعات بادی النظر میں جیسا بے پئس کہتا ہے " ترتیب وارنہیں" لیکن یہ واقعات جو بظاہر بے جوڑ اوربے ربط نظر آتے ہیں ، درحقیقت ابتدائی زمانہ کی منادی کی ترتیب کے مطابق ہیں ۔ انجیل کے لکھے جانے سے پہلے مسیحی معلموں کی جماعت ان کو تعلیم دیتے وقت مختلف اوقات پر استعمال کرتی تھی (اعمال ۱۰: ۳۶تا ۴۰۔ ۱۳: ۲۳تا ۳۱ وغیرہ)۔ مقدس مرقس نے ان جداگانہ واقعات کو باہم منسلک کرکے ایک خاص ترتیب کے مطابق مرتب کردیا[2]۔ ونسنٹ ٹیلر اس موضوع پر مفصل بحث کرتا ہے[3]۔ اور کہتا ہے ۔" ظاہر ہے کہ جب مقدس مرقس نے سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات کو قلمبند کیا تو وہ کوئی نئی بات ہیں کررہا تھا بلکہ وہ ایک ایسی کتاب تالیف کررہا تھا جس میں اس نے محتلف تحریرات کو جمع کردیا جواُس کی انجیل سے پہلے اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ کلیسیا کے کام کے لئے چراغ ہدایت ہوں۔ مقدس مرقس نے ان تحریرات اورمعلومات کو ترتیب دے کر ایک نئی انجیل مرتب کی۔ یہ تحریرات بغیرکسی ربط کے بکھری پڑی تھیں۔ مقدس مرقس نے ان کو ایک لڑی میں پرودیا"۔

مرحوم یہودی عالم ڈاکٹر منونٹی فیوری بھی یہ کہتا ہے[4] " مرقس کی انجیل نہ صرف قدیم ترین ہے بلکہ وہ پہلی انجیل ہے۔ اس سے پہلے ماخذ تھے جن میں سے بعض تحریری تھے لیکن کوئی انجیل نہ تھی جس میں ترتیب وار واقعات درج ہوں۔ پس گو مرقس صرف ماخذوں کا اکٹھا کرنے والا اور

[1] Dodd, Apostolic Preaching and its Development Lec No.1

[2] A.Richardson, The Gospels in Making (S.C.M 1928) pp.82-83
[3] Formation of Gospels Tradition pp.176-185
[4] G.C.Montefiore, The Synpotic Gospels. Vol.1.(1927) P.XXX11

مرتب کرنے والا تھا تاہم اس نے ایک نیا قدم اٹھایا اورایک نوی طرح کی بنیاد ڈالی۔ وہ نہ صرف ماخذوں کو سلسلہ وار ترتیب دینے والا ہے بلکہ وہ اختراعی قابلیت رکھنے والا انسان ہے جس کی تخلیقی قوت نے ایک نئی راہ کی بنیاد ڈالی۔

اب مسیحی کلیسیا کے شرکاء اورمعلموں کے ہاتھوں میں ایک ایسی تحریرموجود تھی جو زیادہ جامع تھی ۔ پس مسیحی اس کی نقلیں ایک دیارسے سفرکرتے وقت اپنے ساتھ دوسرے ملک میں لے جاتے تھے جہاں کے مسیحی اس کی نقل کرلیتے تھے اوریوں اس انجیل نے مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے معلموں کی ضروریات کوپوراکردیا۔

(۲)

جب ہم اس انجیل کے اسلوبِ بیان اورطرزتحریر کی جانب نظر کرتے ہیں تو ہم وضاحت سے دیکھ سکتے ہیں کہ مقدس مرقس نے اپنے ماخذوں کو اس خوبی سے ترتیب دیا ہے کہ انجیل کے الفاظ ہماری آنکھوں کے سامنے ایک سماں باندھ دیتے ہیں۔ مصنف کا طرزِبیان ایسا ہے کہ حالات کا نقشہ آنکھوں کےسامنے آجاتا ہے ۔ مثال کے طورپر ملاحظہ ہو۔ ۱: ۳۹۔ ۷: ۲۴تا ۳۰۔ ۱۰: ۳۲۔ ۱۴: ۳۲تا ۵۱، ۶۶، ۷۲، وغیرہ میں حقیقت نگاری صاف نظرآتی ہے۔ اگرہم ۴: ۳۶تا ۴۱، ۹: ۵ تا ۶کو دیکھیں تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ کوئی چشم دید گواہ بول رہا ہے۔ آیات ۱: ۲۰، ۴۱۔ ۳: ۲، ۵، ۲۴، ۴: ۳۸، ۵: ۴۳، ۶: ۳۹تا ۴۰۔ ۷: ۳۳تا ۳۴، ۸: ۱۲، ۲۳تا ۲۵۔ ۱۰: ۱۶، ۲۱، ۱۱: ۱۱ اور۱۴: ۴۰، ۵۱تا ۵۲، ۵۴، ۱۵: ۲۱ میں مقدس مرقس نے حالات اورواقعات کا ہو بہو نقشہ کھینچ دیا ہے[1]۔ ان کی طراوت اس انجیل کی خصوصیت ہے بعض اوقات توایک یا دولفظوں میں ہی ایک دلکش تصویر کھینچ جاتی ہے ۔ انجیل کا بیان ایسا بے تکلف ہے کہ خواہ مخواہ دل کو کھینچ لیتا ہے۔ زبان کی سادگی سے ظاہر ہے کہ اس کے ماخذ چشم دید گواہوں کے بیان ہیں مثلاً " میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں(مرقس ۱: ۷)۔ " اس نے آسمان کو پھٹتے دیکھا"(۱: ۱۰)۔ " وہ جنگلی جانوروں کے ساتھ رہا کیا" (۱: ۱۲) " کشتی مزدوروں کے ساتھ چھوڑکر" (۱: ۲۰) الفاظ ہی سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ صرف ایک چشم دید گواہ

---

[1] Blunt, St. Mark pp.34-35

کی زبان اورقلم سے نکلے ہیں۔" دنیا میں کوئی دھوبی ویسی سفید نہیں کرسکتا"(۹: ۳)" یکایک جوچاروں طرف نظر کی"(۹: ۸) آنخداوند کی آنکھوں سے پیار(۱۰: ۲۱، اور غصہ (۳: ۵) کا ذکر ایسے الفاظ میں کیا گیا ہے کہ گویا ہم خود آپ کا مبارک چہرہ دیکھ رہے ہیں ۔ آپ کی نظر کا باربار ذکر ہے جو دبوں اور خیالوں کو بھانپ لیتی تھی (۱۰: ۲۷، ۳: ۳۴- ۱۱: ۱۱- ۵: ۳۲، ۱۰: ۲۳ وغیرہ)۔آپ کی مبارک آواز کے زیروبم اورنشیب وفراز کا ذکر ہے (۱: ۲٦، ۱: ۳۴ وغیرہ)۔آپ کا اپنا شفا بخش ہاتھ رکھنا، بچوں کو گود میں لینا، سامعین کا آپ کی تعلیم کو سُن کر دنگ رہ جانے کا ذکر نوبارآیا ہے۔ اورتین مختلف الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

مثال کے طورپر اگرہم انجیل دوم کے مقام (٦: ۲۱تا ۲۷) کے ایک ایک لفظ کا مقابلہ انجیلِ اوّل کے مقام(۱۴: ۱تا ۱۲) سے کریں تو ہم پر مقدس مرقس کے خصوصی طرزبیان کی کیفیت عیاں ہوجاتی ہے۔تفصیلات کی وضاحت اوران کی شوخی انجیل دوم میں زندگی پیدا کردیتی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ انجیل اوراس کے ماخذ واقعات کے نہایت قریب لکھے گئے تھے مثلاً الفاظ " سکندر اور روفس کا باپ شمعون کرینی"(۱۵: ۲۱) زبان حال سے پکاررہے ہیں کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تب وہ زندہ تھے اورکلیسیا کے مشہور افراد تھے (رومیوں ۱٦: ۱۳)۔ اگریہ انجیل بہت مُدت کے بعد لکھی جاتی تو ان شخصوں کے ناموں کا ذکر کرنا بے معنی ہوجاتا کیونکہ اگلی پشت میں یہ سب نام بھول بسر گئے تھے۔آیات(۱۴: ۵۱تا ۵۲) کے الفاظ" ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادراوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔ اُسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ چادرچھوڑکر ننگا بھاگ گیا"۔ اس بیان میں جن ڈال دیتے ہیں اورثابت کرتے ہیں کہ یہاں ایک چشم دید گواہ بول رہا ہے۔ اسی وجہ سے بعض کا خیال ہے کہ یہ " جوان" مقدس مرقس خود تھے جوایک آپ بیتی واقعہ کا ذکر رہے ہیں۔

پس انجیلِ دوم کے بیانات کی تازگی ، تفصیلات کی شوخی، الفاظ کا رنگ وغیرہ سب ظاہر کرتے ہیں کہ یہ انجیل قدیم ابتدائی زمانہ میں ہی مرتب کی گئی تھی۔ ہم اس بات کو اپنے روزانہ تجربہ سے جانتے ہیں کہ چشم دید گواہ بھی چھوٹے چھوٹے اورباریک نکتوں کو جو اوّل ان کے دماغ میں ہوتے

ہیں ، امتداد زمانہ کے ساتھ یا تو بھول جاتے ہیں یا وہ اُن کو دھندلے گڈ مڈ طور پر ہی یاد رکھ سکتے ہیں یا وہ ان کو اس قدر قابلِ التفات نہیں سمجھتے کہ ان کو بیان کریں لیکن اس انجیل میں یہ باریکیاں نہایت شگفتہ حالت میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ بھری پڑی ہیں جس سے ہر منصف مزاج شخص اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نہ صرف اس انجیل کے ماخذ ابتدائی زمانہ سے متعلق رکھتے ہیں جو یا تو ہر واقعہ کے متصل وقت میں یا واقعہ کے فوراً بعد غیر منفصل وقفہ میں لکھے گئے تھے بلکہ یہ انجیل بھی ان واقعات کچھ وقفہ کے بعد ہی جلدی مرتب کی گئی تھی جب یہ تفاصیل اورباریکیاں ذکرکرنے کے قابل خیال کی گئیں۔ بہر حال انجیلی مجموعہ کی تمام تصنیفات میں سے اس انجیل کے تذکرے اسی وقت کے ہیں جب آنخداوند کی زندگی میں یہ واقعات رونما ہوئے تھے"[1]

[1] Dr.R.Lumby, The Graphic and Dramatic Character of the Gospel of St.Mark. Expositor Vol11.Oct.1875 pp.269-284

فصلِ سوم

انجیلِ مرقس کا پایہ اعتبار

گذشتہ فصل میں ہم نے انجیلِ مرقس کی چند خصوصیات بیان کی ہیں۔ ان سے ناظرین پراس انجیل کی قدامت ظاہر ہوگئی گی۔ اس کا ترتیب بیان بعینہ وہی ہے جو ابتدائی زمانہ میں رسولوں کی " منادی" کا تھا۔ اس کی تفصیلات کی تازگی ، بیان کی شگفتگی ، الفاظ کی شوخی وغیرہ وغیرہ سب کی سب اسی نتیجہ کی مصدق ہیں کہ یہ انجیل قدیم ترین زمانہ سے متعلق ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر لمبی کہتا ہے کہ" جو واقعات اس انجیل میں لکھے گئے ہیں وہ اسی زمانہ میں لکھے گئے تھے جب وہ رونما ہورہے تھے"۔

اس انجیل کی قدامت اس کے بیانات پر مُہرِ صداقت ثبت کرتی ہے ۔ اس انجیل کے ماخذ اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں جو اس میں نہایت ایمان داری سے لفظ بلفظ جمع کئے گئے ہیں۔ لہذا یہ انجیل صحیح ترین اور معتبر ترین تصنیف ہے جس کا تعلق دورِاولین سے ہے۔

چونکہ یہ انجیل نہایت معتبر تھی لہذا اس کی نقلیں ارضِ مقدس میں ہر جگہ مروج ہوگئیں اور دور دراز کے مقامات میں ایماند داروں کے ہاتھوں میں آگئیں۔جب دوسرے انجیل نویس اپنی انجیلوں کی تالیف کرنے لگے تو انہوں نے اس انجیل کو جوہر کلیسیا میں معتبر شمار ہوتی تھی اپنا ماخذ بنایا۔ مقدس متی اورمقدس لوقا دونوں اس کو اوّل درجہ کا معتبر ماخذ تسلیم کرکے اس کے الفاظ کو اپنی تصانیف میں نقل کرتے ہیں۔

چنانچہ جب ہم پہلی تین اناجیل کے الفاظ کا باہم مقابلہ کرتے ہیں تو چند ایک اُمور ہم پر منکشف ہوجاتے ہیں۔ اگرہم ان الفاظ پرسرخ روشنائی سے لکیر کھینچیں جو پہلی اوردوسری انجیلوں میں یکساں ہیں ، اورنیلی روشنائی سے اُن الفاظ پر لکیر کھینچیں جو تینوں انجیلوں میں یکساں ہیں توہم پر عیاں ہوجائیگا کہ مقدس مرقس کی انجیل کے پیشتر الفاظ مقدس متی اورمقدس لوقا کی انجیلوں میں موجود ہیں اور مرقس کے باقیماندہ الفاظ کا ایک بہت بڑا حصہ یا تو مقدس متی کی انجیل میں پایا جاتا ہے اوریا مقدس لوقا کی انجیل میں موجود ہے۔ اگر ہم زیادہ تفصیل سے مطالعہ کریں تو یہ ثابت ہوجائیگا کہ مقدس مرقس کی انجیل کے الفاظ کا تقریباً دوتہائی حصہ مقدس متی اورمقدس لوقا کی انجیلوں میں پایا جاتا ہے ۔ اورباقیماندہ ایک تہائی حصہ سوائے تیس آیات کے یا تو مقدس متی کی انجیل میں موجود ہے یا مقدس لوقا کی انجیل میں پایا جاتا ہے اورکہ مقدس متی نے سوائے پچپن آیات کے تمام انجیل مرقس کو نقل کیا ہے[1]۔ بالفاظ دیگر:

(۱۔) انجیل اوّل کی تین چوتھائی سے زیادہ حصہ (۱۰۶۸آیات میں سے ۶۱۶آیات مرقس کی انجیل سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲۔) انجیل سوم کی دوتہائی سے زیادہ حصہ (۱۱۴۹ آیات میں سے ۷۹۸آیات) اُن آیات پر مشتمل ہے جو مرقس کی انجیل سے نقل کی گئی ہیں[2]۔

(۳۔) اگر ہم پہلی اور تیسری انجیلوں کے ایسے باقیماندہ مقامات اوران الفاظ کو جواُن دونوں انجیلوں میں

---

[1] Streeter, Synoptic Problem in Peak's one Vol.Commentary p.673
[2] J.C.Hawkins Synoptic Problem ed.by W.Sanday p.29

پائے جاتے ہیں ، نیلی سیاہی سے تحت الحظ کریں توہم پر ظاہر ہوجائے گا کہ یہ مقامات حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم پر مشتمل ہیں اور۲۳۶آیات پر مشتمل ہیں۔ یہ مقامات " رسالہ کلمات" میں سے اخذ کئے گئے ہیں جس کا ذکر ہم مفصل طورپر حصہ اوّل کے باب پنجم میں کرآئے ہیں۔

علماء میں اس رسالہ کی آیات کے تعین میں اختلاف ہے مثلاً سرجان ہاکنس[1] کے خیال میں یہ رسالہ ۸۵آیات پر مشتمل تھا۔ اس اختلاف رائے کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسالہ اب ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے جس طرح انجیل مرقس ہمارے ہاتھوں میں ہے ہم انجیل متی اورمتی انجیل لوقا کا مقابلہ کرکے کسی حد تک ہی اس رسالہ کو مرتب کرسکتے ہیں ۔ جس طرح بفرضِ محال اگرانجیل مرقس دنیا سے گم ہوجائے توہم ان دونوں انجیلوں کے مشترکہ مقامات سے انجیل مرقس کوکسی حد تک مرتب کرسکتے ہیں ۔ لیکن چونکہ مقدس مرقس کی انجیل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے لہذاانجیل اوّل وسوم کے مشترکہ مقامات میں سے انجیل کے مقامات کو خارج کرکے ہم جان سکتے ہیں کہ باقیماندہ مشترکہ مقامات رسالہ کلمات سے لئے گئے ہیں۔ اوریوں ہم اس رسالہ کے مضامین اورالفاظ کا تعین کرسکتے ہیں اورچونکہ اس گمشدہ ماخذ کی خصوصی طرز ہے اوراس کا نکتہ نگاہ، الفاظ زبان کے محاورات ، اور امتیازی نشانات بالکل جداگانہ ہیں لہذا اس کا تعین کرنے میں اوربھی آسانی ہوجاتی ہے[2]۔

علمائے مغرب مذکورہ بالا نتائج پر ایک صدی کی بحث وتمحیص کے بعد پہنچے ہیں اوراب اس اہم نتیجہ پر سب متفق ہیں کہ مقدس متی اور مقدس لوقا نے انجیل مرقس کو نہایت معتبر ماخذ سمجھ کر اس کی ۶۶۱آیات میں سے ۶۳۱ کو لفظ بلفظ نقل کرلیا ہے۔

(۳)

ان انجیل نویسوں نے نہ صرف مقدس مرقس کے الفاظ کو ہی نقل کیا ہے بلکہ انہوں نے اس کی ترتیب کو بھی بحال رکھا ہے اورانجیل مرقس کے ڈھانچہ کو اپنالیا ہے ۔ اس کا مفصل ذکر ہم آگے چل کر کرینگے۔ یہاں صرف یہ بتلانا کافی

---

[1] Horoe Synoptic (Oxford 1894)p.89

[2] W.M.Ramsay, The Oldest Written Gospel, in Expositor Vol.111. May 1907

ہے کہ جس مقام پر یہ دونوں انجیل نویس اکٹھے مقدس مرقس کی انجیل کی ترتیب کی تقلید نہیں کرتے وہاں ان دونوں میں سے ایک اس ترتیب کی ضرورپیروی کرتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انجیل اوّل اورانجیل سوم میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے جہاں یہ دونوں انجیل نویس مقدس مرقس کے بیان کے خلاف اتفاق کرتے ہوں[1]۔ چنانچہ مقدس متی اپنی انجیل کے پہلے حصے (ابواب ۸تا ۱۳) میں مرقس ۱: ۲۹تا ۶: ۱۳ کی ترتیب کی مطابقت نہیں کرتے ۔ اگرچہ مقدس لوقا اس ترتیب کے مطابق چلتے ہیں لیکن مقدس متی اپنی انجیل کے دوسرے حصہ میں مقدس مرقس کی انجیل کی ترتیب کے مطابق اپنی انجیل کو مرتب کرتے ہیں۔ جب کبھی انجیل اوّل کا مصنف انجیل مرقس کو نقل کرتے وقت اپنے مقصد اورترتیب کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس کی ترتیب کو چھوڑدیتا ہے تو مقدس لوقا اُسی ترتیب کو جاری رکھ کراس کے مطابق اپنی انجیل کو مرتب کرتا ہے ۔ علیٰ ہذا القیاس جب کبھی مقدس لوقا اپنے خاص مقصد اورترتیب کو ملحوظ خاطر رکھ کر انجیل مرقس کی ترتیب کو چھوڑدیتا ہے ، تو مقدس متی اُس کی ترتیب کو جاری رکھ کر اس کے مطابق اپنی انجیل کو مرتب کرتا ہے۔ اِن دونوں انجیلوں میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں ہے۔ جس میں مقدس مرقس کی ترتیب کو چھوڑ کر مقدس متی اورمقدس لوقا نے کسی دوسری ترتیب پر اتفاق کیا ہو۔

پس ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کیا بلحاظ نفسِ مضمون اورکیا بلحاظ الفاظ، اورکیا بلحاظ ترتیب، مقدس مرقس کی انجیل کو اناجیل اوّل وسوم کی حمایت حاصل ہے۔ ان امور سے ظاہر ہے کہ یہ صرف اس حالت میں ہوسکتا ہے۔جب دونوں انجیل نویسوں کے سامنے ان کی انجیلوں کی تصنیف کے وقت مقدس مرقس کی سی سند رکھنے والی انجیل موجود ہو۔ پس عیاں ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل پہلی اورتیسری انجیلوں سے بہت پہلے لکھی گئی تھی اورایسی مستند مانی جاتی تھی کہ بعد کے دونوں مصنفوں نے اس کی ترتیب اورمضمون بلکہ الفاظ تک کو نقل کرکے اُن کو اپنا نامناسب خیال کیا۔

---

[1] Streeter, The Four Gospels.p.157

گو ان تینوں انجیلوں کے الفاظ ، مضامین اورترتیبِ واقعات فرداً فرداً یہ امر ثابت کرنے کاکافی ہیں کہ مقدس متی اور مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کو نقل کیاہے۔ لیکن جب ہم ان تینوں باتوں پر مجموعی طورپر غورکرتے ہیں تو یہ دلیل اوربھی وزن دارہوجاتی ہے اوربغیرکسی شک وشبہ کے یہ ثابت ہوجاتاہے کہ مقدس متی اورمقدس لوقا دونوں نے انجیل مرقس کو نہایت معتبر ماخذ قرار دے کر اس کو لفظ بلفظ (اورسوائے تیس آیات کے) سب کی سب انجیل کو نقل کیا ہے۔

(۴)

جب ہم اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں کہ مقدس متی انجیل سوم سے واقف نہ تھے اورمقدس لوقا بھی انجیل اوّل سے ناواقف تھے اوردونوں ایک دوسرے کی تصنیفات سے بے نیاز تھے تو انجیل مرقس کا پایہ اعتبارہماری نظروں میں اوربھی بلند ہوجاتاہے کیونکہ یہ امر اس حقیقت کو ثابت کردیتاہے کہ ارضِ مقدس کے مختلف کونوں میں انجیل مرقس کی اشاعت ہوچکی تھی اوروہ ہر جگہ مستند تسلیم کی جاتی تھی۔

ڈاکٹرایبٹ نے اس کی ایک دلچسپ مثال دی ہے[1]۔ وہ کہتاہے" فرض کرو کہ تین لڑکے زید، بکر اور عمر کسی امتحان میں بیٹھے ہیں۔ جب اُن کے پرچے ممتحن کے پاس جاتے ہیں تو وہ اُن کے پرچے پڑھ کر معلوم کرتاہے کہ زید اورعمر نے بکرکی نقل کی ہے۔ بسا اوقات جب دونوں امیدوار بکرکے الفاظ کی نقل کرتے ہیں تب تینوں کے جوابات لفظ بلفظ ملتے ہیں۔ بعض اوقات زید ایسے مقامات بکرکے پرچے سے نقل کرتاہے جو عمر نہیں کرتا اوربکر کے پرچے کے بعض مقامات ایسے ہیں جو زید نقل نہیں کرتا لیکن عمر اُن کو نقل کرتاہے ۔ لیکن یہ تینوں لڑکے اس طورسے بیٹھے ہیں کہ زید اور عمر ایک دوسرے کی نقل نہیں کرسکتے ۔ پس کسی ایک مقام میں بھی وہ دونوں کوئی ایسی عبارت نہیں لکھتے جو بکر کی عبارت کے خلاف ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر ہوشمند ممتحن اسی

---

[1]E.A.Abbot, The Four fold Gospels Section 1p.12

نتیجہ پر پہنچے گا کہ زید اور عمر دونوں نے موقعہ پاکر بکر کی نقل کی ہے"۔

مقد س متی اور مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کے الفاظ کو نقل کرتے وقت اپنے اس ماخذ کے بعض الفاظ اور فقرات ایسے پائے جو اُن کو ناگوار گزرے پس انہوں نے یاتوایسے الفاظ کو نقل ہی نہ کیا یا اُن سخت الفاظ کی بجائے نرم الفاظ لکھ دئیے (مقابلہ کرو مرقس ۱۰: ۱۸، متی ۱۹: ۱۷ وغیرہ)۔ اس کے علاوہ انجیل دوم کی طرز تحریر کی خامی اورنحو کا مقابلہ انجیل اوّل اورسوم سے کرتے ہیں تو ان میں اسی قسم کا فرق پاتے ہیں جو کسی شخص کی تقریر میں اوراسی تقریر کی تحریری شکل میں پایا جاتاہے ۔مقدس مرقس کی عبارت اوراسلوبِ بیان ایک فی البدیہہ تقریر کرنے والے کا سا ہے۔ چنانچہ ایک نقاد لکھتا ہے کہ" مرقس کی انجیل ایسی ہے کہ گویا کسی شخص نے کسی برجستہ مقرر کی تقریر شارٹ ہینڈ (مختصر نویسی) میں لکھ لی ہو"۔ لفظ" فی الفور" مقدس مرقس کو بہت مرغوب ہے جو ۴۱ مقامات میں آیا ہے جس کو دیگر انجیل نویس نقل نہیں کرتے ۔ مقدس متی اور مقدس لوقا اس کے بعض الفاظ کو بدل کر بڑی احتیاط کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو مختصر اورجامع ہیں اورنحوی لحاظ سے بہتر ہیں اورظاہر کرتے ہیں کہ وہ اشاعت کی غرض سے لکھے گئے ہیں[1]۔ کیونکہ ان کے فقرے جچے تلے ہیں ۔ یہ امر بھی ثابت کردیتاہے کہ مقدس مرقس کی انجیل ایسے قدیم وقت میں لکھی گئی تھی ۔جب مقدس مرقس اوراس کے ماخذ دونوں اس بات کی طرف سے بے نیاز تھے ان کی زبان کے الفاظ سخت ہیں یا نرم ، وہ صرف ونحو کے قواعد کے عین مطابق ہیں یا اُن میں نحوی خامیاں پائی جاتی ہیں۔یاکہ وہ ادبی شاہکار ہیں یا نہیں چنانچہ ایلن کہتاہے کہ" انجیل دوم کوئی ادبی تصنیف نہیں ہے جس کو کسی بڑے پایہ کے مصنف نے لکھا ہو[2]۔ لیکن یہی امر اس کی قدامت اوراس کے پایہ اعتبار کا ایک بین اورزبردست ثبوت ہے۔

[1] Streeter, Four Gospels pp.162-164 ff. also quoted by Butler in The Originality of St.Matthew (1951) p.167.
[2] W.C.Allen, in J.T.S. Jan-April 1946 p.46

(۵)

اس انجیل کا پایہ اعتباراس بات سے بھی ثابت ہے[1]۔
کہ اس میں جن سماجی اورسیاسی حالات کا ذکر ہے وہ عین
بعین اصل تواریخی حالات کے مطابق ہےمثلاً یہ انجیل بتلاتی
ہے کہ گلیل میں " عبادت خانوں کے سردار" مذہبی رہنما تھے
لیکن یروشلیم میں سردارکاہن مذہبی رہنما تھے اورکہ فریسی
اورفقیہ ہر جگہ موجود تھے لیکن صدوقی صرف یروشلیم میں
تھے اورکہ آنخداوند کے لئے یروشلیم کا شہر صوبہ گلیل سے
زیادہ خطرناک تھا۔ مقدس مرقس بتلاتے ہیں کہ آنخداوند کو
انتی پاس سے خطرہ تھا(۶: ۱۴) لہذا آپ اس کے علاقہ سے
دیگر مقامات کو چلے جایا کرتے تھے(۳: ۷، ۴: ۱، ۴: ۳۵، ۶: ۴۵،
۸: ۱۳، ۷: ۲۴، ۷: ۳۱، ۸: ۲۷ وغیرہ)۔ کیونکہ قیصریہ ،فلپی ،
فینیکے، بیت صیدا میں آپ اس ظالم اورجابر حکمران کے ہاتھ
سے محفوظ تھے۔ چونکہ یہ اوردیگر بیانات ارض مقدس کے
خارجی حالات کے عین مطابق ہیں لہذا ظاہر ہے کہ مقدس
مرقس کی انجیل قدیم ترین بیانات پر ہی مبنی ہے۔ کیونکہ یہ
حالات بعد میں بدل گئے تھے ۔ پس خارجی تواریخی واقعات
بھی اس انجیل کی قدامت اوراس کے پایہ اعتبار کے مستند
ہونے کا گواہ ہیں۔

(۶)

جوزیفس مورخ کی کُتب سے ہم کو ارضِ مقدس کے اُن
حالات کا پتہ چلتا ہے جو ۳۰ء میں پائے جاتے تھے۔یہودی
کُتبِ تالمود سے ہم کو اُس زمانہ کے یہود کے خیالات
اورحالات کا پتہ چلتا ہے ۔ جب ہم ان کا مقدس مرقس کی
انجیل سے مقابلہ کرتے ہیں توہم پر عیاں ہوجاتا ہے[2] کہ اس
انجیل میں یہی حالات نہایت صحت کے ساتھ پائے جاتے
ہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل اُن حالات کے دوران میں
ہی لکھی گئی تھی۔ کیونکہ جیسا برکٹ کہتا ہے کہ یہ تمام
حالات یروشلیم کی تباہی کے صفحہ ہستی سے محو ہوچکے
تھے۔ اس انجیل کے حالات کا نقشہ ایسا ہے کہ مابعد کے
زمانہ میں قوت متخیلہ اس قدرصحت کے ساتھ ان کو
دوبارہ خلق ہی نہیں کرسکتی تھی[3]۔

---

[1] Blunt,St.Mark p.36

[2] Burkitt,Gospel.History & its Transmission p.66

[3] Ibid.pp.67-68

باب دوم

انجیل متی کی تالیف

فصل اوّل

انجیلِ متی کے ماخذ

ہم گذشتہ فصل میں بتلاچکے ہیں کہ انجیلِ اوّل کے مصنف نے اپنی انجیل کو تالیف کرتےو قت دو ماخذاستعمال کئے تھے جن کا ہم مفصل ذکرآئے ہیں یعنی:

(۱۔)رسالہ کلمات: جس کا ذکر ہم حصہ اول کے باب پنجم کی فصل اوّل میں کر آئے ہیں۔یہاں یہ بتلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل یہود اپنی مذہبی کُتُب کو بالعموم پانچ کتابیں ہیں۔ زبورکی پانچ کتابیں ہیں جن میں سے ہر ایک کتاب خدا کی حمدو تعریف کے الفاظ سے ختم ہوتی ہے۔ اسی طرز پر مقدس متی کا رسالہ کلمات بھی پانچ حصوں میں منقسم تھا۔ انجیل اوّل بھی پانچ حصوں میں منقسم ہے جس کا ہر حصہ خاص مقرری الفاظ سے ختم ہوتا ہے " جب یسوع نے یہ باتیں ختم کیں"(۷: ۱۸ وغیرہ)۔ یہ پانچ حصے حسب ذیل ہیں:

(۱۔) پہاڑی وعظ (باب ۵تا ۷)۔

(۲۔) بارہ رسولوں کو ہدایات (۱۰: ۵تاآخر)۔

(۳۔) خدا کی بادشاہی کی سات تمثیلیں (۱۳: ۳، ۵۲)۔

(۴۔)آنخداوند کے مختلف احوال(باب ۱۸)۔

(۵۔)۲۱: ۲۸تا ۲۲: ۱۴ فریسیوں اور فقیہوں پر سات بارافسوس کرنا ۲۳باب)مسیح کی آمد کی پیشین گوئیاں(باب ۲۴) اورعدالت کی تمثلیں(۲۵باب)۔

مقدس متی نے جورسالہ کلمات جمع کیا تھا اُس کا شروع مبارکبادیوں سے اورآخر عدالت کی تمثیل سے ختم ہوتا تھا۔

(۲) مقدس مرقس کی انجیل۔ اس انجیل کی ۶۶۱آیات میں سے مقدس نے ۶۰۶آیات انجیلِ دوم سے نقل کی ہیں۔

مقدس متی نے نہ صرف انجیل دوم کی آیات کو نقل کیا ہے بلکہ اس نے انجیل دوم کے خاکہ اورواقعات کی ترتیب کو بھی برقرار رکھا ہے اوراس خاکہ کے ڈھانچہ میں دیگر ماخذوں کے مسالہ کو استعمال کیا ہے۔

(۳۔)مقدس متی نے نہ صرف رسالہ کلمات کو استعمال کیاہے بلکہ دوسرے قدیم رسالہ یعنی رسالہ اثبات کو بھی اپنا ماخذ بتایا ہے اوراس کی جابجا بارہ مقامات میں استعمال کیاہے ۔ استعمال سے پہلے وہ خاص مقرری الفاظ" اس وقت وہ بات پوری ہوئی جوسیدنا مسیح نے نبی کی معرفت کہی تھی" لکھتاہے (۱: ۲۲، ۲: ۵ وغیرہ) اس رسالہ کا مفصل ذکر ہم حصہ اوّل کے باب پنجم کی فصل دوم میں کر آئے ہیں ۔

(۴۔) سیدنا مسیح کا نسب نامہ جس میں ثابت کیا گیاہے کہ مسیح موعود ابنِ داؤد اورابنِ ابراہام تھے(باب۱: ۱تا ۱۷)۔ یہ ماخذ بھی تحریری تھا۔

(۵۔) ایک ماخذ ایسا ہے جس میں مسیح موعود کے یہودی مخالفوں کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔ مخالفین مسیحیت مقدسہ مریم باکرہ کی عصمت اور مسیح موعود کے طرز پیدائش پر اعتراض کرتے تھے۔ اس ماخذ کے اس خاص حصہ کا سرچشمہ مقدس یوسف کا خاندان معلوم ہوتا ہے جو قدرتی طورپر دورِاولین میں کلیسیا میں ممتاز ترین خاندان تھا۔ بعض عصمتِ مسیح کی حقیقت پر اعتراض کرکے کہتے تھے کہ اگرآپ گناہ سے بری ہوتے توآپ مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کے ہاتھ سے بپتسمہ نہ پاتے ۔ بعض یہ اعتراض کرتے تھے کہ اگرآنخداوند مجرم نہہوتے تو رومی گورنر آپ کو مصلوب نہ کرتا ۔ بعض مخالفین قیامت مسیح کے منکر تھے۔ اور کہتے تھے کہ آپ کے شاگردوں نے آپ کا مبارک لاشہ چرالیا تھا اوریہ مشہورکردیا تھا کہ آپ مردوں میں سے جی اٹھے ہیں۔

اس ماخذ میں ابتدائی کلیسیا کے فاضل معلموں نے قدیم ترین زمانہ کے معتبربیانات کو جمع کرکے ان اعتراضات کے جواب دے کر مسیح موعود کے دشمنوں کے دانت کھٹے کردئیے تھے۔ چونکہ یہ جوابات بڑے کام کےتھے لہذا انجیل اول کے مولف نے اس رسالہ کو جس میں یہ جوابات درج تھے ، اپنا ماخذ بنا کر اس کو اپنی انجیل میں شامل کرلیا۔ چنانچہ انجیل کے پہلے تین ابواب میں اورآخری دوابواب میں اس ماخذ سے کام لیا گیاہے۔

اس بات کا ثبوت کہ یہ ماخذ ابتدائی زمانہ میں لکھا گیا تھا اس بات سے بھی ملتا ہے کہ انجیل کے پہلے دوابواب میں خدا اپنی مرضی کو خواب میں ظاہر کرتا ہے جس طرح تورات کے مختلف حصوں میں خدا اپنی مرضی کو پہلے وقتوں میں خواب کے وسیلے ظاہر کیا کرتا تھا ۔ چنانچہ الفاظ" خواب میں" پانچ دفعہ ان دوابواب میں اور۲۷: ۱ میں آئے ہیں لیکن تمام انجیل میں کسی اورجگہ وارد نہیں ہوئے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ قدیم ماخذ تحریری صورت میں موجود تھا اورکہ یہ سب مقامات اسی سے لئے گئے ہیں۔

(۶۔) ایک اورماخذ مقدس متی کے سامنے تھا جس میں یہودیہ کے گورنر پنطوس پلاطوس کی نسبت بیان موجود تھے۔ مقدس متی نے اس ماخذ کو ۲۷: ۲۴، ۲۵اور۶۲، ۶۶ اور ۲۸: ۱۱تا ۱۵ میں استعمال کیا ہے[1]۔

(۷۔) مذکورہ بالا ماخذوں کے علاوہ اس انجیل میں حسب ذیل واقعات پائے جاتے ہیں جو اس کے مولف نے تحریری اورزبانی بیانات سے حاصل کئے تھے[2]:

(۱۔) کفرناحوم میں منادی کا شروع (۴: ۱۲تا ۱۷)

(۲۔) صوبہ دار کے خادم کا شفا پانا (۸: ۵تا ۱۳)

(۳۔) دو شخصوں کے شاگرد ہونے کی خواہش (۸: ۱۸تا ۲۲)

(۴۔) دواندھوں کا بینائی پانا (۹: ۲۷تا ۳۱)

(۵۔) گونگے کو شفا بخشنا (۹: ۳۲تا ۳۴)

(۶۔)مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پیغامبر(۱۱: ۲تا ۶)

(۷۔) مقدس پطرس کا پانی پر چلنا(۱۴: ۲۸تا ۳۱)

(۸۔) مچھلی کے منہ سے سکہ کا برآمد ہونا(۱۷: ۲۴تا ۲۷)

(۹۔) یہوداہ غدار کا انجام (۲۷: ۳تا ۱۳)

(۱۰۔) یہودی مقدسوں کا قبر سے نکلنا (۲۷: ۵۱تا ۵۳)۔

(۱۱۔) سیدنا مسیح کا قیامت کے بعدگلیل میں دکھائی دینا (۲۸: ۱۶تا ۲۰)۔

مذکورہ بالا واقعات مقدس مرقس کی انجیل میں نہیں ہیں پس یہ انجیل سے نہیں لئے گئے ۔

---

[1] St.Matthew, The Century Bibl (1922) p.25
[2] The Mission & Message of Jesus pp.219-250.

(۸۔) مقدس متی نے اپنے رسالہ کلمات کی تعلیم کے علاوہ دیگر چشم دید گواہوں کے تحریری اورزبانی بیانات سے حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کے حصص اپنی انجیل میں شامل کئے ہیں۔ کیونکہ آنخداوند کے ہزارہا سامعین میں سے بہتوں نے اس پر کمر باندھی تھی کہ وہ سیدنا مسیح کی تعلیم کو لکھیں اوریہ پارے مختلف کلیسیاؤں میں رائج تھے۔ لیکن ایمانداروں کی تعداد کی کثرت اوراُن کی پراگندگی نے یہ ضرورت پیدا کردی کہ کلیسیا کے معلموں کے لئے ان مختلف پاروں کو جمع کیا جائے۔ ان معلموں کے ہاتھوں میں رسالہ کلمات اورآنخداوند کی زندگی کے حالات ، معجزات اورواقعہ صلیب کے بیانات موجود تھے۔ انجیل مرقس بھی اُن کے ہاتھوں میں تھی لیکن بعض رسالوں اورپاروں میں جو سیدنا مسیح کی تعلیم تھی وہ جمع نہ تھے ۔ مقدس یعقوب ان پاروں میں سے بعض کی تعلیم سے واقف تھے(یعقوب ۱: ۵۔ ۲: ۸۔ ۳: ۱۲۔ ۴: ۳۔ ۵: ۳، ۹، ۱۲ وغیرہ)۔یہ ماخذ یروشلیم کی کلیسیا کے ہاتھوں میں تھے[1]۔ مقدس متی نے ان پاروں کو جو اس کے مطلب کے تھے اپنی انجیل میں شامل کرلیا تاکہ یہودی مسیح کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں ایک جامع انجیل ہو۔ چنانچہ ذیل کے مقامات مقد س متی نے ان پاروں سے لئے اوریہ مقامات صرف انجیل اوّل میں ہی پائے جاتے ہیں[2]۔

(۱۔) متی ۳: ۱۴تا ۱۵۔ سیدنا مسیح کے بپتسمہ پانے کے متعلق ایک پارہ ہے۔

(۲۔) ۵: ۷تا ۱۰ کی مبارک بادیاں

(۳۔) ۵: ۱۳تا ۱۶۔ نمک اورنور کے استعارات

(۴۔)۵: ۱۷تا ۷: ۲۹ کے وہ مقامات جو رسالہ کلمات سے اخذ نہیں کئے گئے ۔

(۵۔) ۱۰: ۵: تا ۱۶، ۱۰: ۲۳، ۲۵، ۴۰: تا ۱۱: ۱ دوزادہ رسولوں کوہدایات ۔

(۶۔)متی ۱۱: ۱۴تا ۱۵۔ یوحنا بپتسمہ دینے والا اورایلیاہ نبی ۔

(۷۔) متی ۱۱: ۲۸تا ۳۱۔ دعوتِ عام۔

(۸۔) متی ۱۲: ۵تا ۷، ۱۱۔ ۱۲ سبت سے متعلق ہیں۔

---

[1] B.H.Streeter, Sources of the Gospels, in an Outline of Christinaity ed.Peake & P.Harson Vol1.p309.

[2] The Mission & Message of Jesus.pp.441-544.

(۹۔) ۱۲: ۳۲(الف) ۳۶، ۳۷ ۔ انسان کا قول اورفعل۔

(۱۰۔) ۱۳باب میں چند اقوال ہیں جو صرف انجیل اوّل میں ہی پائے جاتے ہیں۔

ان کو رسالہ کلمات اورانجیل مرقس کے ساتھ ترتیب دے کر لکھا گیا ہے۔ یہ اقوال آیات ۲۴۔ ۳۰، ۳۶، ۴۳، ۴۴، ۴۶، ۴۷، ۵۰، ۵۱، ۵۳ میں پائے جاتے ہیں۔

(۱۱۔) متی ۱۵: ۱۲تا ۱۳ بعض پودوں کا اکھاڑا جانا۔

(۱۲۔) ۱۵: ۲۲تا ۲۵ غیر اقوام سے متعلق ہے۔

(۱۳۔) ۱۶: ۲تا ۳۔ زمانہ کے نشان۔

(۱۴۔)۱۶: ۱۷تا ۱۹ ۔ کلیسیا میں مقدس پطرس کا مقام۔

(۱۵۔) ۱۷: ۲۰، مضبوط ایمان کی طاقت ۔

(۱۶۔) ۱۸: ۲تا ۴۔ مسیحی رفاقت ۔

(۱۷۔) ۱۸: ۱۰، ۱۲، ۱۴ ۔ کلیسیا اورگمراہ لوگ۔

(۱۸۔)۱۸: ۱۵تا ۲۲۔ کلیسیا کی اندرونی زندگی۔

(۱۹۔) ۱۸: ۲۳تا ۱۹: ۱۔ بے رحم مختار کی تمثیل۔

(۲۰۔) ۱۹: ۱۰تا ۱۲ ۔ کنوارہ پن اوربیاہ کی حالت۔

(۲۱۔)۱۹: ۲۸۔ بارہ رسولوں کی جزا۔

(۲۲۔) ۲۰: ۱تا ۱۶۔ انگورستان کے مزدوروں کی تمثیل۔

(۲۳۔)۲۱: ۱۴تا ۱۶۔ سردارکاہنوں او رفقیہوں کا جوش کو بُرا منانا۔

(۲۴۔) ۲۱: ۲۸تا ۳۲۔ دوبیٹوں کی تمثیل

(۲۵۔)۲۱: ۴۳تا ۴۴۔ بادشاہی کا دوسری قوم کو دیا جانا۔

(۲۶۔) ۲۲: ۱تا ۱۴۔ شادی کی ضیافت کی تمثیل۔

(۲۷۔) ۲۳: ۱تا ۷۔ فریسیوں اورفقیہوں پر ملامت۔

(۲۸۔)۲۳: ۸تا ۱۲۔ شاگردوں کوآگاہی ۔

(۲۹۔)۲۳: ۱۳تا ۳۶۔ فقہیوں اورفریسیوں پر افسوس۔

(۳۰۔) ۲۴: ۱۰تا ۱۲، ۳۰(الف) آمدِ ثانی سے متعلق ہیں۔

(۳۱۔) ۲۵: ۱تا ۱۳۔ دس کنواریوں کی تمثیل۔

(۳۲۔)۲۵: ۱۴تا ۳۰۔ توڑوں کی تمثیل۔

(۳۳۔)۲۵: ۳۱تا ۴۶ آخری عدالت۔

جب ہم اس ماخذ کے مضامین میں کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر چند باعتیں عیاں ہوجاتی ہیں:

اوّل: اس ماخذ کی فضا انجیل نویس کے دوسرے ماخذ یعنی انجیل دوم سے بالکل جداگانہ ہے۔ اس کی فضا یہودیت کی فضا ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ ماخذ ارضِ مقدس کے یہودی مسیحی نومریدوں سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں شریعت اورانجیل مسیح دوالگ لگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ مسیح موعود کی انجیل خودایک نئی شریعت ہے یا یوں کہو کہ وہ موسوی شریعت کی ایک نئی ایڈیشن ہے"۔ انجیل کوئی نئی مے نہیں جو پرانی مشکوں میں بھری ہو بلکہ وہ وہی پرانی مے ہے جس کا عرق مقطرکرکے کھینچا گیا ہے۔ پس وہ تیز اور قوی الاثر ہے[1]۔

دوم۔ اس ماخذ میں بعض ایسی باتیں ہیں جو یہودی ربیوں کی تصنیفات سے ملتی جلتی ہیں۔ مثلاً ۵: ۷، ۲۸تا ۳۰، ۳۷ کے خیالات تالمود اورمدراش میں بھی پائے جاتے ہیں[2] بعض مقامات میں طرزتحریر ربیوں کی طرز کی سی ہے۔ اس ماخذ میں یہودی اصطلاحات پائی جاتی ہیں مثلاً انجیل کا جُوا اورشریعت کا جُوا۔ آسمانی باپ وغیرہ جس سے ظاہر ہے کہ یہودی مسیحی ربیوں کی فاضل جماعت نے حضرت کلمتہ اللہ کے اُن کلماتِ طیبات کو محفوظ رکھا تھا جن کا تعلق یہودی ربیوں کی تصنیفات سے تھا۔ اس کا مفصل ذکر ہم انشاء اللہ آگے چل کرکرینگے۔

سوم۔ اس ماخذ کی ایک اورخصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیم میں اورمقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی تعلیم میں بہت زیادہ تعلق ہے۔نہ صرف مقدس یوحنا کی تعلیم بلکہ اس تعلیم کے الفاظ بھی اس ماخذ میں پائے جاتے ہیں ۔ مثلاً ۷: ۹ کے الفاظ اور خیالات رسالہ کلمات سے ملتے ہیں (متی ۳:۱۰ ولوقا ۳: ۹) کڑوے دانوں کی تمثیل (۱۳: ۲۴، ۳۰، ۳۶، ۴۳)۔ بڑے جال کی تمثیل (۱۳: ۴۷تا ۵۰)۔ بکریوں اور بھیڑوں کی تمثیل ۲۴: ۳۱تا ۴۶)۔ ضیافت کی تمثیل(۲۲: ۱۱تا ۱۴)۔ کے خیالات کچھ اختلاف کےساتھ وہی ہیں جو بپتسمہ دینے والے کے ہیں اورجو رسالہ کلمات میں موجود تھے۔ (متی ۳: ۱۲،لوقا ۳: ۱۷)۔ان کےمنہ کے الفاظ (متی ۳: ۷، لوقا ۳: ۷)۔ جو رسالہ کلمات میں متی ۱۲: ۳۴ ۔۲۳: ۳۳ میں پائے جاتے ہیں ۔ لیکن تمام انجیل میں کسی اورجگہ نہیں ملتے جس

---

[1] T.W.Manson, The Teching of Jesus (1939)p.34
[2] G.F.Moore, Judaism Vol2.pp.267 ff.

سے ظاہر ہے کہ حضرت کلمتہ اللہ کے پیشرو کے خیالات اور آپ کے خیالات میں تفاوت نہیں پایاتھا۔ جبھی آپ نے فرمایا کہ " جوعورتوں سے پیدا ہوتے ہیں اُن میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑانہیں ہوا"لیکن چونکہ آپ کی انجیل حضرت یوحنا کے ابتدائی خیالات سے بہت آگے بڑھی ہوئی تھی آپ نے ساتھ ہی فرمایا " لیکن جو آسمان کی بادشاہی میں چھوٹاہے وہ یوحنا سے بڑا ہے"(متی ۱۱: ۱۱، لوقا ۷: ۲۸)۔آپ کا یہ قول رسالہ کلمات میں تھا، جس سے یہ بھی عیاں ہوجاتاہے کہ مقدس متی کے مختلف ماخذوں میں نہ تفاوت تھی اورنہ تناقص یا تضاد بلکہ وہ ایک دوسرے کے تکمہ تھے جوایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے تھے ۔ کسی ماخذ میں حضرت کلمتہ اللہ کا ایک قول درج تھا اورکسی میں دوسرا ۔ ماخذوں کے لکھنے والوں نے اپنے اپنے مقصد کے مطابق آپ کے مبارک کلمات کو جمع کیا ہوا تھا۔

(۹۔) صلیب کے واقعات کاایک ماخذ مقدس متی کے سامنے تحریری صورت میں موجود تھا ۔آپ نے مقدس مرقس کے صلیبی واقعہ کے بیان میں اس ماخذ کے الفاظ کو شامل کردیا چنانچہ ۲۶: ۱۴تا ۱۶، ۲۷-۱۹: ۲۴- الخ ۲۷: ۵۱تا ۵۳ ، ۲۷: ۶۲تا ۶۶ ، ۲۸: ۲تا ۴، ۲۸: ۱۱تا ۱۵اِس ماخذ کے حصے ہیں[1]۔

مندرجہ بالا ماخذوں پر سطحی نظر ڈالنے سے بھی یہ ظاہر ہوجاتاہے کہ یہ ماخذ کنعان کے ہیں اورسب کے سب قدیم ترین زمانہ سے متعلق ہیں۔ وہ رسالہ کلمات کے بعد لکھے گئے تھے اورتحریر میں آچکے تھے[2]۔ چنانچہ جرمن نقاد ہارنیک نے اس انجیل کے ماخذوں کی مفصل تنقید کی ہے اوروہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ ماخذ ابتدائی قسم کے ہیں[3]۔

مقدس متی کا طریقہ تالیف یہ ہے کہ وہ مقدس مرقس کی انجیل کے ڈھانچہ کو برقراررکھ کر اس ڈھانچہ میں کسی واقعہ یا بیان کو نقل کرتے وقت دیگر ایسے موزوں بیانات واقعات اورکلمات کو ایزاد کردیتاہے کہ جو اس واقعہ یا بیان سے تعلق رکھتے ہوں۔ مقدس مرقس کی انجیل کو نقل کرتے وقت جب یہ دیکھتاہے کہ کسی واقعہ یا بیان کی تفصیل ایسے دیگر بیانات میں پائی جاتی ہے جو" رسالہ کلمات" میں اُس کے

---

[1] Vincent Taylor, The Formation of Gospel Tradition p.54

[2] Barton, "Prof. Torrey's Theory of Aramic Origin of Gospels.J.T.S Oct,1943.p.358

[3] W.C.Allen,Harnack and Moffat on the Date of the First Gospel's Exp. Times , May 1911 pp.349 ff.

کسی اورماخذ میں موجود ہیں تو وہ اُن ماخذوں کے بیانات یا واقعات اورکلمات کو اُس خاص مناسب اورموزوں موقعہ پر درج کردیتا ہے ۔ مثلاً وہ ۹: ۱۰تا ۱۲ کےکلمات کو طلاق کے سوال سے متعلق کردیتاہے۔ مقدس مرقس کے الفاظ" اول آخرہوجائیں گے اورآخراول" کے بعد وہ تاکستان کے مزدوں کی تمثیل کا ذکرکرتاہے (۱۹: ۳۰)۔ شریر باغبانوں کی تمثیل سے وہ شادی کی دعوت اوردوبیٹوں کی تمثیلیں متعلق کردیتاہے (۲۱: ۳۳)۔

اس موقعہ پر یہ امربھی قابل ذکر ہے کہ مقدس متی حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات کو ہر موزوں موقعہ پر اکٹھا کرکے مجمع کردیتاہے ۔ چنانچہ چارمختلف مقامات پر مقدس مرقس کے مختصر مکالمات شروع کرکے وہ دیگر ماخذوں سے کلمات اکٹھے کرکے جمع کردیتاہے جو لمبے مکالموں کی صورت اختیارکرلیتےہیں۔ مثلاً مقدس مرقس کی سات آیات (۶: ۷۔الخ) انجیل متی میں بیالیس آیات ہوجاتی ہیں(متی ۱۰باب)۔انجیل مرقس کی بارہ آیات (۹: ۳۳ تا ۳۷ ، ۴۲، تا ۴۸) انجیل اوّل میں ۳۵ آیات ہوجاتی ہیں (متی ۱۸باب)۔ انجیل متی میں مرقس کے ۱۳باب کے بیان کو کھول کر واضح کردیا گیا ہے اور۲۵باب میں عدالت کی تمثیلیں بڑھا دی گئی ہیں۔ پہاڑی وعظ کے تمام کلمات کو اس طورپر جمع کیا گیا ہے کہ وہ مرقس کی آیت ۱: ۲۲، متی ۷: ۲۹) کی توضیح ہوجاتے ہیں۔

فصل دوم

مقدس متی کی انجیل کی خصوصیات

ہم گذشتہ فصل میں بتلاچکے ہیں کہ مقدس متی نے اپنی انجیل میں آنخداوند کی تعلیم کوجورسالہ کلمات میں درج تھی ۔پانچ مختلف عنوانوں کے ماتحت یکجا جمع کیا ہے۔ یہ طریقہ ابتدائی ایام کی کلیسیا کی ضروریات کے مطابق تھا[1]۔ کیونکہ ان ابتدائی ایام میں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس نئے "طریق" (اعمال ۹: ۲) کے قوانین وقواعد ضبطِ تحریر میں آئیں تاکہ کلیسیا کے روزافزوں یہودی شرکاء اس نئی شریعت سے واقف ہوجائیں جوایک

[1] Rev.V.C Macmunn, Who Compiled the Sermon on the Mt Exp. Times Feb 1924

شخص نے دی تھی جو حضرت موسیٰ سے بھی بڑا نبی تھا۔ غیر یہودی نومریدوں کے لئے تو یہ ضرورت نہایت اشد تھی تاکہ یہ لوگ جو پہلے بُت پرست اورمشرک تھے سیدنا مسیح کی اخلاقیات کے قوانین اورروحانی معیاروں سے واقف ہوجائیں مقدس متی نے یہودی مومنین کی جماعت کی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر رسالہ کلمات کے مختلف اورمتفرق اقوال کو مختلف عنوانوں کے ماتحت پانچ حصوں میں تورات کی پانچ کتابوں کی تقسیم کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا اورسیدنا مسیح کی تعلیم کو ایک نظام میں منظم کردیا۔

اہل یہود میں پانچ کا عدد اکثر استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ جیسا ہم بتلاچکے ہیں تورات اورزبور کی پانچ کتابیں تھیں اوراسی لحاظ سے اس انجیل میں سیدنا مسیح کے کلمات کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں تین کا عدد بھی اکثر استعمال کیا جاتا تھا اوراس انجیل میں اس عدد کی ۳۸مثالیں پائی جاتی ہیں ۔ مثلاً طفولیت مسیح کے تین واقعات ہیں(۲: ۱تا ۲۳)۔ سیدنا مسیح کی آزمائیشوں کی تین مثالیں دی گئی ہیں۔(۴: ۱تا ۱۱)۔ پہاڑی وعظ میں راستبازی کی تین مثالیں ہیں(۶: ۱تا ۱۸) ۔ تین باتوں کی ممانعت ہے (۶: ۱۹تا ۷: ۶)۔ فکر نہ کرنے کی تین مثالیں موجود ہیں(۶: ۲۵تا ۳۱، ۳۴) ۔ سیدنا مسیح کی زندگی کےواقعات میں شفا پانے کے تین معجزے بتلائے گئے ہیں ۔(۱۸: ۱تا ۱۵)۔ طاقت کے تین معجزے (۸: ۲۳تا ۹: ۸) اوربحالی کے تین معجزے درج کئے گئے ہیں ۔ (۶: ۸تا ۳۴)۔ فریسیوں کو تین نشان(۱۲: ۳۸تا ۴۲) گتسمنی باغ میں تین دعائیں (۲۶: ۳۹، ۴۲، ۴۴)۔سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے تین گواہ موجود ہیں (۲۸: ۱، ۱۰، ۱۱، ۱۵، ۱۶، ۲۰)۔ وغیرہ وغیرہ۔

مقدس متی نے اس انجیل میں تین پانچ سات اوردس کے عدد کو کثرت سے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ عہدِ عتیق کی کتب میں یہ عدد کثرت سے پائے جاتے ہیں ۔ تین سب سے چھوٹا عدد ہے جس میں شروع ، درمیان اورآخرپایا جاتا ہے اوروہ طاق اورجفت کی جمع بھی ہے۔ ہفتہ کے سات دن ہوتے ہیں جن کاتعلق چاند کی مختلف صورتوں سے ہے پس یہ عد کاملیت اورکثرت کا نشان ہے اوراہلِ یہود میں یہ عدد خاص طورپر مقدس سمجھا جاتا تھا۔

اغلب ہے کہ مقدس متی نے تین، پانچ، سات اوردس کے اعداد اس غرض سے استعمال کئے تھے تاکہ معلم اورشاگرد (جو انجیل کو سکھلاتے اورسیکھتے تھے) دونوں کے حافظہ کو مدد مل جائے۔ چنانچہ جان ہاکنس کہتے ہیں[1]۔ " اہل یہود تعلیم کے لئے اس طریقہ کو استعمال کیا کرتے تھے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تورات کی پانچ کتابیں تھیں اورزبور کی پانچ کتابیں تھیں اوراکلی زی ایس ٹیکس Ecclesiastics کے پانچ حصے تھے اورحنوک کی کتاب پانچ حصوں میں منقسم ہے توہم سمجھ سکتے ہیں کہ مقدس متی نے انجیل میں آنخداوند کے کلمات کو بھی پانچ حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصہ کے آخر میں لکھا" جب یسوع یہ باتیں ختم کرچکا تو ایسا ہوا" (۷: ۲۸، ۹: ۱، ۱۳: ۵۳، ۱۹: ۱ اور۲۶: ۱)۔پس اس انجیل کی ترتیب واقعات کی تواریخی بنا پر مرتب نہیں کی گئی بلکہ تواریخی واقعات کو یہودی قالب میں ڈھال کرمرتب کیاگیا ہے۔

[1] Sir.J.C Hawkins, Hore Synoptics p.131

پروفیسر بیکن بھی لکھتا ہے[2] " یہودی تصنیفات کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ وہ اعداد کے لحاظ سے ان کو تقسیم کرتے ہیں بالخصوص خطبات کو وہ پانچ حصوں میں تقسیم کرتے تھے اوران حصوں کے شروع اورآخر میں خاص مقرری الفاظ کا استعمال یہودی روایات کا حصہ ہے۔۔۔۔ اسی لحاظ سے انجیل متی کے بھی پانچ حصے ہیں۔ تمہید ابواب ۱۔ ۲۔ کے بعد پہلا حصہ شروع ہوتا ہے (باب ۳تا ۷)۔ دوسرا حصہ ابواب ۸ تا۱۰ پر مشتمل ہے۔پانچواں حصہ ۱۹تا ۲۵ پر شامل ہے۔ اورباب ۲۶ تا ۲۸ تمتہ ہیں۔ اس انجیل کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ سیدنا مسیح کی یہ پانچ کتابیں تورات شریف کی پانچ کتابوں کی تکمیل ہیں"۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ دوازدہ رسول آنخداوند کے کلماتِ طیبات کے تورات کے الفاظ کی طرح الہامی گردانتے تھے۔(یوحنا ۱۸: ۳۲، مرقس ۱۰: ۳۲تا ۳۵۔ متی ۱۲: ۸، ۴۱، ۴۲، یوحنا ۱۳: ۱۸، ۱۸: ۹ وغیرہ)۔

[2] Prof.B.W.Bacon, "Five Books of Matthew against Jews, Expositor, January, 1918 pp.56-66

اس انجیل کی تمام فضا یہودی ہے ۔ چنانچہ ایک یہودی عالم کوہلر کہتا ہے[1] کہ" متی کی انجیل اہل یہود کی طرززندگی اوریہودی خیالات کے قریب ترین ہے۔ وہ یہودیمسیحیوں کے لئے لکھی گئی تھی اوراس میں ارامی اصطلاحات کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے"۔

اس انجیل میں قدیم یہودی محاورات کثر ت سے استعمال کئے گئے ہیں ۔ مثال کے طورپر(۱۔)" آسمانوں کی بادشاہت ۲۲دفعہ۔ (۲۔) ابنِ داؤد ۹: ۲۷۔ ۲۱: ۹ وغیرہ۔یہ خطاب یہودی ربی صرف مسیح موعود کےلئے ہی استعمال کرتے تھے۔(۳۔) مقدس شہر بزرگ بادشاہ کا شہر (۴: ۵۔ ۲۷: ۵۳۔ ۵: ۳۵۔(۴۔) اسرائیل کا خدا (۱۵: ۳۱۔ (۵۔) خطاب" باپ جو آسمانوں پر ہے " خدا کے لئے ۱۳ دفعہ وارد ہوا ہے۔ یہ محاورہ " آسمانوں پر ہے" کسی اورانجیل میں نہیں پایا جاتا(۹۔)" تمہارا آسمانی باپ" ۶دفعہ آیا ہے۔(۷۔) " کتے اورسور" (۷: ۶) ۔(۸۔) لفظ " جوا بمعنی تعلیم ، شریعت کا جوُا۔ بادشاہی کا جوا ، یہودی محاورہ ہے (۱۱: ۲۹تا ۳۰)۔ " گوشت اورخون" ۔ عالم ارواح کےد روازے" ، " باندھنا اور کھولنا(۱۶: ۱۷تا ۱۹)۔ (۱۰۔) " باہر اندھیرے ہیں " (۸: ۱۱۔ ۲۲: ۱۳۔ ۲۵: ۳۰، (۱۱۔) ۲۶: ۲۹۔ کے تمام الفاظ" میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیوں گا اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں نیا نہ پیوں"۔ سب کے سب یہودی محاورات ہیں۔ یہ چند مثالیں بطور مشتے نمونہ ازخروارے پیش کی گئی ہیں۔

اس انجیل کے لکھنے کا مقصد یہ ہی تھا کہ آنخداوند کی مسیحائی عظمت وشان کا سکہ یہودی مسیحیوں پر بیٹھ جائے۔ اوریہ مقصد پہلی آیت ہی سے ظاہر ہے " یسوع مسیح ابنِ داؤد، ابنِ ابراہام"۔

مصنف مسیح موعود کے دعاوی کے ثبوت میں یہ پیش کرتا ہے (۱۔) اس کا نسب نامہ اورپیدائش کے وقت آسمانی مکاشفہ (باب ۱تا ۴)۔(۲۔) اس نے اپنے سہ گونہ منصب (نبی ، کاہن اوربادشاہ) سے مسیحائی کو ثابت کردیا(باب : ۵: ۱۶)۔ (۳۔) اس نے اپنی بادشاہی کے اصل

[1] Quoted in St.Matthew (Century Bible)p.43

مطالب کو اوراس کے مستقبل کو ظاہر کردیا (باب ۱۶تا ۲۰)۔ (۴۔) اس کی قربانی عجز اورحلیمی (باب ۲۱تا ۲۴)۔ (۵۔) اس نے یہودی قوم کی تباہی کا فتویٰ دیا اورموجودہ دورپربھی فتویٰ صادرکیا (باب ۲۴تا ۲۵)۔ (۶۔) اس نے اپنی جان کو قربان کردیا۔(باب ۲۶تا ۲۷)۔ (۷۔) اس کی ظفریاب قیامت نے اورکبریا کے دہنے بیٹھ کر اختیارجتلانے نے بھی مسیحائی کے دعویٰ کو ثابت کردیا(باب ۲۸)۔ اس انجیل کا یہودی رنگ ڈھنگ اور روپ اس کی ایک ایک سطر سے ظاہر ہے۔ ارضِ مقدس کنعان" اسرائیل کا ملک " ہے (۲: ۲۱)۔ جس کے باشندے قوم" اسرائیل ہیں(۸: ۱۰)۔ وہ" اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیں" ہیں (۱۰: ۶)۔ اس ملک کے قصبے اسرائیل کے شہر" ہیں(۱۰: ۲۳)۔ اوراس ملک کا خدا" اسرائیل کا خدا" ہے (۱۵: ۳۱)۔ یروشلیم" مقدس شہر" ہے ۔ انجیل کی ہرسطر سے ظاہرہے کہ مصنف کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہودی مسیحیوں کے لئے ایک انجیل تالیف کرے تاکہ" جن باتوں کی انہوں نے تعلیم پائی ہے۔ ان کی پختگی اُن کو معلوم ہوجائے"۔

ہم گذشتہ فصل میں بتلاآئے ہیں کہ مقدس متی نے رسالہ اثبات سے بارہ مقامات میں پیشینگوئیاں نقل کی ہیں تاکہ یہودی مسیحیوں پر واضح ہوجائے کہ مسیح موعود کے واقعاتِ زندگی کی نبوتیں انبیائے سابقین کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس طرراستدلال سے ثابت کیا گیا ہے کہ یسوع ناصری عہدِ عتیق کا مسیح موعود ہے جو داؤد اورابراہام کی نسل سے پیدا ہوا کیونکہ وہ" یہودیوں کا بادشاہ" تھا(۲: ۲) وہ یروشلیم میں شاہانہ طورپر وارد ہوا (۲۱: ۴تا ۵)۔ اس کی موت خدا کے عین منشا کے مطابق ہوئی (۱۶: ۱۱، ۲۳)۔ جس کی انبیائے سابقین نے خبردی تھی(۲۶: ۲۴، ۵۴) اوریہ موت گناہوں کی معافی کے لئے تھی(۲۶: ۲۸)۔ چونکہ اس کی پیدائش کنواری کے بطن سے ہوئی لہذا وہ خدا کا بیٹا تھا(۳: ۱۷)۔ مسیح موعود خدا کا محبوب تھا(۳: ۱۷)۔ وہ ابنِ آدم تھا جو دانی ایل نبی کے قول کے مطابق آسمان کے بادلوں پر آئیگا۔

پس جیسا کل پیٹرک کہتا ہے[1] " جس ماحول میں یہ انجیل لکھی گئی وہ خصوصیت کے ساتھ یہودی مسیحیوں کی

[1] Rev.G.W.Kilpatrik, The Origin of the Gospel of St.Matthew (Oxford University Press).

جماعت ہے اوریہ مسیحی جماعت اس بات پر تلی ہوئی ہے کہ وہ اپنی کلیسیائی زندگی یہودیت سے الگ بسرکرے۔ اس مسیحی جماعت کا سابقہ ایسی کٹریہودیت کے ساتھ پڑا تھا جس میں ربیوں کی تعلیم جاری تھی"۔

مقدس متی اس انجیل میں اس حقیقت پر زوردیتا ہے کہ انجیل کا پیغام پہلے پہل اہل یہود کے لئے تھا۔ سیدنا مسیح نے اپناکام اہل یہودتک محدود رکھا(۱۵: ۲۴)۔ جب آپ نے شاگردوں کو بشارت کے لئے بھیجا تو ان کوبھی یہی حکم دیا(۱۰: ۵-۶)۔

اس انجیل میں خاص طورپر بتلایا گیا ہے کہ سیدنا مسیح شرع کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کے لئے آئے ہیں(۵: ۱۷)۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۵: ۲۱تا ۴۸)۔ میں شرع کی اس تاویل کا ذکر ہے جو آنخداوند کے ہم عصر فقیہ کیا کرتے تھے اورسیدنا مسیح کے حملے موسوی شرع پر نہیں کئے گئے بلکہ فقہا کی تاویل پر ہیں" جوبھاری بوجھ (تھی (۲۳: ۴، ۲۳)۔ غرض انجیل کے واقعات یہودی قوم اوریہودی شریعت کے محوکے گرد گھومتے ہیں ۔ پرانا عہدِ تجدید پاکر" نیا عہد" بن جاتاہے۔ شریعت کی ممنوعات انجیل کے اصول کے ماتحت قائم اوربرقرار رہتی ہیں اورمسیح موعود کے وسیلے تمام قومیں برکت پاتی ہیں ۔ کیونکہ مسیح موعود" ابن ابراہیم" ہے(۱: ۱)۔ پرانے عہد نامہ کی نبوت تعلیم میں اورکہانت صلیب کے کفارہ میں پوری ہوجاتی ہے[۱]۔

فصل سوم

مقدس متی کی انجیل کی قدامت اورپایہ اعتبار

گذشتہ دو فصلوں میں ہم نے انجیلِ اوّل کے ماخذ اور خصوصیات پر بحث کی ہے جن سے یہ پتہ چلتاہے کہ گویہ انجیل کلیسیا کے ابتدائی ایام میں نہیں لکھی گئی تھی جس طرح مقدس مرقس کی انجیل لکھی گئی تھی۔ تاہم اس کا تعلق کلیسیا کی زندگی کے پہلے بیس تیس سال کے ساتھ ہے۔ اس انجیل کے ماخذ ثابت کرتے ہیں کہ یہ انجیل اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کلیسیا ارضِ مقد کے مختلف مقامات میں سیدنا مسیح کی تعلیم کے لئے رسالہ کلمات اور صلیبی واقعہ کے لئے انجیل دوم، اورسیدنا مسیح کی مسیحائی ثابت

[1] Helps to the Study of the Bible(2nd ed.1931)pp.141-42

کرنے کے لئے رسالہ اثبات استعمال کرتی تھی اوران رسالوں کے علاوہ مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے رسالے، پارے اوردو ورقہ یا چارورقہ رسالے یا دستی ورق تھے۔ جوان لوگوں نے جا بجا لکھے تھے " جو خود دیکھنے والے اورکلام کے خادم تھے"۔ یہ انجیل اس زمانہ میں لکھی گئی جب ابھی وہ لوگ زندہ تھے جو چشم دید گواہ تھے اورفخریہ کہتے تھے " ہم نے اس زندگی کے کلام کو سنا اوراپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ غورسے دیکھا اوراپنے ہاتھوں سے چھوا"۔ کیونکہ یہ انجیل اس زمانہ میں تالیف کی گئی جب آنخداوند کے سامعین کی نسل ابھی زندہ تھی (۱۶: ۲۸)۔ اوروہ " پشت تمام نہ ہوئی " تھی (۲۴: ۳۴)۔ جس نے سیدنا مسیح کے کلمات کو سنا اورمعجزات کو دیکھا تھا۔

یہ کلیسیا کے پہلے تیس سالوں کا نقشہ تھا۔ پس مقدس متی نے اپنی انجیل کو تصنیف کیا تاکہ کلیسیا کو چھوٹے چھوٹے اوردو ورقہ یا چارورقہ رسالے جو مختلف مقامات میں مروج تھے، استعمال کرنے نہ پڑیں۔ پس آپ نے ایک جامع انجیل تالیف کرنے کا تہیہ کیا جس میں آپ نے اپنے رسالہ کلمات اور دیگر اوراق کو نقل کیا اورانجیل دوم کو بھی نقل کرکے کلیسیا کے ہاتھوں میں ایک ایسی انجیل دے دی جس میں آپ نے سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات ، طفولیت سے لے کرآپ کے صعودِ آسمانی تک انجیل دوم کے ڈھانچہ کے مطابق ترتیب سے جمع کئے اورآنخداوند کی تعلیم کو بھی اپنی خاص ترتیب کے مطابق جیسا ہم بتلاچکے ہیں مرتب کیا ۔ جب یہ انجیل لکھی گئی اورمختلف کلیسیاؤں میں نقل ہوکر مروج ہوگئی توکلیسیا کو اُن چھوٹے چھوٹے رسالوں اورپاروں اوراوراق کی ضرورت نہ رہی جو اس انجیل میں نقل کئے گئے تھے۔ تاریخ کلیسیااس بات کی گواہ ہے کہ جونہی یہ انجیل لکھی گئی وہ مقبول عام ہوگئی۔

مقدس متی کے تمام ماخذ جواس نے اپنی انجیل میں نقل کئے قدیم ترین ماخذ تھے۔ رسالہ کلمات حضرت کلمتہ اللہ کے حین حیات میں ہی لکھ دیا گیا تھا۔ رسالہ اثبات کلیسیا کے اوّلین معلموں کی فاضل جماعت نے لکھا تھا۔ مقدس مرقس نے رسولوں کی " منادی" کے مطابق اپنی انجیل کو قدیم ترین ماخذوں سےتالیف کیا تھا اوروہ ہرجگہ مستند تسلیم کی

جاتی تھی۔جو ماخذ مقدس متی نے خود جمع کئے وہ بھی سب کے سب قدیم ترین زمانہ کے تھے۔ پس یہ تمام کے تمام ماخذ پایہ اعتبار کے لحاظ سے اوّل درجہ کی معتبر تحریریں تھیں۔ مسیحی اورغیر مسیحی عالما گذشتہ پونے دوسوسال سے ان امور پر بحث کررہے ہیں کہ اوراب یہ نتائج ایسے ہی یقینی اوربنیادی شمار ہوتے ہیں جیسے کسی دوسری سائنس مثلاً علمِ کیمیاوغیرہ کے نتائج یقینی اوربنیادی شمارکئے جاتے ہیں[1]

(۲)

گذشفہ فصل میں ہم بتلاچکے ہیں کہ مقدس متی کی انجیل ابتدا سے لے کر آخر تک یہودی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ اس کے تصورات یہودی، اس کی فضا یہودی ،اس کا دائرہ نظر یہودی اس کے حصوں کی تقسیم یہودی اوراس کا طرز تحریر یہودی غرضیکہ اس کا تمام رنگ ڈھنگ یہودیت کے متعلق ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اہل یہود کی خاطر مقدس متی نے لکھی تھی تاکہ یہود سیدنا مسیح کے حلقہ بگوش ہوجائیں اوریہودی نومریدوں کا ایمان مستحکم اورمضبو ہوجائے۔

اس مقصد سے بھی ہم کومعلوم ہوجاتاہے کہ یہ انجیل اس وقت لکھی گئی تھی۔ جب " خدا کا کلام پھیلتا گیا اور یروشلیم میں شاگردوں کا شمار بہت ہی بڑھ گیا" تھا اوران ایمان لانے والے مرد اور عورت سیدنا مسیح کی جماعت میں کثرت سے شامل " ہوچکے تھے اور"کاہنوں کی بڑی گروہ اس دین کی تحت میں ہوگئی تھی"۔ خاص یروشلیم میں " یہودیوں میں ہزارہا آدمی ایمان " لاچکے تھے۔ ارضِ مقدس کے دیگر مقامات کی کلیسیاؤں میں ہزارہا یہودی شامل تھے اورارضِ مقدس کے باہر بھی کلیسیاؤں کی ایک بڑی اکثریت یہودیوں پر ہی مشتمل تھی۔ اعمال کی کتاب اورپولوس رسول کے خطوط سے پتہ چلتاہے کہ یہ یہودی نومرید نہایت جوشیلے، بارسوخ، اورمقتدرلوگ تھے (اعمال ۱۵: ۱، ۵، ۲۴-۱کرنتھیوں۷: ۱۸- گلتیوں ۱۲: ۱۴اور۵: ۲ وغیرہ)۔ یہ نومرید ایسے زبردست تھے کہ رسولوں کو بھی اُن کےآگے بعض اوقات جھکنا پڑتا تھا (اعمال ۲: ۱۷، ۲۶- گلتیوں ۲: ۱۲ وغیرہ)۔ یہ یہودی نومرید

1

موسوی شریعت کے سخت پابند تھے۔" وہ سب شریعت کے بارے میں سرگرم تھے اوراس بات کی برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ کوئی " موسیٰ سے پھر جانے کی تعلیم " دے اور" ختنہ نہ کرائے" اور" موسوی رسموں" پر نہ چلے(اعمال ۲۱: ۲۰تا ۲۱) بالفاظ انجیل متی ان کا یہ عقیدہ تھاکہ " جب تک آسمان اور زمین نہ ٹل جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلیگا" (۵: ۱۸)۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی " راستبازی " فقہیوں اور فریسیوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہونی چاہیے (۵: ۲۰)۔ کیونکہ ان کی راستبازی کی بنیاد عہدِ عتیق کے حقیقی مفہوم کو بہتر طورپر سمجھنے اورجاننے کی وجہ سے زیادہ استوارہوگی(۵: ۲۱، ۴۸)۔

یہ انجیل اُن یہودی نومریدوں کے خیالات ، تصورات اورجذبات کاآئینہ ہے۔ اس سے ہم کواس فاضل اورزبردست گروہ کے حقیقی مقاصد اورمطالب کا پتہ چلتا ہے۔ اس انجیل کا مصنف انہی خیالات اور تصورات کے رنگ میں ڈوبانظر آتا ہے۔ اس کے عقائد وہی ہیں جو اس فاضل جماعت کے تھے۔ اس کے خیال میں شریعت کے تمام احکام ودامی ہیں چنانچہ جب یہ انجیل نویس مرقس ۷: ۱۴، ۲۳ کونقل کرتا ہے توان آیات کے الفاظ نرم کرکے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس مقام کا تعلق خوراک کے حرام حلال ہونے کےسوال سے نہیں ہے بلکہ اس کا یہ خیال ہے کہ یہ قوانین بدستور قائم رہینگے(۱۵: ۱۔ ۳۸)۔ علیٰ ہذا القیاس طلاق کے متعلق جب ہم مرقس (۱۰: ۱۔ ۱۲)کا مقابلہ متی (۱۹: ۱تا ۹) سے کرتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ انجیل نویس کتاب استشنا (۲۴: ۱تا ۲) کی اجازت کا جواز پیش کرتا ہے۔استشنا کا دوگواہوں کی موجودگی کا حکم بھی اس انجیل میں درج ہے (۱۸: ۱۶، دیکھو ۲کرنتھیوں ۱۳: ۱)۔ سبت کا حکم بھی موجود ہے (۲۴: ۲۰) وغیرہ۔ اس انجیل نویس کے دائرہ نظرکی وسعت بھی اتنی ہی ہے جواُن یہودی نومریدوں کے گروہ کی تھی۔مسیح موعود کے مناد اس سے پہلے کہ وہ اسرائیل کے شہروں میں پھریں مسیح موعود کی آمدکو دیکھ لینگے(۱: ۲۳)۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی " زمانہ کاآخر" ہوگا(۲۴: ۳) اس سے پہلے کہ موجودہ نسل کا خاتمہ ہو(۲۴: ۳۴) سردارکاہن اوراس کے ساتھی " ابن آدم کوآسمان کےبادلوں" پرآتے دیکھینگے(۲۶: ۶۴)۔ یہ

انجیل نویس اسی اُمید میں زندہ تھا کہ وہ مسیح موعود کو اپنی بادشاہی قائم کرتے دیکھے گا۔

بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہودیت اورمسیحی کلیسیا میں روزاوّل ہی سے عداوت اوردشمنی موجود تھی اور کہ یہودی مسیحی یہودیت کے ہرایک تصورکو خیرباد کہکر ہی مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوتے تھے لیکن یہ بات حقیقت سے دورہے۔ اعمال کی کتاب کے پہلے بارہ باب کا مطالعہ ظاہر کردیتا ہے کہ پہلے پہل کٹریہودیوں اورمسیح موعود کے ماننے والوں میں کوئی ایسی مغائرت نہ تھی ۔ مسیحی یہودی ہیکل میں عبادت کرتے تھے (۲: ۴۶، ۳: ۱، ۵: ۱۲ وغیرہ)۔ اگرچہ اُن کی الگ عبادت بھی ہوتی تھی (۱: ۱۳، ۲: ۴۶، ۴: ۲۳۔ وغیرہ) لیکن یہ جداگانہ عبادت ہیکل کی عبادت کی جگہ نہیں لیتی تھی۔

مرقس کی ماں مریم کا گھر ان مسیحیوں کا مرکز تھا(۱۲: ۱۲)۔لیکن یہ گھر یروشلیم کی ہیکل کا حریف نہ تھا۔ کلیسیا کے کوئی گرجا گھر نہیں تھے۔ یہودی صرف اس" طریق" کو بدعتی خیال کرتے تھے (۲۴: ۵)۔ لیکن مسیحیت کوئی جداگانہ جماعت نہ تھی۔ یہودیوں کے مختلف حلقوں کے لوگ اسکے حلقہ بگوش تھے(۲: ۴۷، ۵: ۱۳، ۲۱: ۲۰)۔ فریسی اورکاہن بھی اس فرقہ میں شامل ہوچکے تھے(۱۵: ۵، ۶: ۷)۔ ان کا امتیازی عقیدہ یہ تھاکہ مسیح موعود کا ظہور ہوچکا ہے اوروہ یسوع ناصری ہے (مرقس ۸: ۲۹)۔جس کی مسیحائی پر خدا نے اس کو مردوں میں سے زندہ کرکے مہر لگادی (۲: ۳۶۔ ۳: ۱۹ وغیرہ)۔ وہ دنیا کا انصاف کرنے کےلئے (۳: ۲۱، ۱۰: ۴۲، ۱۷: ۳۱) پھر دوبارہ آئیگا۔ تب دنیا کا موجودہ دورختم ہوجائیگا اورمسیحائی دورکاآغازہوگا۔

یہ تصورات کلیسیا میں تب تک ہی غالب رہے جب تک اس میں غیریہود کی اقلیت اوریہود کی اکثریت رہی لیکن یہ حالات چند سال تک ہی رہے۔ مختلف وجود کے باعث اورغیریہودمسیحیوں کی روزافزوں تعداد کی وجہ سے ۵۰ء کے بعد حالات روزبروزدگرگوں ہوتے گئے ۔ ہزارہا غیریہود منجی عالمین کے حلقہ بگوش ہوگئے۔جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ارضِ مقدس کے اندراورباہر لاکھوں غیریہود نومرید کلیسیا میں شامل ہوگئے ۔ یروشلیم کی تباہی کے بعد توکلیسیا کی کایا ہی پلٹ گئی۔ یہودی قوم پراگندہ ہوکردنیا کے چاروں کونوں

میں تتر بتر ہوگئی اورکلیسیا میں جو رسوخ اس کو ۳۰ء اور ۵۵ء کے درمیان حاصل تھا۔ وہ رفتہ رفتہ جاتا رہا اورہیکل کی تباہی کےبعد ختم ہوگیا۔

پس یہ انجیل یروشلیم کی تباہی کے بعدکسی صورت میں بھی لکھی نہ گئی کیونکہ اس واقعہ کے بعد اس انجیل کا نکتہ نظرکلیسیا کے لئے کسی مصرف کا نہ رہا تھا۔ انجیل کی اندرونی شہادت سے ثابت ہے کہ یہ اُن حالات میں لکھی گئی تھی جو ۵۰ء کے لگ بھگ کے تھے۔ پس یہ انجیل آنخداوند کی وفات کے بیس برس بعد اُن قدیم ترین ماخذوں سے مرتب کی گئی جن میں سے ایک سیدنا مسیح کی حین حیات میں لکھا گیا اورباقی دورِاوّلین میں چشم دید گواہوں نے لکھے تھے اوراُمور اس کے رفیع پایہ اعتبارپر شاہد ہیں۔

باب سوم

انجیلِ لوقا کی تالیف

فصلِ اوّل

انجیلِ لوقا کے ماخذ

مقدس لوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں صاف لکھتے ہیں کہ آپ نے ماخذوں کا استعمال کیا ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں " چونکہ بہتوں نے اس بات کو ہاتھ میں لیا ہے کہ جن باتوں پر ہمارا ایمان ہے اُن کو بیان کریں جیساکہ اُنہوں نے جو شروع سے خود یکھنے والے اورکلام کے خادم تھے اُن کو ہم تک پہنچایا ہے اس لئے اے عزت مآب تھیوفلس مجھے بھی یہ بھلا معلوم ہوا کہ چونکہ میں ابتدا ہی سے سب باتوں سے ٹھیک ٹھیک واقفیت رکھتا ہوں تاکہ ان کوآپ کے لئے ترتیب وارلکھوں کہ آپ کو یہ علم ہوجائے کہ جن باتوں کی آپ نے تعلیم پائی ہے وہ یقینی ہیں(۱: ۱تا ۴)۔

(۱۔) آیت ۳ میں یونانی لفظ " پیراکولوتھیو" کا ترجمہ ہم نے واقفیت کیا ہے ۔ پروفیسر کیڈبری کہتے ہیں[1] کہ اس لفظ کے معنی ہیں " کسی کے پہلو بہ پہلو چلنا" گو یہاں لفظ معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس مقام میں اس لفظ کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ مقدس لوقا واقعات کی جائے وقوع پر خود حاضر تھے اوران واقعات میں حصہ لینے والے تھے۔ اگر پروفیسر مذکورہ کے یہ معنی درست ہیں تو اس انجیل کا مصنف یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خود ان واقعات کا کم ازکم ان میں سے بعض واقعات کا چشم دید گواہ ہے۔ جس طرح وہ اعمال کی کتاب کے ان واقعات کا چشم دید گواہ ہے جن کے ذکر میں لفظ" ہم "آتا ہے (۱۶: ۱، ۱۷، ۲۰: ۶ تا ۲۸: ۱۶)۔جس کا مطلب یہ ہے کہ مقدس لوقا پہلی صدی کے شروع میں پیدا ہوا اورآنخداوند کاہم عصر تھا۔ پروفیسر موصوف کہتے ہیں کہ اس لفظ کا یہ مطلب ہے کہ مقدس لوقا نے اپنی انجیل کو ابتدائی زمانہ میں تالیف کیا تھا اوراس کے بہت سے واقعات کا وہ چشم دید گواہ تھا۔ پس وہ انجیل لکھنے سے پہلے ان واقعات سے نہ صرف بخوبی واقف تھا بلکہ ان سے بلاتوسط براہِ راست واقف تھا۔

مقدس پولوس کے الفاظ (کلسیوں۴: ۱۴) سے پتہ چلتاہے کہ مقدس لوقا غیر یہود تھے۔ کیونکہ آیت ۱۱ میں مقدس پولوس ان لوگوں کے نام اکٹھے لکھتا ہے جو" مختونوں" میں سے آپ کے ساتھ تھے۔ وہ آپ کا" پیارا طبیب " تھا۔ وہ نہ صرف آپ کے سفروں میں آپ کا ساتھی تھا (کتاب اعمال ۱۶: ۱۰، ۱۸- ۲۰: ۵تا ۲۱: ۱۷ ، ۲۷: ۱ تا ۱۸: ۱۶)۔ بلکہ اس نے آخری ایام تک آپ کا ساتھ دیا(۲۸: ۳۱)۔

مورخ یوسیئبس اورمقدس جیروم ہم کو بتلاتے ہیں کہ مقدس لوقا انطاکیہ کا باشندہ تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اعمال ۱۱: ۲۸ میں لفظ" ہم " بھی آیا ہے ڈاکٹر کیڈ بری کا مندرجہ بالا نظریہ درست ہے تو مقدس لوقا آنخداوند کے بعض سوانح حیات کا چشم دید گواہ بھی تھا۔ بہر حال اس کو انجیل کے جمع کرنے کے بیشمار موقعے حاصل تھے۔

---

[1] Prof.H.J.Cadbury, The Knowledge Claimed in Luke's Preface in Expositor December 1922, See also his commentary on Luke's Preface part 1. Vol11 of Beginnings of Christianity.

(۲۔) مقدس لوقا نے جیسا ہم حصہ اول کے باب پنجم میں ذکر کرچکے ہیں اپنی انجیل میں رسالہ کلمات کو نقل کیا ہے۔انجیل اول کے مصنف نے اس رسالہ کے اقوال کو مختلف عنوانات کے ماتحت ایک جگہ جمع کردیا ہے ۔ لیکن مقدس لوقا ایسا نہیں کرتے بلکہ وہ مقدس مرقس کی انجیل کے خاکہ اورڈھانچہ کےمطابق واقعات کوترتیب دے کر" رسالہ کلمات" کے اقوال کوان کی " شان نزول" یعنی موقعہ اورمحل کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔ رسالہ کلمات کے جو اقوال مقدس مرقس نے جمع کئے ہیں اُن کو نقل کرتے وقت مقدس لوقا رسالہ کلمات کے الفاظ کو قدرتی طورپر ترجیح دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کا خیال ہے کہ مقدس لوقا کی انجیل میں آنخداوند کے اقوال کی اصل ترتیب موجود ہے۔ چنانچہ مرحوم کینن سٹریٹر کا یہی نظریہ ہے۔

(۳۔)مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کا بھی استعمال کیا ہے۔ آپ مقدس مرقس سے بخوبی واقف بھی تھے(اعمال ۱۲: ۲۵، ۱۳: ۱۳، ۱۵: ۳۷، کلسیوں ۴: ۱۰، ۱۴ ، فلیمون ۲۴: ۲ تموتھی ۴: ۱۱)۔ اس ذاتی واقفیت کی وجہ سے ایک وہ آپ کے معتبر گواہ ہونے سے بھی واقف تھے۔ پس آپ نے اس کی انجیل کو بطورایک ماخذ استعمال کیا۔ انجیل سوم میں کل آیات کی تعداد ۱۱۴۹ ہے۔ ان میں مقدس مرقس کی انجیل کی ۶۶۱ آیات میں سے ۳۵۵ آیات موجود ہیں۔ مقدس لوقا نے نہ صرف مقدس مرقس کی آیات کو ہی نقل کیا ہے بلکہ " جیسا ہم بتلاچکے ہیں ، اس نے انجیل دوم کے خاکہ اور ڈھانچہ کی ترتیب کوبھی براقراررکھا ہے۔

(۴۔)اس انجیل کے بعض مقامات میں نسوانی انداز پایا جاتا ہے اور بعض مقامات میں مضامین ایسے ہیں جو صنفِ نازک کے لئے ہی دلچسپی کا موجب ہوتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم کہ ان مقامات کو مقدس لوقا نے اُن عورتوں سے حاصل کیا تھا جن سے وہ واقف تھا ۔ مثلاً فلپس مبشر کی بیٹیاں " جو نبوت کرتی تھیں" (اعمال ۲۱: ۹) اور" بعض عورتیں جنہوں نے بُری بدروحوں اوربیماریوں سے شفا پائی تھی اور بہتیری اور عورتیں جو اپنے مال سے خدمت کرتی تھیں (لوقا۸: ۲تا ۳) ان میں سے " یوآنہ ہیرودیس کے دیوان خوزہ کی بیوی" سے مقدس لوقا نے ۲۳: ۶تا ۱۲ حاصل کیا کیونکہ یہ

واقعه صرف وہی بیان کرتا ہے۔ اسی خاتون سے اس نے ۱۲:
۳۱تا ۳۳ حاصل کیا تھا۔

مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی پیدائش اور حضرت کلمتہ اللہ کی پیدائش کے بیانات کا سطحی مطالعہ بھی غبی سے غبی شخص پر ظاہر کردیتا ہے کہ یہ بیانات کسی عورت کے ہی بتلائے ہوئے ہیں۔اوریہ یا تو مقدسہ مریم خود تھیں یا اُن کی کوئی رازدار سہیلی تھی ۔ الیشع اورحنا (۱: ۵، ۲: ۳۶) انجیل سوم کے زمانہ میں اس دارفانی سے کوچ کر گئی تھیں لیکن مقدس لوقا بہتیری دیگر عورتوں کے نام بتلاتا ہے جو ابتدائی زمانہ میں کلیسیا میں مشہور تھیں مثلاً مقدس مرقس کی ماں مریم تابیتھا یا ڈارکس ،بیت عنیاہ کی مارتھا اور مریم ، پرسکلہ ، لدیا وغیرہ جوان نسوانی مضامین سے واقف تھیں۔

(۵۔) مذکورہ بالا ماخذوں کے علاوہ مقدس لوقا نے مختلف تحریری پاروں اوررسالوں سے فائدہ اٹھایا جواُن سے پہلے " بہتوں نے " لکھے تھے۔ لفظ " بہتوں" سے یہ ثابت ہے کہ یہ پارے اوررسالے تعداد میں دو یا تین نہیں تھے کیونکہ دوتین یا چاررسالوں پر لفظ" بہتوں" کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ پس یہ رسالے تعداد میں بہت تھے ۔ گویہ کوئی مستقل کتب خانہ نہیں تھا۔

اس دیباچہ میں لفظ" شروع" کا مطلب اس مصنف کی دوسری تصنیف یعنی کتابِ اعمال سے معلوم ہوجاتا ہے یعنی " یوحنا بپتسمہ سے لے کرسیدنا مسیح کے ہمارے پاس سے اٹھائے جانے تک"(۱: ۲۲)اس عرصہ کے واقعات کے ماخذوں سے کام لیا گیا ہے ۔ مرقس کی انجیل بھی اس تاویل کی مصدق ہے کیونکہ اس کا بیان " یوحنا کے بپتسمہ" سے شروع ہوتا ہے اوررسول اسی واسطے مقرر ہوئے تھے ، تاکہ وہ ان چشم دید باتوں کے گواہ ہوں(اعمال ۱: ۸، ۲: ۳۲، ۳: ۱۵، ۴: ۲۰، ۵: ۲۲ وغیرہ)۔پس ان چشم دید باتوں میں سے مقدس لوقا نے حسب ذیل واقعات نقل کئے[1]:

یہ واقعات صرف انجیلِ لوقا میں پائے جاتے ہیں :

(۱۔) ۱: ۵تا ۲۵۔ مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی ولادت کابیان۔

[1] The Mission & Message of Jesus pp.259-295

(۲۔)۱: ۲۶تا ۳۸۔ فرشتے کا مقدسہ مریم کو بشارت دینا۔

(۳۔) ۱: ۳۹تا ۵۶۔ مقدسہ مریم اور بی بی الیشبع کی ملاقات۔

(۴۔)۱: ۵۷تا ۸۰ ۔ مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کی پیدائش۔

(۵۔)۲: ۱تا ۲۰ ۔ سیدنا مسیح کی پیدائش ۔

(۶۔) ۲: ۲۲تا ۳۹۔ مقدسہ مریم کی طہارت اورہیکل میں سیدنا مسیح کو لے جانا۔

(۷۔)۲: ۴۰ جنابِ مسیح کا قدوقامت میں بڑھنا۔

(۸۔)۲: ۴۱تا ۵۲ ۔ جنابِ مسیح کی ہیکل میں یہودی ربیوں سے ملاقات ۔

(۹۔) ۳: ۲۳تا ۳۸۔ سیدنا مسیح کا نسب نامہ ۔

(۱۰۔)۷: ۱۱تا ۱۷۔ نائین کی بیوہ کے بیٹے کو زندہ کرنا۔

(۱۱۔) ۷: ۳۶تا ۵۰ ۔ سیدنا مسیح اوروہ عورت جس نے زیادہ محبت کی ۔

(۱۲۔)۸: ۱تا ۳۔ ان عورتوں کے نام جو سیدنا مسیح کی خدمت کرتی تھیں۔

(۱۳۔) ۹: ۵۱تا ۵۶۔ بے فیض سامری۔

(۱۴۔)۹: ۶۰(ب)۔۶۲ ۔ شاگردی کی شرط

(۱۵۔) ۱۰: ۱تا ۲۰۔ ستر شاگردوں کا تبلیغی سفر۔

(۱۶۔) ۱۰: ۳۸تا ۴۲۔ مارتھا اورمریم

(۱۷۔)۱۳: ۱تا ۵۔ پلاطوس کا گلیلیوں کو قتل کروانا۔

(۱۸۔)۱۳: ۱۰تا ۱۷۔ کبڑی عورت کا شفا پانا ۔

(۱۹۔)۱۳: ۳۱تا ۳۳۔ سیدنا مسیح اورہیرودیس انتیپاس۔

(۲۰۔) ۱۴: ۱تا ۶ ۔ جلندر کے مریض کا شفا پانا ۔

(۲۱۔) ۱۷: ۱۱تا ۱۹۔ سامری کوڑھی کا بیان۔

(۲۲۔)۱۹: ۱تا ۱۰۔ زکائی کا بیان۔

(۲۳۔)۱۹: ۱۱۔ فورآمدِ ثانی کے خلاف آگاہی۔

(۲۴۔)۱۹: ۴۱تا ۴۴۔سیدنا مسیح کا یروشلیم پررونا۔

(۲۵۔)۲۲: ۳۱تا ۳۸۔ پطرس اورشیطان اوردوتلواروں کا بیان۔

(۲۶۔)۲۲: ۴۳تا ۴۴۔ سیدنا مسیح کا خون کی مانند پسینہ۔

(۲۷۔)۲۲: ۴۹تا ۵۱۔ سیدنا مسیح کا دشمن کے کان کو شفا بخشنا۔

(۲۸۔) ۲۳: ۴تا ۱۶۔ سیدنا مسیح کا ہیرودیس کے سامنے لایا جانا۔

(۲۹۔)۲۳: ۲۷تا ۳۱۔ یروشلیم کی بیٹیاں ۔

(۳۰۔) ۲۳: ۳۴تا ۴۶۔ صلیب پر تین کلماتِ طیبات۔

(۳۱۔)۲۳: ۴۵۔ سورج گرہن۔

(۳۲۔)۲۳: ۴۸۔ صلیب کے چشم دید گواہوں کا چھاتی پیٹنا۔

(۳۳۔)۲۳: ۵۶ ۔ عورتوں کا مبارك جمعه کے روز خوشبودار چیزیں تیارکرنا۔

(۳۴۔) ۲۴: ۱۲۔ مقدس پطرس کا قبر پر جانا۔

(۳۵۔) ۲۴: ۱۳تا ۳۵۔ سیدنا مسیح کا اماؤس کی راہ پر دکھا ئی دینا۔

(۳۶۔) ۲۴: ۳۶تا ۴۹۔ یروشلیم میں سیدنا مسیح کا شاگردوں کو دکھائی دینا۔

(۳۷۔)۲۴: ۵۰تا ۵۳۔ سیدنا مسیح کا آسمان کو صعود فرمانا۔

(۶۔) مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ مقدس لوقا کی انجیل میں حضرت کلمتہ اللہ کی مفصلہ ذیل تعلیم درج ہے جو دیگراناجیل میں موجودنہیں۔ مصنف نے یہ کلمات بھی ان تحریری پاروں سے اخذ کئے جو مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں مروج تھے[1]:

(۱۔) ۳: ۱۰تا ۱۴۔ مقدس یوحنا بپتسمه دینے والے کی تعلیم۔

(۲۔)۵: ۳۹۔ پرانی مے اورنئی مے ۔

(۳۔) ۹: ۵۱تا ۵۶۔ سامریوں کی بے مروتی ۔

(۴۔)۱۰: ۱، ۴تا ۷۔ رسولوں کو تبلیغی ہدایات۔

(۵۔)۱۰: ۱۷تا ۲۰۔ رسولوں کی تبلیغی دورہ سے واپسی ۔

(۶۔)۱۰: ۲۵تا ۲۸۔ زندگی کا راستہ۔

(۷۔)۱۰: ۲۹تا ۳۷۔ نیك سماری کی تمثیل۔

(۸۔)۱۰: ۳۸تا ۴۶۔ مارتھا اورمریم

(۹۔)۱۱: ۱تا ۴۔ سیدنا مسیح کی دعا

(۱۰۔)۱۱: ۵تا ۸ اصرارکرنے والے دوست کی تمثیل۔

(۱۱۔)۱۱: ۳۳، ۴۱، ۵۳ تا ۱۲: ۱۔ بیرونی اوراندرونی پاکیزگی۔

(۱۲۔) ۱۲: ۱۳تا ۲۱۔ لالچ کا خطرہ۔

(۱۳۔)۱۳: ۱تا ۹ انجیل کی تعمیل کی ضرورت۔

(۱۴۔)۱۳: ۳۱تا ۳۳۔ سبت کا ماننا۔

---

[1] Ibid pp.545-638

(۱۵۔) ۱۳: ۳۱ تا ۳۳۔ ہیرودیس کی مخاصمت۔

(۱۶۔) ۱۴: ۵۔ سبت کا ماننا۔

(۱۷۔) ۱۴: ۷تا ۱۱ ۔ ضیافت کی خوش اطواری۔

(۱۸۔) ۱۴: ۱۲تا ۱۴۔ مہمان نوازی کا قانون۔

(۱۹۔) ۱۴: ۲۸ تا ۳۳۔ شاگردی کی شرطیں۔

(۲۰۔) ۱۵: ۱تا ۱۰۔ کھوئی ہوئی بھیڑ، اورگم شدہ سکہ۔

(۲۱۔) ۱۵: ۱۱تا ۳۲۔ دوبیٹوں کی تمثیل۔

(۲۲۔)۱۶: ۱تا ۹۔ ہُشیار مختار کی تمثیل۔

(۲۳۔) ۱۶: ۱۰تا ۱۲ دولت کے متعلق۔

(۲۴۔) ۱۶: ۱۴تا ۱۵۔ خود بینی اورتکبر کے خلاف۔

(۲۵۔)۱۶: ۱۹تا ۳۱ ۔ دولتمند اورلعزر کی تمثیل۔

(۲۶۔)۱۷: ۷تا ۱۰ ۔ خدا کی خدمت۔

(۲۷۔) ۱۷: ۲۰تا ۲۱ بادشاہی کی آمد۔

(۲۸۔)۱۸: ۱تا ۸۔ اصرارکرنے والی بیوہ کی تمثیل۔

(۲۹۔)۱۸: ۹تا ۱۴۔ محصول لینے والے اورفریسی کی تمثیل۔

(۳۰۔) ۱۹: ۱۱تا ۲۷۔ اشرفیوں کی تمثیل۔

(۳۱۔)۱۹: ۳۷تا ۴۰۔ فریسیوں کا ہجوم کے جوش کو بُرا ماننا۔

(۳۲۔)۱۹: ۴۱تا ۴۴۔ یروشلیم پر رونا۔

(۳۳۔) ۲۰: ۱۸۔ ایک قول۔

(۳۴۔) ۲۱: ۵تا ۳۶۔ کی بعض آیات مثلاً ۵ تا ۱۱ (الف)۔ ۱۶تا ۱۷-۲۱۔

(الف) ۲۳(الف)۔۲۶(ب)۔ ۲۷۔ ۲۹تا ۳۳ مرقس کی انجیل سے لی گئی ہیں۔

باقی مقدس لوقا کے خصوصی ماخذ سے لی گئی ہیں۔

(۳۵۔) ۲۲: ۲۴تا ۳۰۔ خدا کی بادشاہی میں مراتب۔

(۳۶۔)۲۲: ۳۱تا ۳۳۔ مقدس پطرس کو نصیحت۔

(۳۷۔)۲۲: ۳۵تا ۳۸۔ تب اوراب کے وقت۔

(۳۸۔)۲۳: ۲۷تا ۳۱۔ یروشلیم کا حشر۔

جب ہم مقدس لوقا کی ترتیب پر غائر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پر واضح ہوجاتا ہے کہ مقدس لوقا نے اپنی انجیل کا ڈھانچہ انجیل مرقس کی ترتیب کے واقعات کے مطابق ڈھالا ہے۔اگرچہ اس کا طریقہ تالیف مقدس متی کے طریقہ سے جُدا ہے۔اُس نے سیدنا مسیح کی آزمائشوں کے بیان اورعشائے ربانی کے مقرر ہونے کے بیان کے درمیانی عرصہ میں دیگر

ماخذوں سے تین بڑے حصے اکٹھے کرکے تین مختلف مقامات میں جمع کردئیے ہیں یعنی(۶: ۲۰ - ۸: ۳۰- ۹: ۵۱- ۱۸: ۱۴ اور ۱۹باب کی ایک سے ۲۷آیات باقی ہر جگہ اُس نے مقدس مرقس کی انجیل کے الفاظ کونقل کیا ہے۔

(۲)

ایسے واقعات اورکلمات جو صرف انجیل سوم میں پائے جاتے ہیں ۔ پانچ سو (۵۰۰) آیات پر مشتمل ہیں[1]۔ جب ہم ان پر غور کرتے ہیں توہم پر واضح ہوجاتاہے کہ ان واقعات او رکلمات کا زاویہ نگاہ اُن واقعات اورکلمات کے زاویہ نگاہ سے بالکل مختلف ہے جو صرف انجیل اوّل میں پائے جاتے ہیں۔ دونوں انجیل نویسوں نے اپنے اپنے مقصد کے تحت آنخداوند کے سوانحِ حیات اورکلماتِ طیبات کے خزانہ سے وہ باتیں جمع کی ہیں جو مختلف کلیسیاؤں میں مروج تھیں۔ تاکہ متفرق اوراق اورپاروں کے بجائے وہ باتیں ایک جگہ جمع ہوجائیں۔مقدس لوقا نے یہ ماخذ قیصریہ سے حاصل کئے جہاں وہ ۶۰ئ کے قرب مروج تھے۔ یہ ماخذ ارامی زبان میں تھے ، جن کا یونانی میں ترجمہ کیا گیا[2]۔ جب ہم دونوں انجیل نویسوں کے جمع کردہ مسالہ کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہوجاتاہے کہ دونوں کا نقطہ نگاہ ایک دوسرے سے الگ ہے ۔ مقدس متی یہودی مسیحی نومریدوں کے لئے وہ اقوال وواقعات جمع کرتا ہے جس سے اُن پر واضح ہوجائے کہ یسوع ناصری مسیح موعود ہیں جو ابنِ داؤد اورابن ابراہام ہیں۔ لیکن مقدس لوقا غیر یہودی مسیحی نومریدوں کے لئے آنخداوند کے وہ اقوال اورواقعات جمع کرتا ہے جس سے یہ واضح ہوجائے کہ آنخداوند یہود اورغیر یہود دونوں قسم کی اقوام کے لئے دنیا میں آئے ہیں اوران کی رسالت ہمہ گیر ہے۔ چنانچہ مقدس متی کا نسب نامہ " یسوع مسیح ابنِ داؤد ابنِ ابراہام" کا ہے(۱:۱)۔ لیکن مقدس لوقا کا نسب نامہ کے مطابق "یسوع آدم کا بیٹا اوروہ خدا کا بیٹا ہے"(۳: ۳۸)۔ سیدنا مسیح نہ صرف " قوم اسرائیل کا جلال" ہے بلکہ وہ " غیر یہود کو روشنی دینے والا نور" بھی ہے (۲:

---

[1] W.Sanday, The Bearing of Criticism on Gospel History Exp.Times, December 1908.

[2] B.H.Streeter Source of the Gospels, in "An Outline of Christianity,ed by Peake and Parsons.Vol1p309.

۳۲)۔ مندرجہ بالا ماخذ مقدس لوقا کی اَن تھک دوڑدھوپ اورتلاش وتجسس کے زندہ گواہ ہیں۔

(۳)

مقدس لوقا کے دو ماخذ جن سے آپ نے حضرت کلمتہ اللہ کے اقوالِ زرین اکٹھے کئے ایک اورپہلو سے بھی جداگانہ خصوصیت رکھتے ہیں۔ رسالہ کلمات صرف متفرق کلماتِ طیبات جمع کے گئے تھے اوراس میں واقعات کو بہت کم دخل تھا لیکن مقدس لوقا کے مندرجہ بالا ماخذ ہیں واقعات بھی ہیں ۔ تمثیلیں بھی ہیں لیکن متفرق کلمات کو بہت کم دخل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ " بہتوں نے اس پر کمرباندھی تھی کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں" ان کو تحریر میں لے آئیں اوریوں مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے معلموں کے ہاتھوں میں مختلف چھوٹے بڑے رسالے اورپارے تھے جن کو مقدس لوقا نے " شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ترتیب" سے سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات ، واقعات اورکلمات کو لکھا۔ انجیل نویس کے ان ماخذوں میں تین چوتھائی ایسی باتوں کی ہے جو آنخداوند نے عوام سے کیں اور کہیں[1]۔

اس انجیل نویس کے ماخذوں کی ایک اورخصوصیت یہ ہے کہ ان میں مناظروں کا رنگ دیگر اناجیل کے ماخذوں سے جداگانہ ہے۔ دیگر اناجیل کے ماخذوں میں ملامت کے الفاظ میں درشتی پائی جاتی ہے[2]۔ لیکن انجیلِ سوم کے ماخذوں میں ملائمت سے تمثیلوں کے ذریعہ وہی کام لیا گیا ہے۔ مثلاً کھوئی ہوئی بھیڑ کی تمثیل ، کھوئے ہوئے درہم کی تمثیل یا مسرف بیٹے کی تمثیل وغیرہ۔ انجیل دوم میں فریسیوں کو اُن کی سو فسطائی اورباطل خیالات وتاویلات کی وجہ سے ملامت کی گئی ہے۔ انجیلِ اوّل کے ماخذوں میں اُن کی ریاکاری کے باعث ملامت کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ لیکن انجیل سوم کے ماخذوں میں اُن کو اُن کے تکبر اورخودبینی کے لئے اوراس رویہ کے باعث ملامت کی گئی ہے جو اُنہوں نے عوام الناس کی طرف اختیارکررکھا تھا ۔(۱۸: ۹تا ۱۴۔ ۱۵: ۲۸تا ۳۲ وغیرہ)۔

---

[1] T.W.Manson, The Teaching of Jesus p.41
[2] Ibid.p.42

(۴)

جب ہم پہلی تینوں انجیلوں کے ان واقعات کا مقابلہ کرتے ہیں جن کاتعلق آنخداوند کی صلیبی موت کے ساتھ ہے توہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ صلیبی واقعات کے مختلف بیانات پاروں کی شکل میں مختلف مقامات کی کلیسیاؤں میں مروج تھے۔ چنانچہ مقدس لوقا کا صلیبی واقعہ کا بیان مرقس کی انجیل سے الگ ہے۔ اگرچہ اُس نے کہیں کہیں اس انجیل سے بھی استفادہ حاصل کیا ہے۔ لیکن بالعموم مرقس کے صلیبی بیان کا بہت سا حصہ چھوڑکر مقدس لوقا نے اس کی جگہ اپنا خاص ماخذ استعمال کیا ہے۔ اگرہم انجیل دوم کے مقامات کو مقدس لوقا کے بیان سے الگ کردیں تو مقدس لوقا کے بیان کا باقی ماندہ حصہ ایک مسلسل اورمربوط شکل اختیارکرلیتا ہے[1]۔ جس سے ثابت ہے کہ یہ بیان الگ تحریری صورت میں مقدس لوقا کے سامنے موجود تھا جب اُس نے انجیل سوم لکھی اوریہ اس کا تحریری صورت میں جدا مستقبل ماخذ تھا۔

(۵)

مرحوم ڈاکٹرسٹریٹرکا یہ نظریہ ہے کہ مقدس لوقا نے پہلے پہل ایک ایسی انجیل لکھی تھی جس میں سوائے مرقس کی انجیل کے باقی تمام ماخذوں سے کام لیا گیا تھا لیکن بعد وہ جب انجیل مرقس اُس کے ہاتھ آئی تو اس نے اُس کو بھی ماخذ بنا کر اس انجیل کے حصصوں کو جا بجا داخل کرکے اپنی انجیل کی دوسری ایڈیشن لکھی جو اب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس نظریہ سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر اس انجیل میں وہ تمام مقامات خارج کردئیے جائیں جو انجیل مرقس میں موجود ہیں توباقی ماندہ مقامات ایک مسلسل بیان کی صورت اختیارکرلینگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باقی ماندہ مقامات اورحصص میں کوئی تسلسل پایا نہیں جاتا بلکہ وہ پراگندہ اورپریشان اوراق بن جاتے ہیں جن کا زیادہ تر حصہ (از۹: ۵۲ تا ۱۸باب) بے جوڑ

[1] Vincent Taylor, The Formation of the Gospels Tradtion pp.50-55 See also Prof.A.M.Perry's “ The Sources of Luke's Passion Narrative.s

بیانات خطبات اورکلمات کا مجموعہ ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس انجیلِ دوم کے حصص ہی ان باقی ماندہ مقامات کو ترتیب دے کر معنی خیز بنا دیتے ہیں۔ یہی حصے گویا" شانِ نزول" کا کام دے کر ان مقامات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں یوحنا بپتسمہ دینے والے کے حالات میں اور صلیبی واقعات کے بیان میں مرقس کی انجیل کا استعمال واضح طورپر ظاہرہے۔ صلیبی واقعات کے بیان میں نہ صرف اس انجیل کے مقامات موجود ہیں (۲۲: ۷تا ۱۳، ۵۴تا ۶۱) بلکہ اس انجیل کے الفاظ بھی اُن مقامات میں موجود ہیں جو مرقس سے اخذ کئے گئے ہیں (۲۲: ۱۹، ۲۲، ۴۷، ۵۲، ۷۱، ۳۳: ۳)۔ مرقس کے یہ الفاظ صرف اسی حالت میں سمجھ میں آسکتے ہیں اگرہم یہ تسلیم کرلیں کہ مرقس کے ڈھانچہ کی ترتیب کوبحال رکھ کر مقدس لوقا نے اس کے متن کو ایک اورترتیب دی ہے اوراس میں اضافہ کیا ہے۔ لیکن ڈاکٹرسٹریٹر کے نظریہ کے مطابق یہ ترتیب غیرفطرتی ہوجاتی ہے۔ مرقس کی انجیل مقدس لوقا کے بیان کردہ واقعات کی اصل بنیاد ہے اورجو باتیں اضافہ کی گئی ہیں وہ صرف ثانوی حیثیت رکھتی ہیں ۔جس سے ثابت ہے کہ انجیلِ دوم ابتدا ہی سے مقدس لوقا کے بیانات کوتعین کرنے والا ماخذ ہے[1]۔

ڈاکٹر سٹریٹر کے نظریہ کے مطابق جب مقدس لوقا نے اپنی انجیل کی پہلی ایڈیشن لکھی تھی تب انجیلِ دوم بھی احاطہ تحریر میں نہیں آئی تھی لیکن ہم حصہ دوم کے باب اول کی فصل سوم میں ثابت کرآئے ہیں کہ انجیل مرقس قدیم ترین زمانہ کی تصنیف ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جب مقدس لوقا کو انجیل لکھنے کا خیال آیا تب انجیل دوم ارضِ مقدس کے دوردراز مقامات کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں موجود تھی اوران رسالوں میں سے ایک تھی جن کا ذکر انجیلِ سوم کے دیباچہ میں آیاہے۔ جب مقدس لوقا اپنی انجیل تصنیف کرنے لگے توآپ نے اس انجیل کو معتبرترین ماخذ سمجھ کر اپنی انجیل کو اس کے ڈھانچہ اورخاکہ کی بنائی پر قائم کرکے دیگر ماخذوں کو اس کے مختلف حصوں میں داخل کرکے

---

[1] Prof.J.M.Creed, The Gospe according to St.Luke p.LVIII not.

ایک نئی اورتازہ تصنیف بنائی۔ پس ڈاکٹر موصوف کے نظریہ کی بنا ہی غلط ہے۔

فصل دوم

مقدس لوقا کی انجیل کی خصوصیات

ہم گذشتہ فصل میں بیان کرچکے ہیں کہ مقدس لوقا غیریہود میں سے مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے۔لہذا قدرتی طورپرآپ نے آنخداوند کے سوانح حیات اورکلماتِ طیبات کے خزانہ میں سے ان واقعات اورکلمات کاانتخاب کیا جن سے یہ ثابت ہوتا تھاکہ سیدنا مسیح نہ صرف اہل یہود کے مسیح موعود ہیں بلکہ اقوام عالم کے نجات دینے والے ہیں[1]۔ انجیل کا پیغام افرادِ عالم سے تعلق رکھتا ہے سیدنا مسیح کے مبارک احکام سب پر حاوی ہیں۔ آپ کی انجیل ہمہ گیر اورآپ کی نجات عالمگیر ہے جو بلاامتیاز رنگ، ملک ، قوم اورنسل کے کل بنی نوع انسان کے لئے برکت کا مُوجب ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس لوقا رسالہ کلمات میں سے صرف انہی کلمات کو منتخب کرتا ہے جو اس موضوع کے مطابق ہیں اورانجیل اول کے " پہاڑی وعظ" کے وہ کلمات جن کا تعلق خاص قوم اسرائیل اوریہودیت سے ہے اپنی انجیل میں نقل نہیں کرتا (۶: ۱۷تا ۴۹)۔ مقدس متی کی انجیل میں موسوی شریعت کی نئی تاویل (تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا ۔۔۔لیکن میں تم سے کہتا ہوں ، مقدس لوقا کی انجیل میں نہیں پائی جاتی ۔ علیٰ ہذا القیاس ، دعا، روزہ ، خیرات کے متعلق وہ احکام نہیں ملتے، جو فریسیوں کے قاعدہ کے مطابق نہیں تھے۔ مرقس ۱: ۲۳۔ متی ۱۵: ۱۔ ۱۱، ۱۵، ۲۰ وغیرہ کے سے مقامات اس انجیل میں نہیں پائے جاتے کیونکہ وہ غیریہودی نومریدوں کے لئے کچھ معنی نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح مرقس ۷: ۲۴، متی ۱۵: ۲۱، ۲۲، ۲۶، ۲۸ اوراسی قسم کے دوسرے مقامات غیریہودی کلیسیاؤں کے مصرف کے نہ تھے پس وہ اُن کا انتخاب نہیں کرتا لیکن مقدس لوقا نے نیک سامری کی تمثیل، شکر گذار سامری کوڑھی کا واقعہ ، سیدنا مسیح کا زبدی کے بیٹوں کو سامری گاؤں کو تباہ کرنے کے خیال کو جھڑکنا اوراسی قسم کے دیگر اقوال اورواقعات منتخب کئے ہیں جو غیریہود اقوام اورارضِ

---

[1] G.C.Monetfiore, The Synoptics Gospels Vol.1 pLXXXVI.

مقدس کے باہر کے ممالک کے رہنے والوں کے لئے خاص طورپر سبق آموز تھے۔

مقدس لوقا ایک مورخ کی طرح بتلاتا ہے کہ آنخداوند کی زندگی کے فلاں فلاں واقعات فلاں قیصریا فلاں گورنریا فلاں صوبہ یا فلاں حاکم کے وقت میں ظہور میں آئے(۲: ۱، ۲۔۳: ۱، ۲ وغیرہ)۔ کوئی اورانجیل نویس سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات کو اس طورپر دنیا کے تاریخی واقعات سے متعلق نہیں کرتا۔ مقدس لوقا نے اپنی انجیل سلطنتِ روم کے ملکوں اورصوبوں کے مشرکہ غیر یہودبُت پرستوں اور خدا پرست نومرید یہودیوں کے لئے لکھی تاکہ وہ منجئ عالمین پر ایمان لاکر نجات پائیں۔ اوراُن میں سے جو سیدنا مسیح کے حلقہ بگوش ہوگئے ہیں وہ جان لیں کہ" جن باتوں کی تعلیم انہوں نے پائی ہے ،ان کی پختگی اُن کو معلوم ہوجائے"۔

(۳۔) انجیل اول میں حضرت کلمتہ اللہ کے معلم ہونے کے پہلو پر زوردیا گیا ہے۔ وہ ایک ربی ہیں جنہوں نے موسوی شریعت کی ایک نئی تاویل کی ہے۔ انجیلِ سوم میں مقدس لوقا نے آنخداوند کے منجئ ہونے کے پہلو کو واضح کیا ہے۔ پہلی تین انجیلوں میں سے مقدس لوقاہی صرف اس خطاب کا استعمال کرتا ہے (۱: ۴۷۔ ۲: ۱۰۔ اعمال ۵: ۳۱، ۱۳: ۲۳)۔ مقدس لوقا خود طبیب تھا لہذا اس کوقدرتاً سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات اورتعلیم میں وہ باتیں دلکش معلوم ہوئیں جن میں امراض ، دکھ اورگناہ سے نجات کا ذکر موجود تھا اورجن سے انسانی زندگی کو خوشی ، آرامِ قلب، اطمینانِ جان، محبت اُمیداورایمان نصیب ہوتے تھے۔

فصل سوم

انجیلِ لوقا کی قدامت اورپایہ اعتبار

ناظرین کویاد ہوگا کہ عیدس پنیتکوست کے ایام میں " خدا پرست " یہود جن کی مادری زبان یونانی تھی جوسلطنت روم کے مختلف کونوں سے عید منانے کےلئے یروشلیم آئے ہوئے تھے (اعمال۲: ۱۰)مقدس پطرس اوردیگر رسولوں کی تبلیغی مساعی کی بدولت منجئ عالمین پر ایمان لے آئے تھے۔بالفاظِ دیگر روزِاوّل سے ہی " یونانی مائل " یہودی کلیسیا میں داخل ہوگئے اورچند مہینوں کے اندراندر ارامی بولنے والےیہوداوریونانی مائل یہودی ایمان داروں کی جماعت دن

دگنی اور رات چوگنی ترقی کرگئی"۔ "یونانی مائل" یہودی خاص طورپر غیر یہود کو سیدنا مسیح کے حلقہ بگوش کرنے میں سرگرم تھے۔ کٹر یہود کی ایذارسانی کی وجہ سے جب کلیسیا پر بڑا ظلم برپا ہوا تو ایمان داروں کی جماعت" پراگندہ" ہوگئی۔ اورجو" پراگندہ ہوئے تھے وہ کلام کی خوشخبری دیتے پھرے اورفلپس شہر سامریہ میں جاکر لوگوں میں مسیح کی منادی کرنے لگا اور لوگوں نے بالاتفاق اس کی باتوں پر جی لگایا اورسامریوں نے خدا کا کلام قبول کرلیا اوراُنہوں نے روح القدس پایا"(اعمال ۸باب)۔ یہی فلپس" حبشیوں کی ملکہ کے وزیر اوراس کے سارے خزانہ کے مختار" کو بپتسمہ دینے کے بعد" قیصریہ میں پہنچنے تک سب شہروں میں خوشخبری سناتا گیا"۔مقدس پطرس ہر جگہ پھرتا ہوا"(۹: ۳۲) قیصریہ میں جا پہنچا جہاں اس نے غیر یہود " دیندار" کرنیلس کو بپتسمہ دیا اور"غیر قوموں پر بھی روح القدس کی بخشش جاری ہوئی "(۱۰: ۴۵)۔ اور سب پر عیاں ہوگیاکہ " خدا نے غیر قوموں کو بھی زندگی کے لئے توبہ کی توفیق دی ہے"(۱۱: ۱۸)۔ جو لوگ پراگندہ ہوئے تھے وہ پھرتے پھرتے فینیکے اورکپرس اورانطاکیہ میں پہنچے اورانطاکیہ میں غیر یہود کو سیدنا مسیح کی خوشخبری کی باتیں سنانے لگے اوربہت سے لوگ ایمان لا کر سیدنا مسیح کی طرف پھرے"(۱۱: ۱۹تا ۲۱)۔اور غیر یہود بُت پرست اقوام میں" خدا کا کلام ترقی کرتا اورپھیلتا گیا"۔ غیر اقوام کے رسول" مقدس پولوس اورآپ کے ساتھیوں کی تبلیغی مساعی کی وجہ سے غیر یہود" خدا پرست نومرید خدا کے فضل پر قائم ہوگئے "(۱۳: ۴۳)۔ کٹر یہود کی مخالفت کی وجہ سے رسول مقبول نے اپنی تمام توجہ غیر یہود اقوام پرمبذول کردی اور" اس تمام علاقہ میں خدا کا کلام پھیل گیا "(۱۳: ۴۷، ۴۸)۔ اس کے بعد جہاں بھی مقدس پولوس گئے ہرجگہ غیر یہود" کی ایک بڑی جماعت ایمان لے آئی"(۱۴باب) اورغیر قوموں کے لئے ایمان کا دروازہ" کھل گیا جس کا نتیجہ یہ ہواکہ منجئی عالمین کی وفات کے چند سال کے اندر اندر ہزارہا غیر یہود شرک اوربُت پرستی کو ترک کرکے ایمان داروں کی جماعت میں شامل ہوگئے۔یہ تعداد روزبروز بڑھتی گئی اورغیر یہود کلیسیائیں منظم ہوکر(۱۴: ۲۳) قوت پکڑتی گئیں۔

مقدس متی نے اپنی انجیل یہودی نومریدوں کے لئے لکھی تھی جس میں یہ ثابت کیا گیا تھاکہ عیسیٰ ناصری قوم اسرائیل کا مسیح موعود ہے جو انبیائے سابقین اور شاہانِ اسرائیل سے بھی بڑا ہے (۱۲: ۴۱، ۴۲ وغیرہ) اورجس کا وجودِ مبارك یروشلیم کی ہیکل سے بھی اعلیٰ اورارفع ہے(۱۲: ٦)۔ یہاں تك کہ وہ سبت کا بھی مالك ہے۔ (۱۲: ۸)۔ وہ " ابن آدم" ہے جس کو" زمین پر گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے"(۹: ٦)۔ اورجس نے موسوی شریعت میں ایك نئی روح پیدا کردی ہے(۵: ۱۷، ۴۷)۔ لیکن گویہ باتیں اہل یہود کے لئے " زندگی اورموت" (استثنا ۳۰: ۱۹، یرمیاہ۲۱: ۸) کا سوال تھیں پر غیر یہودکو یہ باتیں اپیل نہ کرتی تھیں ۔ جوباتیں اہل یہود کے لئے دلفریب اورجاذبِ توجہ تھیں وہ بُت پرست غیریہود کے لئے دلکش نہ تھیں کیونکہ دونوں قوموں میں مغائرت تھی (اعمال ۱۰: ۲۸ وغیرہ) پس غیریہود مسیحیوں کے لئے وہ کام کی باتیں نہ تھیں اورنہ اُن باتوں سے متاثرہوتے تھے۔

پس مقدس لوقا نے" اس پر کمر باندھی" کہ منجئ جہان کے سوانح حیات، واقعات اورکلماتِ طیبات کے ذخیرہ کی تحقیق اورتلاش کرجو مختلف مقامات کی کلیسیاؤں کے پاس محفوظ تھا اورجس کو اُن لوگوں نے رسالوں، پاروں اور ورقوں کی صورت میں لکھ رکھا تھا " جو شروع سے خودیکھنے والے اورکلام کے خادم تھے"۔ آپ سخت دوڑ دھوپ کرکے (جیسا ہم فصل اوّل میں بتلاچکے ہیں) مختلف مقامات کے مردوں اورعورتوں کو ملے جنہوں نے " زندگی کے کلام کو خود اپنے کانوں سے سنا تھا اوراپنی آنکھوں سے دیکھا تھا بلکہ غورسے دیکھا تھا اوراپنے ہاتھوں سے چھوا تھا"(۱۔یوحنا ۱: ۱)آپ مقدس پولوس کے ساتھی تھے اور مقدس پطرس سے بھی ملاقات کرچکے تھے جنہوں نے " خود سیدنا مسیح کی عظمت کودیکھا تھا"(۲۔پطرس ۱: ۱٦)۔ پس آپ نے خشکی اور تری کا دورہ " کرکے " سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیك ٹھیك دریافت کیا"۔تاکہ ان ماخذوں سے غیریہود ایمان داروں کےلئے سیدنا مسیح کی سوانحِ حیات اورکلمات طیبات کا ایک نہایت معتبر اورمستند مجموعہ تیارکریں تاکہ جن باتوں کی غیریہود نومریدوں نے تعلیم پائی ہے اُن کی پختگی اُن کو معلوم ہوجائے"۔ پس جوکام مقدس متی نے یہودی نومریدوں کے

لئے سرانجام دیا وہی کام مقدس لوقا نے غیر یہودی نومریدوں کے لئے پورا کیا تاکہ اُن کے کام آئے۔

اس باب کی فصل اول میں ہم نے ان ماخذوں کا ذکر کیا ہے جن کو مقدس لوقا نے اپنی انجیل کی تالیف میں استعمال کیا ہے۔ یہ ماخذ قدیم ترین تھے۔ ان میں سے دوماخذوں کو جیسا ہم نے ذکر کیا ہے مقدس متی نے بھی استعمال کیا ہے یعنی رسالہ کلمات اورمقدس مرقس کی انجیل جو قدیم ترین اورمعتبرترین ماخذ تھے۔ ان دوماخذوں کے علاوہ مقدس لوقا نے دیگر قدیم معتبر اورمستند ماخذوں سے کام لے کر ان کو ترتیب دے کر ایک ایسی انجیل تیارکی جس کی سند کا معیار بلند اورپایہ اعتبار اعلیٰ تھا۔ ڈاکٹر سٹریٹر کہتا ہے کہ مقدس لوقا کے خاص ماخذ سند عین بعین مقدس مرقس کی انجیل کی سن کی سی ہے جو اوّل درجہ کی سند ہے[1]۔ انشائ اللہ ہم آگے چل کر ثابت کردیں گے کہ اس انجیل میں سیدنا مسیح کے کلمات اورانجیلی بیانات میں ارامی الفاظ اورمحاورات موجودہیں جس سے اس امر کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ یہ ماخذ احاطہ تحریر میں آچکے تھے[2]۔ پس وہ نہایت معتبر تھے۔ اگر ڈاکٹر کیڈبری کی تاویل صحیح ہے کہ مقدس لوقا آنخداوند کی زندگی کے واقعات اورتعلیم سے خود واقف تھا جس کی بنا پر وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ " میں ابتدا ہی سے سب باتوں سے ٹھیک ٹھیک واقفیت رکھتا ہوں"(۱: ۳) تواس کی انجیل کا پایہ اعتبار اوربھی بلند ہوجاتا ہے۔

(۲)

اعمال کی کتاب سے جیسا ہم اوپر بتلاچکے ہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ غیریہود پہلے دن ہی سے کلیسیا میں شامل ہوگئے تھے(۲: ۱۰)۔ اوران کی تعداد ، روزبروز بڑھتی گئی حتےٰ کہ چند سالوں کے اندراندرغیریہود میں مسیحیت کا جلال سایہ فگن ہوگیا۔ پہلے انطاکیہ پھر شام اور دیگر مقامات میں مسیحی کلیسیائیں قائم ہوگئیں ، جن کی شرکا کی اکثریت بُت پرست غیریہود پر مشتمل تھی۔ ماحول کے بدل جانے سے کلیسیا کے مسیحی معلموں کے لئے یہ لازم ہوگیاکہ وہ اپنی تعلیم کا طریقہ کاربدل دیں اور" یہودیوں کے لئے یہودی او ر غیر

---

[1] Streeter, Four Gospels p.222

[2] J.T.S July-October 1943 p.135

مختونوں کے لئے غیر مختون بن جائیں۔ رسولوں کی " منادی" کے بنیادی اصول ویسے کے ویسے ہی قائم رہے لیکن قدرتی طور پر غیر یہود کے لئے ان کو پیش کرنے کا طریقہ مختلف ہوگیا۔ یہ اصول مسیحی انجیل کے روح رواں تھے۔ چونکہ غیر یہود کے لوے زیادہ تفصیلات کی ضرورت تھی لہذاً پہلے مقدس پولوس جیسے معلموں نے ان کی اس ضرورت کو پورا کیا۔ لیکن چونکہ ارض مقدس کے اندر اور باہر سلطنتِ روم کے مختلف صوبوں اور شہروں میں ہزارہا غیر یہود بُت پرست منجئی عالمین پر ایمان لا رہے تھے ۔پس ان روزافزوں ایمان داروں کے لئے ایک انجیل کی ضرورت کا احساس بہت جلد پیدا ہوگیا تاکہ ان کے ایمان کی استقامت ہو اوراس کے ذریعہ دوسروں کو بھی منجی کے قدموں میں لا سکیں۔ اس خلا اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مقدس لوقا نے انجیل لکھی۔ پس یہ انجیل کلیسیا کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہے۔ ان دنوں میں رسالہ کلمات اورانجیل دوم اورچند دیگر رسالے اور پارے لکھے گئے تھے لیکن غیر یہود کلیسیاؤں کے لئے یہ ناکافی تھے۔ ان کو ایک ایسی جامع کتاب کی ضرورت تھی جس میں نہ صرف سیدنا مسیح کی پیدائش سے لے کر صعودِ آسمانی تک کے واقعات ہوں بلکہ جس میں آنخداوند کی تعلیم کے وہ حصص جو خاص طورپر غیر یہود کو اپیل کریں درج ہوں۔ مقدس لوقا نے اس کام کو پوراکرنے کا بیڑا اٹھایا۔پس مقدس لوقا کی انجیل ، مقدس مرقس کی انجیل کے قریباً پندرہ سال بعد احاطہ تحریر میں آئی۔

(۳)

جب ہم مقدس متی کی انجیل اورمقدس لوقا کی انجیل کا مقابلہ کرتے ہیں تو جیسا ہم کہہ چکے ہیں ہم پر عیاں ہوجاتا ہے کہ دونوں انجیل نویس ایک دوسرے کی تصنیف سے واقف نہ تھے[1]۔ پس دونوں ایک دوسرے کی تصنیف کی جانب سے بے نیازہیں۔دونوں اپنی اپنی انجیلوں کو مختلف زاوئیہ نگاہ سے لکھتے ہیں۔ مقدس متی کی انجیل میں اُن سوالات کے جواب پائے جاتے ہیں جو کٹر یہودی مسیحی جماعت سے پوچھتے تھے مثلاً تم ایسے شخص کو مسیح موعود کیوں کہتے ہو جس کے حالات ہمارے تصوراتِ

---

[1] Sanday.The Bearing of Criticism upon the Gospels History in Exp.Times, December 1908.

مسیحائی کے خلاف ہیں۔بعض یہودی مقدس یوحنا بپتسمہ دینے والے کے شاگرد (اعمال۱۹: ۱تا ۷۔ ۱۸: ۲۵ وغیرہ) جو مسیح موعود کی راہ دیکھتے تھے ۔ اُن کے سوالات کے جواب بھی اسی انجیل میں ہیں۔لیکن غیر یہود کو ایسے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ مُشرک بُت پرس تھے جو گناہوں سے نجات پانے کے طالب تھے۔ ان میں سے جو موحد" خدا پرست تھے وہ مشرکانہ مذاہب کے توہمات اورتعلیمات سے بیزار تھے۔ مقدس پولوس کے خطوط سے بالخصوص جو آپ نے رومیوں، کرنتھیوں، گلتیوں ، کلیسیوں کو لکھے ان سوالات کا پتہ چلتا ہے جو غیر یہود کو مسیحیت کی جانب کھینچ لائے۔ ہم نے اپنے رسالہ نورالہدیٰ میں ان کا مفصل ذکر کیا ہے ۔لہذا ہم ا ن کا یہاں ذکر نہیں کرتے ۔ مقدس لوقا نے ان غیر یہود کے سوالات کے جواب اپنی انجیل میں لکھے تاکہ ان کو مسیحی ایمان کے اُصول کی پختگی معلوم ہوجائے۔ پس چونکہ دونوں انجیل کا نقطہ نظر الگ الگ ہے ۔ ان کے مصنفوں نے ایک دوسرے کی تصنیف سے کچھ اخذ نہیں کیا۔ حالانکہ دونوں میں مشابہت بھی موجود ہے مثلاً دونوں نے انجیل دوم کا استعمال کیا ہے۔ دونوں نے رسالہ کلمات کے خطبات کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ دونوں نے اپنی انجیل کے شروع میں پیدائش کے حالات بیان کئے ہیں۔ دونوں میں نسب نامے موجود ہیں۔دونوں نے مقدس مرقس کے صلیبی واقعات کے بیان میں اضافہ کیا ہے۔ گو دونوں کے اضافوں میں کوئی مشترکہ بات نہیں ہے اور دونوں انجیل مرقس اوررسالہ کلمات کو ایک ہی طرح استعمال نہیں کرتے ، جس کی وجہ سے اُن کا الگ الگ زاویہ نگاہ ہے۔ لیکن چونکہ دونوں انجیلں ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں اس حقیقت سے یہ ثاثب ہوتا ہے کہ یہ دونوں اناجیل قریب قریب ایک ہی وقت میں لکھی گئی تھیں۔

مقدس مرقس کی انجیل میں ہم آنخداوند کی زندگی کے واقعات کے زمانہ کے قریب رین ہیں۔ اس میں جو واقعات درج ہیں ان کے بیان کی سادگی، شگفتگی اورتازگی اس بات کی شاہد ہیں کہ یہ واقعات باقی دونوں انجیلوں سے کم ازکم دس پندرہ سال پہلے لکھے گئے تھے۔ پس مقدس لوقا کی انجیل مرقس

کی انجیل سے دس پندرہ سال بعد احاطہ تحریر میں آئی۔ انشائ اللہ ہم آگے چل کر اس موضوع پر مفصل بحث کریں گے۔

(۴)

انجیل سوم کی قدامت اورپایہ اعتبار اس امر سے بھی ثابت ہے کہ مقدس پولوس کے خطوط، الہیات اورتصورات کا اثر اس انجیل میں کہیں نہیں پایا جاتا حالانکہ مقدس لوقا آپ کے ہم سفر، ساتھی تھے اوراس نے آپ کا ساتھ آخری دم تک دیا۔ مقدس لوقا ایک ایمان دار اور دیانت دار مورخ کی طرح ان واقعات کو صحیح صحیح بیان کرنے پر ہی کفایت کرتا ہے جو اس کے ماخذوں میں موجود تھے۔ سیدنا مسیح کے صعودِ آسمانی کے بعد جو تصورات کلیسیا کے معلموں نے پیش کئے ، ان کا شائبہ بھی اس انجیل میں موجود نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مقدس لوقا کی انجیل کے پہلے دوباب کا تعلق یہودی ماخذوں سے ہے جس میں بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو مقدس لوقا جیسے غیر یہودی مصنف کے خیالات سے بیگانہ ہیں۔ ان میں یہودی رسوم اوریہودی شریعت کا ذکر ہے۔ زکریاہ اورالیشبع کا بیان، ہیکل میں باری کا مقرر ہونا، آٹھویں روز ختنہ کی رسم کی ادائیگی اورنام رکھا جانا، زچہ کا شکرانہ اور نذرانہ ، شمعون اورحنہ کے گیت وغیرہ وغیرہ تحریری ماخذ تھے جن کو وہ نہایت ایمانداری کے ساتھ نقل کرتا ہے[1]۔

(۵)

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے حصہ اوّل کے باب سوم میں رسولوں کی " منادی" کا خاکہ پیش کیا تھا۔ حصہ دوم کے باب اوّل کی فصلِ دوم میں ثابت کر آئے ہیں کہ مقدس مرقس کی انجیل کے مضامین رسولوں کی " منادی" کے مطابق مرتب کئے گئے ہیں لہذا وہ قدیم ترین تصنیف ہے۔ جب ہم مقدس متی اورمقدس لوقا کی انجیلوں کے مضامین پر نظر کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ مقد مرقس نے آئندہ انجیل نویسوں کے لئے ایک نمونہ قائم کردیا ہے جس کے ڈھانچہ کو باقی انجیل نویس اختیار کرلیتے ہیں۔ انجیلِ اوّل اورسوم میں رسولوں کی ابتدائی" منادی" کے مختلف حصص میں سے بعض پر نمایاں زوردیا گیا ہے اوربعض حصوں پر زورنہیں دیا

---

[1] Dodd.Apostolic Preaching and Its Development Lecture I.

گیا۔ یہ حقیقت بھی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ یہ دونوں انجیلیں ابتدائی ایام سے ذرا پرے ہٹ کراوراُن کے بعد کی تصنیف کی گئی تھیں۔ مثلاً مقدس مرقس کی انجیل میں صلیبی واقعہ تمام انجیل کا پانچواں حصہ ہے ، لیکن انجیل اوّل کا ساتواں حصہ اورانجیل سوم کا چھٹواں حصہ ہے۔ اگران دونوں انجیلوں کو بہ حیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ ان میں " تعلیم " کے حصص غالب ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ دونوں انجیل نویس اُس زمانہ میں لکھ رہے تھے جب ابھی وہ رسولوں کی " منادی" سے براہِ راست اوربلاواسطہ واقف تھے[1]۔ صلیب کی یہ شجاع سپاہی اوردلیر علم بردارسلطنتِ روم کے مختلف مقامات میں صلیب کا پرچم لہرارہے تھے۔ وہ " فتح کرتے ہوئے نکلے اوفتح کرتے گئے "(مکا ۶: ۲)۔ اعمال کی کتاب کا مطالعہ بھی یہ ظاہر کردیتا ہے کہ انجیل سوم اس زمانہ میں لکھی گئی جب وہ واقعات رونما ہورہے تھے جن کا ذکر اعمال کی کتاب میں ہے۔انجیل سوم میں بعض ایسی باتیں موجود ہیں جو اُس

[1] The Mission and Message of Jesus p.258

کتاب کے واقعات کی روشنی میں ہی بخوبی سمجھ میں آسکتی ہیں[2]۔

(ے)

مقدس لوقا میں خدا کی بادشاہی کے تصور کونمایاں جگہ حاصل ہے لیکن اس انجیل میں اس سے مراد صرف خدا کی حکومت ہی ہے، جس کی آمد پر موجودہ دور کا خاتمہ ہوجائیگا اوراس کی بجائے خدا کی بادشاہت قائم ہوجائے گی۔ پس یہ امر یادرکھنے کے قابل ہے کہ اس اصطلاح سے مقدس لوقا کا وہی مطلب ہے جو انجیلِ مرقس اورسالہ کلمات میں موجود ہے(۱۱: ۲ - ۱۳: ۲۸، ۲۹، ۱۷: ۲۰- ۲۲: ۱۶تا ۱۸- ۲۳: ۵۱)۔ لیکن اس بادشاہی کا جلدی ظہور میں آنے کا خیال ایسا نمایاں اور واضح نہیں جیسا انجیل مرقس میں ہے(دیکھو مرقس ۱۴: ۶۲، لوقا ۲۲: ۶۹- مرقس ۱۳: ۳- لوقا ۹: ۲۷)۔ چنانچہ مقدس لوقا میں سیدنا مسیح کی ایک تمثیل درج ہے جس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو یہ "گمان کرتے تھے کہ خدا کی بادشاہی ابھی ظاہر ہوا چاہتی ہے"۔(۱۹: ۱۱ اور۲۱:

[2] J.M.Creed , The Gospel according to St.Luke (1930) p.XII

۲۸)۔ میں ان لوگوں کے خلاف خبردار کیا گیا ہے جو کہتے تھے کہ " وقت نزدیک آپہنچا ہے" تاہم یہ انجیل نویس تمام ابتدائی کلیسیا کے ایمان داروں کے ساتھ یہ تسلیم کرتا ہے کہ موجودہ دورختم ہوجائیگا اورابنِ آدم کا ظہوراچانک ہوگا(۱۷: ۲۲۔ الخ ۲۱: ۳۵تا ۳۶)۔

اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ یہ انجیل تب لکھی گئی تھی جب اس قسم کے خیالات کلیسیاؤں میں پائے جاتے تھے اورمقدس پولوس نے تھسلنیکی کلیسیا کو ان کے خلاف اپنے دوسرے خط میں خبردار کیا تھا(۲باب)اگرہم ۱۔تھسلنیکی ۵: ۲، ۸ کا مقابلہ لوقا ۲۱: ۳۴تا ۳۶سے کریں تو یہ ظاہر ہوجاتاہے کہ رسول کی عبارت کے الفاظ تک انجیلی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ بھی ثابت ہوجاتاہے کہ یہ انجیل پہلی صدی کے نصف کے قریب لکھی گئی تھی جب یہ خطوط احاطہ تحریر میں آئے تھے۔

ڈاکٹر ڈاڈ Dodd لکھتے ہیں[1]۔ " یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اگرچہ اعمال کی کتاب کی تقریروں میں آنخداوند کی آمد کا ذکرہے(۳: ۱۲تا۲۱)تاہم آپ کی فوری آمدِ ثانی کے سوال پر زور نہیں دیا گیا ۔ چنانچہ ابواب ۲، ۴، ۵، ۱۳ میں اس کا نہ تو خاص طورپر ذکر کیا گیا ہے اورنہ اس پر خاص زوردیاگیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ بات رسولوں کی " منادی" کا جزو ضرور تھی لیکن اس پر زورنہیں دیا گیا بلکہ اُن کی " منادی" کا تمام تر زوراس بات پر ہے کہ خدا نے اپنے لوگوں پر رحم کیا ہے اورنجات بخشی ہے اوراسی بات پر مقدس پولوس زوردیتا ہے چنانچہ ۱۔تھسلنیکی (۱۰) سے ظاہر ہے کہ آمدِ ثانی کا وقت آگیا ہے۔ لیکن بعد میں اس پر زورنہیں دیا گیا بلکہ تمام تر زور گناہ سے نجات پانے پر ہے(۲کرنتھیوں ۵: ۱۶ ۔ کلسیوں۱: ۱۳، ۶: ۶ وغیرہ)"۔ یہی زاویہ نگاہ مقدس لوقا کی انجیل کا ہے جو اس انجیل کی اصلیت اور قدامت کا ایک مزیداور زبردست ثبوت ہے۔

---

[1] Dodd,Apostolic Preaching pp.65-71.

باب چہارم

اناجیلِ کے طریقہ تالیف پر تبصرہ

گذشتہ ابواب سے ناظرین پرظاہر ہوگیا ہوگا کہ ہماری اناجیل نہایت قدیم ہیں اوران کا پایہ اعتبارنہایت بلند اوررفیع ہے کیونکہ وہ اُن ماخذوں سے تالیف کی گئی ہیں جن کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب ابھی واقعات رونما ہورہے تھے۔اوران میں سے اہم اترین ماخذ آنخداوند کی حینِ حیات میں ہی لکھا گیا تھا۔

جب آنخداوند تعلیم دینےلگے تو آپ " قریباً تیس برس" کے تھے (لوقا ۳: ۲۳)۔ آپ کی زندگی کا وہ زمانہ جو خلقِ خدا کی خدمت میں صرف ہوا کم ازکم چارسودن کا مختصرزمانہ تھا لیکن جب ہم چاروں انجیلوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر واضح ہوجاتاہے کہ اُن میں چارسودنوں میں سے بمشکل چالیس الگ الگ دنوں کے بعض چھوٹے بڑے واقعات کا ہی ذکر ملتاہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنخداوند کی اس اعلانیہ زندگی کا ۹: ۱۰ حصہ کی نسبت ہمیں کوئی علم نہیں۔اگرچاروں انجیلوں کا کھنڈ پاٹھ کیا جائے اوران کو لگاتارآہستہ آہستہ پڑھا جائے تو زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے لگتے ہیں[1]۔ چاروں انجیلیں آنخداوند کی پہلی تیس سالہ زندگی کو دوباب میں بیان کردیتی ہیں لیکن آپ کی زندگی کے آخری ہفتہ کے واقعات تیس ابواب پر مشتمل ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

ہم بتلاچکے ہیں کہ سیدنا مسیح کے سامعین کی تعداد ہزارہا تھی اورآپ کی زندگی میں آپ کی وفات کے بعد بیس پچیس سال تک ان ہزاروں چشم دید گواہوں کے آپ کے متعلق ہزاروں زبانی اورصدہا تحریری بیانات مشہورہونگے۔ پس انجیل نویس کے پاس بہت مسالہ تھا جو بہتوں نے لکھا تھا(۱:۱)۔ لیکن انجیل نویسوں نے ہرایک بیان کو اپنی انجیل میں درج نہ کیا بلکہ آنخداوند کے کلماتِ طیبات ، معجزاتِ بینات اور سوانحِ حیات میں سے صرف اُن کو منتخب کیا جواعلیٰ ترین پایہ اعتبارکے تھے اورجوان کے مطلب کےبھی تھے ۔ مقدس یوحنا نے اس انبارمیں سے بعض کو منتخب کیا(۲۰: ۳۰۔ ۲۱: ۲۵۔ اعمال ۱۰: ۲۹تا ۴۱کودیکھو)۔مقدس متی اورمقدس لوقا نے بھی ایسا ہی کیا (۱: ۱تا ۳)۔ مقدس مرقس

---

[1] F.C.Burkitt, Gospels History and it's Transmission p.20.

کا طرق کار یہی تھا(اعمال ۱۱: ۴۔ ۲۶: ۱۶۔ عبرانیوں ۲: ۳ یوحنا ۱۵: ۲۷۔ ۲پطرس ۱: ۱۶، ۱یوحنا ۱: ۱تا ۴)۔

حق تو یہ ہے کہ ہر مصنف کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کتاب لکھنے بیٹھتا ہے تو وہ اپنی تصنیف میں ان تمام باتوں کا ذکر نہیں کرتا جن کا اس کو علم ہوتا ہے بلکہ صرف ان ہی باتوں کاذکر کرتا ہے جو اسکے موضوع کے خاص پہلو سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاًمقدس پولوس نے اپنے خطوط میں منجئی جہان کے معجزات کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا اوربمشکل آپ کے دوچار اقوال پیش کرتا ہے اوروہ بھی صرف ضمنی طورپر۔ اعمال کی کتاب میں پولوس رسول کی تبلیغی مساعی کا مفصل ذکر ہے لیکن اس کو پڑھنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مقدس رسول نے اپنی کلیسیاؤں کو کبھی خط بھی لکھے تھے ۔ اس رسالہ سے ہم کومقدس پولوس کے طرزِ استدلال اوراسلوبِ تحریر کا پتہ بھی نہیں چل سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس روم کے مقدس کلیمنٹ نے جو خط پہلی صدی کے آخر میں لکھا تھا اس میں مقدس پولوس کے خطوط کے مجموعہ کا وہ ذکر نہیں کرتا حالانکہ ۴۷باب میں ۱کرنتھیوں ۱: ۱۲ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۲)

علاوہ ازیں سیدنا مسیح کی زندگی کے اُن واقعات اورآپ کے اُن کلماتِ زرین کو بقا نصیب ہوئی جو رسولوں اورمبشروں کی " منادی" کے جز اوراس منادی کے اجزا کی مثالیں تھیں یا جن کا دورانِ وعظ اکثر ذکر کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں بیان کرنے والے وہ لوگ تھے جوخود چشم دید گواہ تھے اور جوایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے تھے(اعمال ۸: ۱، ۱۴، ۲۶، ۹: ۳۲وغیرہ)۔ یہ لوگ مختلف کلیسیائی مرکزوں میں آنخداوند کی تعلیم ،زندگی اورقیامت کے حالات سناتے تھے ۔ پس مختلف کلیسیاؤں میں مختلف بیانات مروج تھے جن کو انجیل نویسوں نے اپنے ماخذ بنایا۔ مثلاً سیدنا مسیح کی قیامت کے متعلق کسی جگہ پر یروشلیم میں ، اورکسی جگہ گلیل میں دکھلائی دینے کے بیانات مروج تھے۔ انجیل نویسوں نے ان میں سے بعض بیانات کو لے لیا اور دوسروں کو چھوڑدیا۔ مثلاً مقدس پولوس ہم کوبتلاتا ہے کہ آنخداوند اپنی

قیامت کے بعد" کیفا کو اوراس کے بعد اُن بارہ کو دکھائی دیا"۔ (۱۔کرنتھیوں۱۵: ۵)۔ لیکن کسی انجیل نویس نے کیفا کو دکھائی دینے کا واقعہ بیان نہیں کیا اگرچہ اس کا ذکرکیا گیا ہے (لوقا۲۴: ۳۴)۔

آنخداوندکی تعلیم، رسولوں ، مبلغوں اورمبشروں کی " منادی" میں اورکلیسیا کی روزانہ زندگی میں چراغِ راہ تھی۔ وہ ہر جگہ دہرائی اورسکھلائی جاتی تھی۔ مثلاً یہ کہ کلیسیا کا رویہ کیا ہونا چاہیے جب یہودی رسوم، ختنہ، حلال وحرام، سبت کا احترام، نکاح، طلاق، ہیکل اورقیصر کو جزیہ دینے کے سوال وغیرہ درپیش ہوں یا جب زراوردولت کا سوال، آمدِ ثانی کا سوال، نئے دورکا آغازکا سوال مسیحی جماعت کے سامنے پیش ہو۔ یہ زبانی بیانات اورتحریری پارے جودورِاولین کے تھے، مختلف قیمتی پتھروں کی طرح جا بجا دُوردرازمقامات کی کلیسیاؤں میں بکھرے پڑے تھے۔ انجیل نویسوں نے ان قیمتی پتھروں کو جمع کیا اوران سے اناجیل کے تاج بنائے[1]۔

[1] Taylor, Formation of Gospel Tradtion pp.168-176

(۳)

گذشتہ ابواب سے ظاہر ہوگیا ہے کہ انجیل نویسوں نے چشم دید گواہوں کے بیانات کو قلمبند کیا ہے۔ ہرایک انجیل نویس کے پاس مختلف ماخذ تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض نے ایک ہی قسم کے ماخذ استعمال کئے ہیں۔ چونکہ یہ مختلف ماخذ مختلف چشم دید گواہوں کے بیان تھے پس قدرتاً ان کے بیانات کی تفصیل میں اختلاف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ انجیل نویس ایک ہی واقعہ کو بیان کرتے ہیں توچونکہ ان کے ماخذ مختلف تھے لہذا ان اناجیل کے بیانات کی تفصیلات میں اختلاف کا ہونا ایک لازمی اورناگریز امر تھا۔ مثلاً صلیبی واقعہ کی تفصیلات میں اختلاف ہے چنانچہ پہلی تین انجیلوں میں مرقوم ہے کہ شمعون نے آنخداوند کی صلیب اٹھائی تھی لیکن مقدس یوحنا میں ہے کہ آنخداوند خود اپنی صلیبی اٹھائے ہوئے قتل گاہ کو گئے تھے۔ اس قسم کی تفصیلی اختلافات ہر واقعہ کے چشم دید گواہوں کے بیانات میں پائے جاتے ہیں ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر گواہوں کے بیانات کی تفاصیل میں اختلاف نہ ہوں توعدالت کے فاضل

جج ان بیانات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہ قدرتی بات ہے کہ ہر گواہ اپنے خصوصی زاویہ نگاہ سے واقعہ کودیکھے اوراس کو بیان کرے اوریہ بیانات کے اختلاف کا موجب ہوجاتاہے۔چنانچہ رائٹ آنریبل لارڈ شاہ جو لارڈ آف اپیل رہ چکے ہیں کہتے ہیں" ہر شخص اوربالخصوص ہر جج پر(جس کا سابقہ شہادت اورگواہی سے پڑتا) یہ بات فوراً ظاہر ہوجاتی ہے کہ اگرچہ صلیبی بیان کی تفاصیل میں فرق ہے اورہر انجیل نویس کے بیان کا طریقہ نرالا اورجداگانہ ہے اور چاروں بیان کرنے والوں کی سمجھ کے مطابق واقعہ صلیب کے مختلف پہلوؤں پر زوردیا گیا ہے تاہم صلیبی موت کا بیان وزن رکھتاہے اوربیان کردہ واقعات کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا"(سیدنا مسیح کا مقدمہ صفحہ۸۔ دی ٹرائیل آف جیزس کرائسٹ)۔

مقدس متی اورمقدس لوقا نے بعض واقعات کے بیان کو دہرایا ہے ۔ سر جان ہاکنس کہتاہے[1]کہ اس قسم کے بیانات نہایت اہم قسم کے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ ہم کو اناجیل کے ماخذوں کا پتہ چل جاتاہے اوراس بات کا علم ہوجاتاہے کہ اناجیل کے مصنفوں نے اپنی انجیل کو مرتب کرتے وقت کیاکیا ماخذ استعمال کئے تھے۔ بعض اوقات سیدنا مسیح کا ایک قول دومختلف ماخذوں میں مختلف سیاق وسباق میں لکھا گیا ہے اوردونوں انجیل نویسوں نے دونوں ماخذوں کو نہایت ایمان داری سے نقل کردیاہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی قول یا واقعہ کے دوبیانات بعض اوقات ایک ہی انجیل میں پائے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آنخداوند کے کلمات (سوانح حیات) جواناجیل میں درج ہیں صرف کسی ایک واقعہ یا محل پر ہی بولے نہیں گئے تھے۔ اس نکتہ کو عموماً نظر اندازکیا جاتاہے اوریہ فرض کرلیا جاتاہے کہ آنخداوند نے اپنی سہ سالہ خدمت میں جو کلمہ بھی فرمایا تھاوہ صرف ایک ہی بارآپ کی مبارک زبان سے نکلا تھا اوربس۔ اورجس قسم کا معجزہ آپ نے ایک دفعہ کیا وہ صرف ایک ہی موقعہ پر کیا تھا۔ لیکن یہ مفروضہ سرے سے غلط

[1] Sir.J.Hawkins Horce Synoptica 1st ed.p.64

ہے اورتحقیقِ حق میں بنائے فاسد[1] ہے۔ مثلاً متی باب ۱۸: ۱ میں لکھاہے کہ شاگردوں نے سیدنا مسیح سے پوچھا کہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کون ہے"۔ تب آپ نے ایک بچے کو بیچ میں کھڑا کرکے بڑائی کا اصول بتلادیا۔ اورمرقس اورلوقا میں آپ نے یہ اصول بتلایا ۔ جب شاگردوں میں باہم بحث چھڑی (۹باب)۔

پس ظاہر ہے کہ آنخداوند نے ایک ہی قسم کا قول اپنی سہ سالہ خدمت کے دوران میں کئی بار اورمختلف موقعہ اور محل پر فرمایا تھا اورایک ہی قول مختلف تحریری ماخذوں اورپاروں میں مختلف موقعہ اورمحل کے مطابق انجیل نویسوں کے سامنے موجود تھا جس کو انہوں نے نقل کرلیا۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر مونٹی فیوری کا قول یاد رکھنے کے قابل ہے ۔ وہ کہتاہے[2] کہ آنخداوند کی زندگی کے کسی واقعہ کی سچائی یاآپ کے کسی قول کی اصلیت اس کے ماخذ کی قدامت پر منحصر نہیں ہے۔ یعنی یہ باطل ہے کہ اگرکوئی قول یا واقعہ پہلے لکھا گیا ہے تو وہ صحیح ہے اور اگرکوئی دوسرا قول یا واقعہ اس کے چند ماہ یا سال بعد احاطہ تحریر میں آیا ہے تووہ غلط ہے۔ کسی قول یا واقعہ کی صحت کا صحیح معیار دنوں یا مہینوں کی کمی بیشی نہیں ہے۔ مثلاً پہاڑی وعظ کو لے لو۔ یہ مجموعہ انجیل متی میں موجود ہے جس میں سیدنا مسیح کے مختلف زرین اقوال کوایک مقام میں جمع کیا گیا ہے ۔ گویہ اقوال ایک ہی وقت اورایک ہی موقعہ پر نہیں فرمائے گئے تھے جیساکہ انجیل لوقا سے ظاہر ہے کہ جمع کئے جانے سے پہلے یہ اقوال منتشر تھے اورحسب موقعہ اورمحل بولے گئے تھے۔ پس ان اقوال کی اصلیت کا معیار، ان کے جمع کئے جانے کا زمانہ نہیں ہے بلکہ اس اصلیت کا دروامداران کے بولے جانے کے بعد ان کے محفوظ رہنے پر ہے۔

مورخ سیلی Seeley اپنی کتابEcce Homo ایکسی ہومو" میں کیا خوب کہتا ہے کہ اناجیل کے بہترین اقوال اور زرین کلمات کی اصلیت میں کسی قسم کا شک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ایسے الفاظ ہیں جو صرف آنخداوند کی زبانِ حقیقت

---

[1] G.C.Montefiore, The Synoptic Gospels Vol1.pXCIX
[2] Ibid.Vol.I.XCVII-VIII.

ترجمان سے ہی نکل سکتے تھے۔ آپ کے رسول ایسے تخلیقی دماغ اورذہن رسا رکھتے ہی نہ تھے کہ وہ اُن کو گھڑ سکتے۔ وہ صرف معمولی سمجھ اورسوجھ بوجھ کے انسان تھے۔بلکہ سچ پوچھو تو وہ اس قابل نہ تھے کہ سیدنا مسیح کے کلمات کی گہرائیوں کوپاسکیں۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ آپ کے اقوال کے سطحی مطلب کو بھی سمجھنے سے قاصر تھے۔ اُنہوں نے تمام حالات کو پوست کندہ لکھ دیا ہے اورعالم وعالمیان کو مستفید کردیا ہے۔

(۴)

جب اناجیل احاطہ تحریر میں آئیں اُس زمانہ میں کاغذ ابھی دریافت نہیں ہوا تھا۔ کتابیں اورسالے طوماروں پر لکھے جاتے تھے جو لپیٹے جاتے تھے۔قدرتاً ہر مصنف یہ چاہتا تھا کہ اس کے طومار کا سائز صرف اتنا بڑا ہو کہ کھولتے پڑھتے اورلپیٹتے وقت پڑھنے والا وقتِ محسوس نہ کرے اورطومار بھی نہ پھٹے۔ پس مصنف کو لازمی طورپر واقعات کا انتخاب کرنا پڑتا تھا اوروہ صرف انہی واقعات کو قلمبند کرتا تھا جو اُس کے مقصد کے لئے اہم تھے اوردیگر واقعات کو نظر اندازکردیتا تھا۔چنانچہ اس نقطہ کو نگاہ میں رکھ کر اناجیل کا سائز محدود رکھا گیا۔ اورانجیل نویسوں نے آنخداوند کے ہزاروں واقعات اورکلمات میں سے صرف وہی کلمات اورواقعات لکھے جو اُن کے مطلب کو بدرجہ احسن پورا کرتے تھے۔ پے پائرس (نرسل) کے پارچہ کی تقطیح ۵ انچ سے ۱۵انچ تک ہوتی تھی۔ اس کے متعدد ٹکڑے اکٹھے لمبان میں جوڑے جاتے تھے اوریوں ایک لمبا طومار تیارکیا جاتا تھا جو لپیٹا جاتا تھا۔ یہ طومارطول میں عام طورپر تیس یا بتیس فٹ ہوتے تھے۔ پس انجیل نویس کو اس بات کا خیال رکھنا پڑتا تھا کہ جو کچھ اُس نے لکھنا ہے وہ بیس پچیس فٹ لمبے طومار لکھا جاسکے چنانچہ مرقس کی انجیل کے لئے ۱۹فٹ کا طوماردرکار ہوتا تھا۔یوحنا کی انجیل کے لئے ساڑھے تئیس فٹ کا اورمتی کی انجیل کے لئے تیس فٹ کا طوماردرکارتھا۔ لوقا کی انجیل کے لئے ۳۲ فٹ کے طومار کی ضرورت تھے۔ پس لامحالہ انجیل نویسوں کو آنخداوند کے کلماتِ طیبات اورمعجزات اور سوانح حیات میں سے انتخاب کرنا پڑتا تھا اوراُنہوں نے نہایت حزم واحتیاط سے کام لے کر اپنے مقصد کے تحت

صرف انہی واقعات کو قلمبند کیا جو زیادہ سے زیادہ تیس یا بتیس فٹ کے طومار پر لکھے جاسکیں۔یہی وجہ ہے کہ مقدس متی اورمقدس لوقا انجیل دوم کونقل کرتے وقت بعض الفاظ کوچھوڑدیتے ہیں مثلاً مرقس ۱: ۲۳ کو نقل کرتے وقت مقدس لوقا الفاظ" اور فی الفور" کو چھوڑدیتا ہے۔متی اورلوقا انجیل مرقس ۱۴: ۵۱یا ۹: ۱۴تا ۲۹ کو نقل کرتے وقت اس مقام کی تفصیلات کوچھوڑدیتے ہیں (متی ۱۷: ۱۴تا ۲۰۔ لوقا ۹: ۳۷تا ۴۱)گویہی تفصیلات ثابت کرتی ہیں کہ یہ تمام بیان کسی چشم دید گواہ کا بیان ہے۔ لیکن چونکہ ان تفصیلات کے بغیر بھی بیان مکمل ہے پس متی اورلوقا ان کو نقل نہیں کرتے ۔ لیکن اس قسم کی غیر ضروری تفصیلات سے ہر روشن دماغ پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ ان کا بیان کرنے والا ایک چشم دید گواہ ہے اوروہ انجیل نویس کے دماغ کی اختراع نہیں کیونکہ ان کے بغیر بھی بیان مکمل ہے۔

(۵)

ہم ابواب بالا میں دیکھ چکے ہیں کہ تینوں انجیل نویسوں نے قدیم ماخذوں کو لفظ بہ لفظ نقل کیا ہے۔ چنانچہ مقدس متی نے مقدس مرقس کی انجیل کی نوے فی صدی باتیں تقریباً مقدس مرقس کے الفاظ میں نقل کی ہیں اورمقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کا آدھے سے زیادہ نقل کیا ہے۔اور تینوں اناجیل کے مشترکہ مقامات میں مقدس متی یا مقدس لوقا یا دونوں انجیل نویس مقدس مرقس کے الفاظ کا ایک کثیر حصہ نقل کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقدس مرقس کی انجیل کے مندرجہ واقعات کی ترتیب کو باقی دونوں انجیل نویس قائم رکھتے ہیں اورجس مقام میں ایک انجیل نویس اس ترتیب کو چھوڑدیتا ہے ، دوسرا انجیل نویس اس کو قائم رکھتا ہے[1] ۔ ان امور سے ہم کو انجیل نویسوں کی طرز تالیف کا پتہ مل جاتا ہے کہ جہاں تک ہوسکا انہوں نے اپنے ماخذوں کے الفاظ کو قائم اوربرقراررکھا اوراُن میں تبدیلی نہ کی ۔دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان اناجیل میں بمشکل کوئی لفظ ہوگا جوان کے ماخذوں میں نہ ہو۔ چونکہ ان ماخذوں کے الفاظ کا پایہ اعتبار اعلیٰ ترین ہے اوران کے ہر لفظ کی صحت کا ذمہ دار ہے لہذا ان اناجیل کا بھی

---

[1] Streeter, Four Gospels pp.200ff.

پایہ اعتبار بلند ترین ہے کیونکہ وہ صرف معتبر الفاظ پر ہی مشتمل ہیں۔

(۶)

بایں ہمہ تینوں انجیل نویسوں نے اپنے ماخذوں کو اس حیرت انگیز پر استعمال کیا ہے کہ ان کو اپنالیا ہے۔ ایسا کہ ہر ایک طرزِ تحریر الگ ہے۔ ہر ایک کا اسلوب بیان جدا ہے۔ مقدس مرقس کا طرز بیان مقدس متی کا سا نہیں اور مقدس متی کا طورِ تحریر مقدس لوقا کا سا نہیں۔ ہر ایک کی طرز خصوصی ہے ایسا کہ جس شخص نے اناجیل کا ذرا غور وتدبر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے وہ فوراً بتلاسکتا ہے کہ فلاں آیت لوقا میں یا مرقس میں یا متی کی ا نجیل میں نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کا طرزِ تحریر اس مصنف کا سا نہیں ہے۔

حق تو یہ ہے کہ انجیل نویسوں نے اپنے ماخذوں کو اس خوش اسلوبی سے اپنایا ہے کہ اگر ہمارے ہاتھوں میں انجیل مرقس نہ ہوتی تو ہم انجیل اوّل وسوم سے تمام کی تمام انجیل مرقس کو مرتب نہ کرسکتے حالانکہ ان دونوں انجیلوں میں وہ نقل کی گئی ہے۔ ہم بآسانی اس انجیل کے الفاظ بھی متعین نہ کرسکتے ، لیکن چونکہ انجیل مرقس ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ہم نہ صرف یہ بتلاسکتے ہیں کہ اس کو باقی دونوں انجیل نویسوں نے نقل کیا ہے بلکہ ان دونوں کے مشترکہ الفاظ سے ہم رسالہ کلمات کو بھی ایک حد تک معین کرسکتے ہیں حالانکہ یہ رسالہ اب عالم وجود میں نہیں ہے۔ لیکن اگر ہمارے پاس صرف انجیل متی ہوتی یا صرف انجیل لوقا ہوتی تو ہم ان دونوں میں سے کسی ایک انجیل کے ذریعہ نہ توانجیل مرقس مرتب کرسکتے اورنہ رسالہ کلمات کے الفاظ کو متعین کرسکتے۔ اس سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ انجیل نویسوں نے کس خوبی سے اپنے ماخذوں کو اپنالیا ہے۔

مقدس متی اورمقدس لوقا نے ماخذوں کو استعمال کرتے وقت نہ صرف ان کے الفاظ کی نحومی خامیوں کو درست کیا ہے بلکہ الفاظ کی دُرشتی کوبھی دورکردیا ہے۔ مثلاً مرقس ۶: ۵ کا مقابلہ کریں متی ۱۳: ۵۸ سے ۔ مقدس لوقا ان الفاظ کو نقل نہیں کرتا۔ ان لفظی تبدیلیوں کا تعلق اکثر اوقات مقدس مرقس کی انجیل کی یونانی زبان کے طرزِ اداوراسلوبِ بیان کے ساتھ ہے۔ جیسا ہم بتلاچکے ہیں اس انجیل کی یونانی

ایسی ہے، جیسے کوئی شخص فی البدیہہ تقریر کرتا ہے اوردوسرا شخص اس کی تقریر کو" شارٹ ہینڈ" میں لکھ لے۔ پس اس انجیل کی یونانی زبان میں خامیاں موجود ہیں۔لیکن باقی دونوں انجیل نویسوں کی یونانی زبان زیادہ شستہ، مختصر اورجامع ہے اوروہ اپنے الفاظ کو تول کر لکھتے ہیں، جس طرح کوئی مصنف اپنی کتاب کو دوسرے لوگوں کے پڑھنے کے لئے سلیس، اور نستعلیق زبان یں لکھتاہے ۔ مثلاً مقدس مرقس ایک جگہ لکھتے ہیں " جب شام ہوگئی اورسورج ڈوب گیا"۔ لیکن " جب سورج ڈوب گیا " لکھتے ہیں۔ سرجان ہاکنس نے اس قسم کی ایک سو مثالیں جمع کی ہیں[1]۔ یہ مقامات مقابلتاً بہت کم ہیں لیکن وہ معنی خیز ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ انجیل نویس محض کاتبوں کی طرح الفاظ کو نقل کرنے والے ہی نہ تھے۔ بلکہ زبان اورکلام کے نقاد بھی تھے جو اس بات پر قادر تھے کہ ماخذوں کے الفاظ کواس طورپر نقل کریں کہ وہ اپنائے جائیں ایساکہ ان میں خصوصی طرز پیدا ہوجائے۔

[1] Hawkin's Horce Synoptica p.125

(۷)

اناجیل کے مولفوں نے اپنے ماخذوں کے استعمال کرتے وقت وہی طریقہ اختیارکیا جواُن سے پہلے عہدِ عتیق کی کتُب کے لکھنے والوں نے استعمال کیا تھا۔ چنانچہ ان کتابوں میں اُن ماخذوں کے نام بھی دئے گئے ہیں جن سے ان کے مولفوں نے واقعات اخذ کئے تھے ۔ مثلاً یشوع کی کتاب اورسیموئیل کی کتاب میں" یاشر کی کتاب "کا ذکرآتا ہے (یشوع ۱۰: ۱۳، ۲سیموئیل ۱: ۱۸ وغیرہ)۔ اسی طرح پہلی اوردوسری تواریخ کی کتُب کے مصنفوں نے پہلی اوردوسری سلاطین کی کتب سے واقعات لئے ہیں اوروہ سلاطین کی کتابوں کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں۔

جس طرح قدیم زمانہ میں " یاشر کی کتاب" مشہورتھی لیکن چونکہ اس کے بہترین مضامین بائبل کی دیگر کتابوں میں نقل ہوگئے تھے اس کتاب کا نقل ہونا موقوف ہوگیا اورآہستہ آہستہ وہ کتاب نابود ہوگئی۔ اسی طرح جب انجیل نویسوں نے رسالہ کلمات اوررسالہ اثبات کے مضامین کو نقل کرلیا تو

ان رسالوں کی ضرورت نہ رہی اوران کا نقل ہونا موقوف ہوگیا۔ ایسا کہ یہ رسالہ رفتہ رفتہ نابود ہوگئے۔

علیٰ ہذا القیاس جب مقدس متی اورمقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کے مضامین کو اپنی انجیل میں نقل کرلیا تو یہ انجیل بھی بہت کم نقل ہونے لگی۔ کیونکہ یہ دونوں انجیلیں زیادہ مکمل اور مفصل تھیں۔ ان میں وہ سب کچھ موجود تھا جو انجیل مرقس میں پایا جاتا ہے اوراس کے علاوہ ان میں سیدنا مسیح کی تعلیم اورکلمات اور دیگر واقعات بھی درج تھے۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ابتدائی مسیحی صرف چند ایک طومارہی رکھ سکتے تھے پس اُنہوں نے انجیل متی اورانجیل لوقا کے طوماروں کو قدرتاً ترجیح دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انجیل مرقس کی نقلیں بھی کم ہونے لگیں اورایک وقت ایسا آگیا کہ یہ انجیل بھی نابود ہونے لگی۔ ہر ایک انجیل خواں اس بات سے واقف ہے کہ اس انجیل کے سولھویں باب کی آٹھویں آیت کے درمیان میں یہ انجیل ختم ہوجاتی ہے ۔ اس آیت کا آخری فقرہ بھی ادھورا ہی رہ گیا ہے جس کے آخری الفاظ " کیونکہ لرزش اورہیبت" ہیں حالانکہ اس میں رتی بھر شک نہیں کہ اس انجیل کے آخر میں سیدنا مسیح کے شاگردوں پرظاہر ہونے کا واقعہ درج تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کی موجودہ اُدھوری حالت محض ایک اتفاقیہ امر ہے کیونکہ اگریہ بات ارادتاً وقوع میں آئی توکم ازکم آخری فقرہ تو ادھورا نہ رہنے دیا جاتا بلکہ وہ پورا لکھا جاتا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس انجیل کا نقل ہونا موقوف ہوگیا تھا اورایک وقت ایسا آیا جب صرف ایک ہی نسخہ موجود رہ گیا تھا جس میں یہ فقرہ اُدھورا تھا اور کوئی دوسرانسخہ دستیاب نہ ہوسکا جس کے ذریعہ اس آخری فقرہ کو پورا کرلیا جاتا۔

جب بعد کے زمانہ میں کلیسیا نے اناجیل اربعہ کی مسلمہ فہرست کو تسلیم کرلیا توانجیل دوم پھر سے نقل ہونے لگی اوراب یہ انجیل ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، اگرچہ اس کو باقی دونوں انجیلوں میں نقل کیا گیا ہے۔ جس طرح سلاطین کی دونوں کتابیں ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں اگرچہ ان کے مضامین اورالفاظ تواریخ کی کتابوں میں نقل ہوگئے تھے۔

انجیل نویس وقائع نگار مورخ نہ تھے۔ اس زمانہ میں تاریخ کا موجودہ تصور ابھی معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا۔ جسٹن شہید دوسری صدی کے پہلے نصف حصہ میں اناجیل کو " تذکرہ" Memoirs کے نام سے موسوم کرتا ہے اوریہ انجیل نویسوں کے نقطہ نگاہ کوسمجھنے کے لئے نہایت موزوں لفظ ہے۔ انہوں نے مختلف بکھرے ہوئے ماخذوں کو مختلف گروہوں میں جمع کیا ، سیدنا مسیح کی تعلیم کو مختلف عنوانوں کے ماتحت اکٹھا کیا لیکن شانِ نزول کا یعنی اس بات کا خاص لحاظ نہ رکھا کہ وہ کلمات کب اورکس موقعہ پر فرمائے گئے ۔ انہوں نے ان کلمات کے جمع کرنے میں کسی تواریخی ترتیب کو بھی ملحوظِ خاطر نہ رکھا۔ اُنہوں نے سیدنا مسیح کے کلمات اورسوانحِ حیات کواس مقصد کے لئے جمع کیا کہ کلیسیا کے ایمان داروں کا ایمان مستحکم اور مضبوط ہو۔ اُنہوں نے سیرتِ نگاری کا کام انجام دیا۔وہ واقعات کو مسلسل تواریخی طورپر جمع کرنے والے نہ تھے ۔ حق تو یہ ہے کہ تاریخ اتفاقیہ واقعات کے محض سلسلہ کا نام نہیں۔ ان واقعات کے پس پردہ الہیٰ اٹل قوانین ہوتے ہیں اورمورخ کا کام ان پنہانی قوانین کو بتلانا ہے۔ چنانچہ انجیل نویس اس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔

ہمارے ملك ہندوپاکستان کے قدیم لوگوں کی طرح اہل یہود بھی تواریخی واقعات کواس طرح قلمبند نہیں کرتے تھے جس طرح رومی سلطنت کے مورخ کرلیتے تھے ۔ اگرچہ عہدِ عتیق کی تواریخی کُتَب یہود میں مروج تھیں تاہم یہود تاریخ کی جانب سے بے نیاز تھے اوریہی وجہ ہے کہ کسی نبی یا یہودی ربی کی سوانحِ عمری موجود نہیں[1]۔ کتبِ عہدِ عتیق کی تواریخی کُتَب بھی محض واقعات کے ذکر کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتیں بلکہ ان واقعات کے پس پردہ جو روحانی اوراخلاقی قوانین کارفرما ہیں ،ان کا کا ہی ذکر کرتی ہیں ۔

سچ پوچھو تو محض واقعات کو تواریخی طورپر جمع کردینے سے کسی شخص کی سیرت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ مثلاً اگرکوئی مصنف کسی مشہورشخص کی سیرت لکھنے بیٹھے اور تواریخی طورپر صرف یہ بتلائے کہ وہ فلاں مقام میں اورفلاں سن میں پیدا ہوا۔ اُس نے فلاں سکول سے فلاں سن میں فلاں

---

[1] Streeter, Sources of The Gospels in Outlines of Christanity Vol1.p.303

جماعت کا امتحان پاس کیا۔ اورفلاں کالج سے فلاں یونیورسٹی
میں فلاں سال فلاں امتحان میں اول درجہ پر رہا۔ فلاں سال
وہفلاں ہائی کورٹ کا جج اورفلاں سال میں فلاں ملک کا وزیر
اعظم بنا۔ اسکے عہدہ وزارت کے زمانہ میں فلاں فلاں قانون بنے
اوروہ فلاں سال اچانک مرگیا تو اس قسم کی وہ وقائع نگاری سے
کسی کو اس شخص کی سیرت اوراہمیت کا پتہ نہیں چل سکتا
اورنہ اس قسم کی تواریخی مسلسل ترتیب کسی مصرف کی
ہوسکتی ہے ۔ کیونکہ ہر شخص کی زندگی میں خفیف
واقعات رختنی اورگذشتنی ہوتے ہیں جو صرف عارضی اور
وقتی قسم کے ہوتے ہیں اورچند عرصہ کے بعد وہ بھول بسر
جاتے ہی کیونکہ ایسے واقعات کا دائمی اثر نہیں ہوتا۔لیکن اس
کی زندگی کے بعض حالات تمام زمانوں کے لئے ہوتے ہیں۔ ان
کا ذکر لازمی ہے ۔ اگراس کی شخصی، خاندانی اورپبلک زندگی کی
چند مثالیں دی جائیں اوریہ بتلایا جائے کہ اس کے تعلقات
دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کیا تھے، اس کا سلوک قومی
کارکنوں اورعامتہ الناس کے ساتھ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ
اس پر فدا تھے۔ اس کا قومی اوربین الاقوامی مطمح نظر کیا تھا۔
جس سے اس کے ملک میں انقلاب اوردنیا میں تھلکہ پڑگیا
وغیرہ وغیرہ ۔ تویہ اُموراس کی سیرت کو سمجھنے میں اوراس
کی شخصیت کو جاننے میں بڑے کام کے ہوتے ہیں ۔

اس سلسلہ میں پلوٹارک کے الفاظ قابل ذکر ہیں۔
چنانچہ وہ اپنی کتاب سکندر کے زندگی نامہ کے شروع میں
کہتا ہے " اس کے بڑے اورعجیب کام اس کثرت سے تھے ک یہ
میرے لئے یہ ضرورہے کہ میں اپنے ناظرین کو آگاہ کردوں کہ
میں نے اس کی زندگی کا مختصرخاکہ ہی پیش کیا ہے اورہر
واقعہ کی تفصیلات سے احترازکیا ہے۔ یہ یادرکھنا چاہیے کہ
میرا مقصد یہ نہیں کہ میں کوئی تاریخ کی کتاب لکھوں بلکہ میرا
مطلب یہ ہے کہ میں ایک زندگی نامہ لکھوں۔ پس جس طرح
مصورچہرے کی اُن لکیروں اورخصوصی باتوں کو پیش کرتا ہے
جن سے کیرکٹر صاف ہو جائے اسی طرح میں نے اُن واقعات
کو پیش کیا ہے جن سے اُس کی روح نظر آجائے"۔

اسی طرح یہ انجیل نویس سیرتِ مسیح کو پیش کرنا
چاہتے تھے تاکہ آنخداوند کے تصورات اورروحانی جذبات کا
نقشہ اُن کے پڑھنے والوں کی نظروں کے سامنے کھینچ جائے۔

"سیرتِ مسیح" سے ہماری یہ مراد ہے کہ ابتدائی مسیحی اپنے آقا اورمنجئی کی تعلیم اورسوانحِ حیات ،آپ کی ظفریاب قیامت اورصعودِ آسمانی سے واقف ہونا چاہتے تھے اورانا جیل اربعہ نے یہ کام بہترین طریقہ سے پورا کردیا ہے۔ لیکن اگر"سیرت" سے یہ مراد لی جائے کہ ایک واقعہ سے کس طرح دوسرا واقعہ رونما ہوا، اوردوسرے واقعہ کا تیسرے واقعہ سے کیا تعلق ہے یاآپ کی ذہنی اورروحانی زندگی نے کس طرح بتدریج ترقی کی تاکہ آپ کے باطنی خیالات اورروحانی جذبات اورمختلف محرکات کا پتہ لگ سکے تو اس قسم کا تصورانجیل نویسوں کے زمانہ میں موجود ہی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ٹھیک ٹھیک یہ نہیں بتلاسکتے کہ آپ کی عمر کیا تھی۔یاآپ کی علانیہ خدمت کا عرصہ کتنے برس کا تھا یاآپ کا مبارک چہرہ، قدوقامت خدوخال کیا تھے۔ اورآپ کی زندگی کا بیشتر اورمتعدیہ حصہ ہم سے پوشیدہ ہے۔

واقعات کو مفصل طورپر تاریخ وارلکھ کر ترتیب دینا ایک بات ہے۔ اورکسی شخص کی شخصیت، سیرت، سبھاؤ وغیرہ کی کردارنگاری دوسری بات ہے۔ تاریخی واقعات صرف بیرونی عالم کے مشاہدات ہوتے ہیں اوران کو لکھنے میں مقابلتہً شعورکو اتنا دخل نہیں ہوتا جتنا ایک امر اورہمیشہ زندہ رہنے والی شخصیت کی سیرت نگاری میں عقل اورشعور کو دخل ہوتا ہے۔ واقعہ نگاری میں کوئی آگ نہیں ہوتی لیکن سیرت نگاری کی چنگاریاں تن بدن میں آگ لگادیتی ہیں اور پڑھنے والے کی رگ رگ میں ارتعاش پیدا ہوجاتا ہے۔ اوریہ کام انجیل نویسوں نے بدرجہ احسن انجام دیا ہے[1]۔

انجیل نویسوں کے طریقہ کارکم ازکم یہ فائدہ ضرورہوا کہ آپ کی زندگی کے واقعات میں اسلامی احادیث کی طرح غلط بیانی ، مبالغہ آمیزی اوررنگ آمیزی سے کام نہیں لیا گیا۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ ہمارے پاس دورِحاضرہ کے مورخوں کے سے بیان نہیں ہیں تاہم انجیل کے پڑھنے والے آنحداوند کی سیرت اور شخصیت سے بخوبی واقف ہیں۔ انجیل نویسوں نےآپ کی زندگی کے اہم واقعات کو لکھا جن کا علم لازمی اورضروری تھا۔ دیگر واقعات کو قلم اندازکردیا گیا ہے۔ جو واقعات لکھے گئے وہ بالعموم میں موجود تھے کیونکہ

[1] Burkitt, Gospels History and its Transmission pp.23-27.

زبانی بیانات عموماً مسلسل واقعات کی صورت میں نہیں ہوتے بلکہ وہ الگ الگ اورغیر مربوط ہوتے ہیں[1]۔

اناجیل کا سرسری مطالعہ بھی ہم پر یہ واضح کردیتا ہے کہ ان کے مصنف آنخداوند کی سیرت نگاری کا کام سرانجام دینے کی استعداد اور قابلیت رکھتے تھے۔ یہ مصنف وہ تمام صفات رکھتے تھے جو کسی اعلیٰ سیرت نگار کے لئے لازمی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف دوہزارسال کے بعد روزِاوّل کی طرح اب بھی ویسی ہی جاذبِ توجہ ہیں اوردنیا کے مختلف ممالک ، اقوام اور زمانوں میں دلکش ثابت ہوکر کروڑوں کی نجات کا باعث ہوتی چلی آئی ہیں۔

(۹)

اگرانجیل وقرآن کے ماخذوں پر اوران کی تالیف پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تو دونوں آسمانی کتابوں کے پایہ صحت واعتبار کا فرق خود بخود سامنے آجاتا ہے۔ ہمارے مسلم برادران قرآن وحدیث میں تمیز کرکے قرآن کو خدا کا کلام اورحدیث کو رسول کا کلام کہتے ہیں۔ لیکن ہر عاقل پر یہ

بات روشن ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ انسان کے بنے ہوئے کسی مکان میں سکونت نہیں کرتا، اسی طرح وہ انسان کی زبان کے بنے ہوئے الفاظ کی بولی بھی نہیں بولتا۔قرآن میں خود آیا ہے۔ ترجمہ: یعنی کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے باتیں کرے مگر بذریعہ وحی کے (سورہ الشعوریٰ آیت ۵۰)۔قرآن کے مطابق وحی کا مطلب کسی انسان کے جی میں بات ڈالنا ہے چنانچہ لکھا ہے یعنی ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ موسیٰ کو دودھ پلائے (قصص آیت ۷)۔اور سورہ نحل میں ہے کہ خدا نے شہد کی مکھی کی طرف بھیجی وغیرہ۔ لہذا اگر قرآن خدا کا کلام ہے تو وہ اُن معنوں میں نہیں کہ اس کے الفاظ خدا کے اپنے منہ کے الفاظ ہیں کیونکہ خدا کا نہ تو کوئی منہ ہے ، نہ زبان، اورنہ الفاظ۔ اس کی ذات ایسی باتوں سے بالا اورمنزہ ہے۔ پس ظاہر ہے کہ قرآن بھی حدیث کی طرح رسول عربی کا کلام ہے جو خدا کی طرف سے القا اورالہام کا

[1] Vincent Taylor, Formation of Gospels Tradtion pp.144-167

نتیجه ہے اورجو ماخذوں سے جمع کیا گیا تھا۔ اوردیگر کتُب کی طرح تالیف کیا گیا تھا۔

جب رسولِ عربی نے ۱۱ہجری میں وفات پائی تو موجودہ قرآن احاطہ تحریر میں نہیں آیا تھا۔ قرآن کو جمع کرنے والے زید بن ثابت کے پاس یہ ماخذ تھے۔ " وحی کبھی ہرن کی جھلیوں اورکبھی اونٹ کی ہڈیوں اورکبھی کھجور کے پتوں کی کتابوں پر لکھی جاتی تھی۔ اصحاب میں سے جن کو زیادہ شوق تھا وہ بطورِخود وحی کو جمع بھی کرتے جاتے تھے۔ لیکن بالا استیواب نہیں۔ بلکہ جس کو جو کچھ بہم پہنچا بقدر فرصت جمع کرلیا۔ پیغمبر صاحب کی زندگی میں پورے قرآن کا کسی ایک شخص کے پاس ہونا ثابت نہیں۔مگر ہاں جماعتِ صحابہ میں پورا قرآن موجودتھا۔ کچھ لوگوں کے سینوں میں ، کچھ جھلیوں اورہڈیوں اورکتابوں اورپتوں میں۔ اس زمانہ کے لوگ ازبس کہ پڑھے لکھے نہ تھے ،قوتِ حافظہ کو زیادہ کامیں لاتے تھے "۔ (حافظ نذیر احمد دیباچہ قرآن صفحہ ۳۶)۔یہ ماخذ اس قسم کے تھے اورجمع قرآن کا کام ایسا دشوار تھا کہ زید کہتا ہے کہ " خدا کی قسم اگرمجھے مجبور کرتے کہ تم پہاڑکو ایک جگہ سے دوسری جگہ کردوتو یہ بات مجھے زیادہ مشکل معلوم نہ ہوتی بہ نسبت اس کے کہ مجھے جمع قرآن کا حکم دیا"۔

(۱۔) پہلی قسم کے ماخذ قرآن کے حافظ اورقاری تھے اور قرآن زیادہ تر اُن کے سینہ میں ہی تھا۔ کیونکہ " جھلیوں اورہڈیوں اورکتابوں اورپتوں، پر قرآن کا حصہ بہت کم لکھا جاسکتا تھا۔ لیکن اوّل یہ حافظ آخر بشر تھے۔ ان کے حافظہ سے بعض آیات فراموش ہوسکتی تھیں اورہوئیں۔ بلکہ حدیث سے ظاہر ہے کہ خود رسول اللہ بھی بعض آیات بھول جاتے تھے۔ دوم۔ رسول عربی کے جیتے جی ہجرت کے بعد ۹سالوں کے اندر۸۳ غزوات اورسریا ہوئے اوران کی وفات کی بعد خلفاء کےزمانہ میں بہت جنگیں ہوئیں جن میں یہ حافظِ قرآن مارے گئے۔ معرکہ یمامہ میں بالخصوص بہت سے حافظِ قرآن کا م میں آئے۔پس قرآن کا وہ حصہ جو صرف ان کو ہی یاد تھا ان کے ساتھ ضائع ہوگیا۔ چنانچہ ابن داؤد سے مروی ہے کہ حضرت " عمر نے قرآن کی کسی آیت کو دریافت کیا اُن سے کہا گیا کہ وہ آیت فلاں شخص کو یاد تھی جو

جو کہ معرکہ یمامہ میں قتل ہوگیا۔ یہ سن کر عمر نے کہا اناللہ اورقرآن کو جمع کرنے کا حکم دیا۔

(۲۔) قرآن کے دوسرے ماخذ اس قسم کے تھے، کہ وہ پائدارنہ تھے اورمنتشر حالت میں تھے جو قریب نصف صدی تک محفوظ رہ سکتے ۔ ان کو جمع کرنے اورجمع کرنے کے بعد ان کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔

(۳۔) قرآن کو جمع کرنے والا زید بن ثابت اس کا کام اہل نہ تھا جو اس کے سپردکیاگیا تھا۔ قرآن کے چاروں مسلم الثبوت استادوں یعنی عبد اللہ بن مسعود، سالم مولا، ابن حذیفہ ، ابی بن کعب اورمعاذبن جبل سے کسی کو جمع قرآن کے لئے نہ کہا گیا۔لیکن یہ کام زید کودیا گیا جوبعد ہجر مدینہ میں مسلمان ہوا تھا اورخوردسال ہونے کی وجہ سے جنگوں میں بھی شریک نہ کیا گیا تھا۔ وہ نہ مشہورصحابہ میں سے تھا اورنہ اس کو قرآنی آیات والفاظ کی ترتیب کا علم تھا۔ وہ حافظِ قرآن بھی نہ تھا۔

(۴۔) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو قرآن جمع کیا گیا ، اس میں تمام کا تمام قرآن جو رسول کے زمانہ میں تھا درج نہ ہوا بلکہ اس کا صرف ایک حصہ جمع ہوا اوروہ بھی بے ترتیبی اوربے ربطی کے ساتھ۔ مکی آیات مدنی سورتوں میں موجود ہیں اوربالعموم قرآن کے مقامات اورآیات کی جمع اورتقسیم میں کوئی مناسبت پائی نہیں جاتی ۔ امام جلال الدین سیوطی کی کتاب اتقان کا سطحی مطالبہ بھی یہ ظاہرکردیتا ہے کہ اصل قرآن نہ صرف آیات کی آیات بلکہ سورتیں بھی موجودہ قآن میں نہیں ہیں۔اوراس میں بعض آیات ایسی ہیں جو درحقیقت اصل قرآن کا حصہ نہ تھیں اورقرآن وغیرقرآن میں کوئی فرق نہ رہا۔اصل قرآن کے بعض حصے غیر قرآنی سمجھے گئے اورغیر قرآنی حصے قرآن میں داخل ہوگئے۔ اب حالت یہ ہے کہ سورتوں اورآیتوں کا صحیح محل ومقام دریافت کرنا ایک ناممکن امر ہوگیاہے۔ اس بے احتیاطی اوربے ربطی کو علمائے اسلام تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے بعض مقامات میں فصاحت وبلاغت تو الگ، سلیس عربی عبارت کی بجائے لفظی عیوب موجود ہیں۔ تکرارلفظی اورمعنوی موجود ہے اورجابجا بے ربطی پائی جاتی ہے۔ مثلاً بطور مشتے نمونہ ازخروارے سورہ یونس ع ۹ میں

---۔ الخ میں پہلے حکم تشنیه کے صیغه سے دینا شروع ہوا پھر ربوط توڑکر اس کو جمع کردیا ہے اورپھر دفعتہً اس کو واحد بنادیا ہے!سوره فتح آیت ۸ میں ہے

----۔ الخ میں متکلم حاضر اورغائب کو مخلوط کرکے ضمیروں کو گڑبڑکردیا ہے۔ ہم اس موضوع پر ناظرین کی توجه امام سیوطی کی کتاب اتقان ، مرزا سلطان احمد کی کتاب تصحیفِ کاتین ، سید علی حائری کی کتاب موعظه تحریف قرآن ، سید امجد حسین کی کتاب تحریف القرآن، پروفیسر رامچندر کی کتاب تحریف القرآن اور مسٹر اکبر مسیح کی کتاب تنویر الاذہان فصاحت القرآن اورپادری عماد الدین کی کتاب تقویته الایمان وغیره کی جانب مبذول کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہر منصف مزاج شخص خود دیکھ سکتا ہے که اناجیل اربعه اور قرآن کے ماخذوں اورتالیف کرنے والوں کی قابلیت اورمجموعه اناجیل اورقرآن میں زمین آسمان کافرق ہے۔ع

به بیں تفاوتِ راه ازکجا ست تا بکجا

حصه سوم

تاریخ تصنیفِ اناجیلِ متفقه

ہم نے پچھلے دوحصوں میں یه ثابت کردیا ہے که اناجیل کا پایه اعتبارنہایت بلند اوران کے مضامین کی صحت کی شان نہایت رفیع ہے۔ان کے بیانات کے ہزارہا چشم دید گواه تھے جوان کی تالیف وترتیب کے زمانه میں زنده تھے۔ان چشم دید گواہوں کے بیانات ہماری اناجیل کے ماخذ ہیں جونہایت قدیم ہیں اوراولین زمانه سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس حصه میں ہم انشاء الله یه ثابت کرینگے که یه انجیلیں منجئ جہان کی صلیبی موت کے تین سالوں کے اندر اندر اُن قدیم ترین ماخذوں سے تالیف کی گئیں جن میں سے (جیسا ہم حصه دوم میں ثابت کرچکے ہیں) بعض اُسی زمانه میں لکھے گئے تھے جب یه واقعات رونما ہوئے تھے اورجب آنحداوند ابھی مصلوب بھی نہیں ہوئے تھے۔

رسولوں کے اعمال کی کتاب (جوانجیلی مجموعه میں پانچویں کتاب ہے)انجیلِ سوم کے بعد لکھی گئی (اعمال۱:۱) ہم دوسرے حصه کے ابواب اوّل کی فصل سوم میں بتلاچکے

ہیں کہ انجیل سوم کے مصنف مقدس لوقا نے انجیل دوم کو بطورِایک ماخذ کے استعمال کیا ہے پس مقدس لوقا کی انجیل مرقس کی انجیل کے بعد لکھی گئی تھی۔ لہذا اگرہم سب سے پہلے رسولوں کے اعمال کی تاریخ تصنیف کومعین کرلیں تو مقدس لوقا اورمقدس مرقس کی انجیلوں کی تاریخِ تصنیف کومعلوم کرنے میں سہولت ہوجائیگی اورہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکیں گے کہ یہ دونوں انجیلیں رسالہ اعمال کے فلاں سنِ تصنیف سے پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھیں۔

باب اوّل

تاریخِ تصنیف رسالہ اعمال الرسل

فصل اوّل

تاریخِ تصنیف کی اندرونی شہادت

عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اعمال کی کتاب ۸۵ء کے قریب لکھی گئی تھی[1]۔ لیکن کتاب کی اندرونی شہادت اس تاریخ کے خلاف ہے اوریہ ثابت کرتی ہے کہ یہ تاریخ درست نہیں ہوسکتی بلکہ اگرہم رسولوں کے اعمال کی کتاب کا غور وتدبر سے مطالعہ کریں تو اس کے غائر مطالعہ اوراندرونی شہادت سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب ۶۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔

کسی تاریخ کی کتاب کا سن تصنیف معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ اس میں آخری واقعہ جو درج ہوا ہے وہ کس سال میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اعمال کی کتاب کے آخری باب میں مقدس پولوس کے شہر

---

[1] Peake's Commentary p.744.

روم میں پہنچنے کا ذکر پایا جاتا ہے تاکہ وہ قیصرِ روم کے سامنے اپنی صفائی پیش کرسکیں چنانچہ اس کتاب کے آخری الفاظ یہ ہیں"۔ جب ہم روم میں پہنچے تو پولوس کو اجازت ہوئی کہ اکیلا اس سپاہی کےساتھ رہے جو اس پر پہرا دیتا تھا۔تین روز کے بعد اس نے یہودیوں کے رئیس کو بلوایا۔ وہ اس سے ایک دن ٹھہرا کر کثرت سے اس کے ہاں جمع ہوئے ۔ بعض نے اس کی باتوں کو مان لیا اوربعض نے نہ مانا۔۔۔ اورپولوس پورے دوبرس اپنے کرائے کے گھر میں رہا اورجواس کے پاس آتے تھے ان سب سے ملتا رہا اورکمال دلیری سے بغیر روک ٹوک کے خدا کی بادشاہیت کی منادی کرتا اورسیدنا مسیح کی باتیں سکھاتا رہا"۔

یہ آخری تاریخی واقعہ ہے جو اس کتاب کے تتمہ میں پایا جاتا ہے۔"یہ دوسال" جن کا ذکر اس تتمہ میں کیا گیا ہے ۵۸ء تا ٦٠ء کے بعد کسی تاریخی واقعہ کا ذکر موجود نہیں۔ پس نتیجہ ظاہر ہے کہ مقدس لوقا نے یہ کتاب ٦٠ء کے اختتام سے پہلے اُن دوسالوں کے درمیان لکھی جب مقدس پولوس رسول روم میں تھے اورمقدس لوقا آپ کی معیت میں رہتے تھے (کلسیوں ۴: ۱۴) اورکہ یہ تتمہ (آیات ۳۰، ۳۱) ٦٠ء میں لکھا گیا۔

موجودہ تتمہ کتاب کو یکایک اوراچانک بے ربطی کے ساتھ ختم کردیتا ہے۔ اس کتاب کا لکھنے والا ایک نہایت قابل مصنف ہے جو فنون لطیفہ میں مہارت تامہ رکھتا ہے ۔ وہ اعلیٰ ترین انشاء پردازبھی ہے۔ اس پایہ کے شخص سے یہ اُمید نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی کتاب کو ایسے بے ڈھنگ طریقہ سے ختم کرے ۔ اس قسم کے مصنف کے قلم سے اس قسم کا بھدا خاتمہ تب ہی ممکن ہوسکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ جب مصنف روم میں مقدس پولوس کا ساتھی تھا تو اس دوبرس کے عرصہ میں اس نے یہ کتاب لکھی تھی۔ صرف اس حالت میں ہی یہ آخری فقرہ ایک موزوں خاتمہ ہوسکتا ہے[1]

اگر اعمال کی کتاب قیصر نیرو کے فیصلہ کے بیس یا پچیس برس بعد لکھی جاتی تو مقدس لوقا کے پایہ کا انشاء پردازاس قسم کے خاتمہ سے کتاب کو کبھی ختم نہ کرتا کیونکہ قیصر کا فیصلہ خواہ کچھ ہی ہوتا وہ اس کتاب کے مصنف

---

[1] Beginnings of Christianity Part I.Vol2 by Foakes Jackson and Kirsopp Lake 1922 p.309

کے لئے انتہائی درجہ کا موزوں خاتمہ ہوتا جو مقدس لوقا کے پایہ کے مصنف کا منتہائے کمال ہوتا[1]۔ چنانچہ اگرخاتمہ میں اس بات کا ذکر ہوتا کہ قیصر نے مقدس پولوس کے مقدمہ کی سماعت کے بعد آپ کوبری کردیا تھا تو یہ حقیقت مسیحیت کی آزادی کا شاہی منشور اور رسول مقبول کےکارناموں کا تاج ہوتی۔ پس اس قسم کا خاتمہ اس تالیف کا منتہائے کمال ہوتا ۔ لیکن اگر قیصر نیرو مقدمہ کی سماعت کے بعد آپ کو واجب القتل قراردے دیتا توآپ کی زندگی کے اس مبارک انجام کا ذکر کتاب کا نہ صرف قدرتی خاتمہ ہوتا بلکہ آپ کی شہادت کا بیان اس کتاب کا شان داراختتام ہوتا۔

پس موجودہ خاتمہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اعمال کی کتاب مقدس پولوس کی حراست کے دوران میں لکھی گئی تھی اوراس کا خاتمہ ۶۰ء کے قریب ہوا ۔

(۲)

(۱۔) ایک اورتواریخی امر قابل غورہے۔ ان رُومی حکام کے سامنے صرف دو حل طلب سوال تھے: (۱۔) کیا مسیحی کسی ایسے مذہب کے پرستار ہیں جو ازروئے قانون وجود میں رہ سکتا ہے (۲۔) کیا وہ اپنے قول اورفعل سے کسی ایسی بات کے مرتکب ہوئے ہیں جس کی وجہ سے سلطنت کو مداخلت کرنی پڑے (اعمال ۲۳: ۲۹۔ ۲۵: ۱۶، ۲۶: ۳۱)۔ اگریہ درست ہے کہ حکام کو صرف انہی سوالوں کا فیصلہ دینا تھا تو لازم آتا ہے کہ اعمال کی کتاب پہلی صدی کے خاتمہ میں نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے لکھی گئی ہو کیونکہ یہ سوال کہ آیا کوئی مذہب ازروئے قانون وجود میں رہ سکتا ہےیا کہ نہیں بڑی تیزی کے ساتھ مٹ رہا تھا[2]۔

(۲۔) ہمارے پاس یہ ماننے کے لئے کافی وجوہ ہیں کہ ان دو سالوں کے بعد قیصرِروم نے مقدس پولوس کے مقدمہ کی سماعت کرکے آپ کو بری قراردے کر رہا کردیا تھا اگریہ کتاب ۶۰ء کے بعد لکھی جاتی تو مقدس لوقا اس مقدمہ کا اور رسول مقبول کی رہائی کا ضرور ذکر کرتے کیونکہ قیصر روم کا فیصلہ مسیحیت کے پرچار کے حق میں نہایت اہم قسم کا تھا۔ مقدس لوقا تفصیل کو کام میں لاکر عدالتوں کی پیشیوں

[1] Adeney St Luke (Century Bible)p.42

[2] See W.M. Ramsay, The Chruch in the Roman Empire Befor 170 (1893) also Beginnings of Christianity Part1 Vol2 pp.179-187.

کا ذکر ابواب ۲۲ تا ۲۶ میں کرتے ہیں۔ کیا یہ امر قرینِ عقل ہوسکتا ہے کہ اگر کتاب کے لکھنے سے پہلے مقدس لوقا کو شاہنشاہ روم کے بری کرنے کے فیصلہ کاعلم ہوتا تو وہ ایسے زبردست واقعہ کو نظر انداز کردیتے جو کلیسیا کے حق میں نہایت اہم قسم کا تھا۔ قیصر روم کا عدالتی فیصلہ مسیحی کلیسیا کی ہستی ، بقا اورآزادی کے لئے ایک شاہی منشور تھا۔ ایسے اہم اورزبردست واقعہ کے ذکرکا نہ ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ کتاب اس واقعہ کے رونما ہونے سے پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ مقدس لوقا مذکورہ بالا پانچ ابواب میں (۲۲تا ۲۶) مختلف حکام کے سامنے مقدس رسول کے مقدمہ کی سماعت کا اس لئے ذکرکرتے ہیں تاکہ ہر خاص وعام پرظاہرہوجائے کہ ان حکام کی نظرمیں مسیحی مذہب کے اصول رومی سلطنت کےقانون کے مطابق قابلِ عتاب نہیں تھے(۲۳: ۲۹۔ ۲۴: ۲۷۔ ۲۶: ۳۰تا ۳۱۔ ۲۸: ۱۸ وغیرہ)۔ یہ پانچ باب (۲۲تا ۲۶) مقدموں اورکچہریوں سے بھرے پڑے ہیں۔ بلکہ ۱۶ باب سے آخر تک پولوس رسول کی زندگی کے واعات درحقیقت ایک عدالت سے دوسری اوردوسری سے تیسری عدالت میں جاکر رہائی پانے پر ہی مشتمل ہیں۔ کرنتھ میں گیلیو جورومی سلطنت کے قائدین میں سے تھا۔ مقدمہ کوخارج کردیتا ہے۔ افسس کے " ایشیارک" جو اپنے میں صاحبِ ثروت اورمقتد لوگ تھے فساد کے دوران میں مقدس رسول کے حامی نظر آتے ہیں۔ شہرکا " محرر" آپ کو علانیہ صلح پسند اورامن کا حامی قراردیتا ہے۔ کلاڈیس لسیاس سوائے ایک موقعہ کے جب وہ یہود کے زیر اثر تھا آپ سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ فیلکس اورفیسٹس جو" پروکیوریٹر" تھے آپ کو مجرم نہیں گردانتے اورنہ آپ کو دشمنوں کے حوالےکردیتے ہیں۔ اگرپا بادشاہ خودیہودی تھا لیکن وہ بھی آپ کوبری قراردیتا ہے۔

فیسٹس کے سامنے کی پیشی سے ظاہر ہے کہ اگرچہ مقدمہ یہودی رسوم اورہیکل کو ناپاک کرنے سے متعلق تھا لیکن دراصل الزام پولٹیکل تھا جس طرح کا الزام سیدنا مسیح کے خلاف تھا۔پس مقدس لوقا نے اعمال کی کتاب کے مقدمہ کی صفائی کے لئے لکھی اورکلیسیا کی ابتدا سے اس کا

پولٹیکل کے طورپر بے ضرر ہونا ثابت کیا۔ مصنف کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا مسیح اہل یہود کا مسیح ہے۔ پس اس کے پیروؤں کو وہی مذہبی آزادی حاصل ہونی چاہیے جواہل یہود کوحاصل ہے۔ وہ مقدس پولوس کے رومی سلطنت کے شہروں میں جانے اور وہاں فسادات ہونے کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگرچہ ان شہروں میں فسادات واقع ہوئے لیکن ان کے ذمہ دار یہود تھے اوررومی مجسڑیٹ تک کا یہ فیصلہ تھا کہ مقدس پولوس نقصِ امن کے حامی نہیں تھے بلکہ آپ کے مخالف غیر قانونی کارروائیاں کرتے تھے[1]۔ ڈاکٹر پلوج(Plooj) کا نظریہ یہ ہے کہ تھیوفلس نیرو کے دربار میں ایک مقتد اورباوسوخ مسیحی تھا اورلوقا نے انجیل اوراعمال الرسل کواس کے لئے مقدس پولوس کی صفائی کے طورپر لکھا تھا تاکہ اس کومعلوم ہوجائے کہ مسیحیت رومی سلطنت کے حق میں کوئی خطرناک شے نہیں ہے[2]۔ قیصرِ روم کا عدالتی فیصلہ ایک قطعی فیصلہ تھا جس کے آگے تمام دنیا کا سر جھکتا تھا۔ پس اگراس کتاب کے لکھنے سے پہلے مقدس لوقا کو اس فیصلہ کا علم ہوتا توجہاں وہ معمولی حکام کے فیصلوں کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں وہ نہایت تفصیل کے ساتھ رسول مقبول کی قیصر کے سامنے پیشی کا اورمقدمہ کی سماعت اوراس کے فیصلے کا ذکر ضرور کرتے مصنف کی خاموشی نہایت معنی خیز ہے اورثابت کرتی ہے کہ اعمال کی کتاب اس فیصلے سے پہلے لکھی گئی تھی اوریہی وجہ ہے کہ اس کا اس کتاب میں کوئی ذکرپایا نہیں جاتا۔

(۳۔) ہمارے پاس یہ ماننے کے لئے کافی دلائل ہیں کہ جب قیصرِ روم نے مقدس پولوس کو بری کردیا تو رسولِ مقبول نے کریت ، مقدونیہ، افسس وغیرہ کلیسیاؤں کا دورہ کیا (طیطس ۱: ۵، ۱انطا۱: ۳۔ ۳: ۱۴، فلیمون آیت ۲۴)۔ اگراعمال کی کتاب ان دوروں کے بعد لکھی جاتی تویقیناً مقدس لوقا اپنی کتاب اعمال کے ۲۰: ۲۵، ۳۸، آیات کے الفاظ کو ان کی موجودہ صورت میں نہ لکھتے۔

علاوہ ازیں کلیسیائی روایت ہے کہ مقدس پولوس نے بری ہوکر ہسپانیہ میں انجیل جلیل کی نجات کا پیغام سنایا

---

[1] Dr.J.Ironside Still St. Paul on Trial (S.C.M)
[2] Foakes Jackson and Kirsopp Lake, Beginnings of Christianity Part1 Vol2 p.309 note.See also Expositor Series 8 VIII pp.511-23. XIIIpp.108-24,Cf M.Jones Expositor Series,8.IXpp.217-34 See also W.M.Ramsay, The Church in the Roman Empire Befor 170 (1893)

تھا۔ اغلباً یہ روایت درست ہے کیونکہ رسول مقبول کی مدت سے یہ خواہش تھی کہ روم سے ہسپانیہ جائے (رومیوں ۱۵: ۲۰تا ۲۸)۔ اگرآپ نے واقعی ہسپانیہ میں انجیل کی تبلیغ کی تھی اورمقدس لوقا نے اعما کی کتاب ۸۵ء میں لکھی تھی تو کتاب میں اس واقعہ کا ضرور ذکر ہوتا کیونکہ اس واقعہ کے ذکر سے سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات کی کامل طورپر تشریح اورتوضیح ہوجاتی کہ " جب روح القدس تم پر نازل ہوگا تم یروشلیم اوریہودیہ اورسامریہ بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہوگئے "(اعمال۱: ۸)۔ اعمال میں یروشلیم، سامریہ ، یہودیہ اوردیگرمغرب کی جانب کے ممالک کا ذکر پایا جاتا ہے لیکن ہسپانیہ کا ذکرنہیں ملتا۔ جو" زمین کی انتہا" تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مقدس لوقا نے اعمال کی کتاب کورسول مقبول کے بری ہونے سے پہلے یعنی ۶۰ء میں لکھا تھا۔

(۴)

جب مقدس پولوس کو قیصر روم نے بری کردیا تو اس کے بعد چارسال تک (جیسا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں)۔ آپ مختلف مقامات میں آزادانہ انجیل جلیل کی بشارت بے کھٹکے دیتے رہے۔ چوتھے سال میں آپ پہلے کرنتھس میں گئے (۲تموتھی ۴: ۲۰) وہاں سے آپ تروآس گئے۔ جب آپ وہاں تھے قیصرنیرو نے ۶۴ء میں اپنی خوفناک ایذارسانی شروع کردی اورآپ قیدہوکر دوبارہ روم آئے۔ وہاں سے آپ نے کریسکینس کو گلتیہ کی جانب اورطیطس کو دلمتیہ کی جانب اورتخکس کو افسس کی طرف روانہ کیا(۲تموتھی ۴: ۱۰تا ۱۲)۔ اسی زمانہ میں آپ نے تیمتھس کو دوسرا خط بھی بھیجا۔ ان باتوں سے ظاہر ہے کہ قیدراورتشدد کے زمانہ میں بھی رسول مقبول کو اپنا خیال نہیں بلکہ کلیسیاؤں کا فکرستاتا تھا۔ بالاآخر مقدس رسول زندان سے مقتل کی جانب لے گئے اور ۶۴ء میں آپ کو شہید کردیا گیا۔

اگر اعمال کی کتاب ۸۵ء میں لکھی جاتی تو یہ حیرت کا مقام ہوتا اگرمقدس لوقا اس کتاب میں آپ کی شہادت کا کہیں ذکر نہ کرتے۔ کیا یہ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں کہ آپ نے اس کتاب کو مقدس رسول کی شہادت سے پہلے لکھا تھا؟ یہ امر بعید ازقیاس بلکہ ناممکن ہے کہ اگر مقدس لوقا کو کتاب کے لکھنے سے پہلے آپ کی شہادت کا علم ہوتا تو وہ اُن واقعات

کا مفصل ذکر نہ کرتے جو آپ کی شہادت کا باعث ہوئے تھے۔ مقدس لوقا مقدس ستفنس شہید کی شہادت کا مفصل ذکر کرتے ہیں (باب ۶، ۷)۔ اورجو آفتیں دیگر رسولوں پر ٹوٹ پڑی تھیں اُن کی تفصیلات بتلاتے ہیں (باب ۴تا ۶ وغیرہ)۔لیکن وہ اپنے آقا ، دوست اورپیرو کی شہادت کا بیان نہیں کرتے۔ اگریہ واقعہ سن تصنیف سے پہلے ظہورمیں آیا ہوتا تویہ امر قرینِ عقل نہیں کہ وہ دیدہ دانستہ اس واقعہ کا تفصیلی ذکر نہ کرتے۔ آپ کی خاموشی اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ اعمال کی کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب یہ سانحہ روح فرسا ابھی واقع نہیں ہوا تھا۔

(۵۔) اعمال کی کتاب میں نہ صرف مقدس پولوس کی شہادت کا ذکر موجود نہیں بلکہ کلیسیا کے دیگر سربرآدرہ لیڈروں اوررسولوں کی شہادت کا بھی ذکر نہیں مثلاً کلیسیا کے سردار مقدس یعقوب (اعمال۱۵: ۱۹)۔ ۶۲ء میں شہید کئے گئے لیکن اعمال میں ان کی شہادت کا ذکر نہیں پایا جاتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس واقعہ سے پہلے ۶۰ء میں لکھی گئی تھی جب وہ ابھی یروشلیم کی کلیسیا پُر حکمران تھے۔

علاوہ ازیں کلیسیائی روایت کے مطابق مقدس پطرس رسول نے بھی قیصر نیرو کی ایذارسانی کے دنوں میں ۶۴ء میں اپنے خون سے اپنے ایمان پر مہر لگائی۔ لیکن ایسی زبردست شخصیت کی شہادت کا ذکر تو الگ اشارہ تک بھی اعمال کی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہ بات ہمارے نتیجہ کی مصدق ہے کہ کتاب مذکورہ ۶۰ء میں لکھی گئی تھی جب مقدس رسول" کمال دلیری سے بے روک ٹوک" اپنے تبلیغی فرائض کو ادا کر رہے تھے۔

(۶۔) جب ہم اعمال کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ ہم اس میں اس وقت کی کلیسیا کے حالات بعینہ وہی پاتے ہیں جو ۶۴ء سے پہلے موجود تھے۔ رومی سلطنت ابھی تک اگر مسیحیت کے حق میں نہیں تھی تو اس کے برخلاف بھی نہ تھی۔ لیکن ۶۴ء کے بعدتمام نقشہ بدل گیا تھا کیونکہ تب قیصر نیرو (از ۵۴ء تا ۶۸ء) نے روم کو ۶۴ء میں آگ لگاکر اس کا الزامسیحیوں پر لگادیا تھا اوران کو قتل وغارت کرناشروع کردیا تھا اورمسیحیت کے عظیم الشان مبلغین مقدس پطرس اورپولوس کو شہید کردیا تھا۔۶۴ء کے

بعد رومی سلطنت اورمسیحیت کے باہمی تعلقات کا نقشہ یوحنا عارف کے مکاشفات میں پایا جاتا ہے جہاں قیصر نیرو اور سلطنتِ روم کی نسبت لکھا ہے " پس وہ مجھے روح میں جنگل کو لے گیا وہاں میں نے قرمزی رنگ کے حیوان (قیصرنیرو) پر جو کفر کے ناموں سے لپا ہوا تھا اورجس کے ساتھ ر اور دس سینگ تھے۔ ایک عورت(سلطنتِ روم) کوبیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ عورت ارغوانی اورقرمزی لباس پہنے ہوئے اورسونے اورجواہر اورموتیوں سے آراستہ تھی اورایک سونے کا پیالہ مکروہات یعنی اس کی حرام کاریوں کی ناپاکیوں سے بھرا ہوا اس کے ہاتھ میں تھا اوراس کے ماتھے پریہ نام لکھا ہوا تھا۔ راز، بڑا شہر بابل، کسبیوں اور زمین کی مکروہات کی ماں، اورمیں نے اس عورت کومقدسوں کے خون اوریسوع اورشہیدوں کے خون پینے سے متوالا دیکھا اوراسے دیکھ کر سخت حیران ہوا"(وغیرہ ۱۷: ۳تا ۶)۔ان آیات کے الفاظ میں اورمقدس پولوس کے قیصرکی دودہائی دینے (۲۵: ۱۱) اور تتمہ کے الفاظ" پولوس کمال دلیری سے بے روک ٹوک کے منادی کرتا رہا" میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہی فضا ۱تموتھی ۲: ۱تا ۲ آیا ت کی ہے۔ اگر مقدس لوقا اعمال کی کتاب کو ۸۵ء میں لکھتے توآپ کے الفاظ مکاشفات کے الفاظ سے بھی زیادہ درشت ہوتے کیونکہ نیرو کے جانشین مسیحیت کی ایذارسانی میں اس سے بھی گوئے سبقت لے گئے تھے۔

(۷۔) رومی افواج نے ۷۰ء میں یروشلیم کو فتح کرکے ہیکل کو تباہ وبرباد کردیا۔ اس واقعہ نے نہ صرف اہل یہود کی تاریخ پر مستقل اثر ڈالا بلکہ اس نے مسیحی کلیسیا کی بھی کایاپلٹ دی۔ ۷۰ء کے بعد یہود تمام دنیا میں پراگندہ ہوگئے اورغیر یہودی اقوام جوق درجوق مسیحیت کی حلقہ بگوش ہوگئیں اورہر کہ دمہ پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوگیا کہ مسیحیت یہودیت کی شاخ نہیں بلکہ ایک مستقل عالمگیر مذہب ہے جس کے اُصول ہرملک وملت پر حاوی ہیں۔

مقدس لوقا نے اپنی انجیل اوراعمال کی کتاب غیر یہود اقوام کی خاطر لکھی تھی۔اگرکتاب کے لکھنے کے وقت اس کو یروشلیم کی بربادی جیسے اہم ترین واقعہ کاعلم ہوتا تو یہ ناممکن امر تھا کہ وہ اس سے پورا فائدہ نہ اٹھاتا اورہیکل کی بربادی کا ذکر کرکے ان نتائج کو جو اس میں مضمر تھے اپنے

ناظرین پر واضح نہ کرتا۔ لیکن کتاب میں اس عظیم واقع اور اس کے نتائج کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔

اگرکتاب کی تصنیف کے وقت یروشلیم اوراس کی ہیکل برباد ہوتے اوراہلِ یہود اطرافِ عالم میں پرگندہ ہوتے تو مصنف ابواب ۳، ۴، ۵، ۲۱ کے واقعات کو اس قدراہمیت نہ دیتا اورنہ ان کو ایسی طوالت کے ساتھ لکھتا کہ وہ کتاب کا تقریباً چھٹواں حصہ ہوجائے۔ تمام کتاب میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ شہریروشلیم برباد ہوچکا ہے۔ ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ہے۔ قوم یہود کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ کتاب میں اس قسم کے انقلابی واقعات کے ذکر کا نہ ہونا، اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایسے زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں آیا تھا کہ اس قسم کے واقعات جلدی رونما ہونگے۔ پس یہ کتاب ۶۰ء کے بعد تصنیف نہیں ہوئی۔

اگر اس کتاب کے لکھے جانے سے پیشتر یروشلیم تباہ ہوگیا ہوتا اورآنخداوند کی پیشینگوئی پوری ہوگئی ہوتی تو مقدس لوقا اس کتاب میں سیدنا مسیح کی پیشینگوئی اوراس کے پورا ہونے کا ضرورذکر کرتے۔ جس طرح آپ نے اگبس کی پیشینگوئی کا ذکر کرکے اس کے پورا ہونے کا بھی ذکر کیا تھا (۱۱: ۲۸)۔ لیکن مقدس لوقا اس بات کا ذکر چھوڑ اشارہ تک نہیں کرتے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شہر یروشلیم اورہیکل دونوں اس کتاب کی تصنیف کے وقت سلامت تھے۔

چونکہ یروشلیم کی بربادی کی دلیل نہایت زبردست دلیل ہے لہذا ناظرین کی واقفیت کے لئے ہم اس واقعہ کا مختصر ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔

۶۲ء سے ۶۶ء تک رومی گورنروں کی حکومت اہل یہود کے لئے نہایت تکلیف دہ تھی۔ چنانچہ گورنر البی نس (از۶۲ء تا ۶۴ء) اورگورنر فلورس (از۶۴ء تا ۶۶ء) کے ایامِ حکومت یروشلیم اور قومِ یہود کے لئے نہایت نازک دن تھے۔ ادھر زیلوتیس کے فرقہ اوردیگر فسادی یہود نے حکام کادم ناک میں کررکھا تھا۔ زیلوتیس رُومی حکام کا اطاعت کرنا اوراُن کو ٹیکس ادا کرنا قوم کے خلاف غداری اورجُرم تصورکرتے تھے۔ ۶۶ء کے موسم بہارمیں فلورس کے مظالم کی وجہ سے فساد برپا ہوئے۔ گورنر کو شہر سے باہر نکال دیا گیا۔ بغاوت ہرچہار

سو پھیل گئی اور کنعان کے مختلف شہروں میں یہود اور غیر یہود میں خانہ جنگی چھڑ گئی ۔ اس پرشام کا گورنر سیس ٹیئس گیلس ایک لشکر جرار لے کر آیا۔ اس نے یروشلیم پہنچ کر شمال کے مضاقات کی اینٹ سے اینٹ بجادی لیکن اس میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ شہر پر حملہ کرے۔ جب وہ واپس جارہا تھا تو نومبر ۶۶ء میں یہود اس پرٹوٹ پڑے اوراس کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اس پر شہر یروشلیم کے مسیحی یردن پر پیلا میں چلے گئے ۔بغاوت کی آخری منزل ۷۰ء کا واقعہ ہائلہ تھا۔ جب طیطس بے شمار افواج کے ساتھ ۷۰ء کی عیدِ فسح کے تہوار سے پہلے یروشلیم پر حملہ آور ہوا۔ تہوار کی وجہ سے ہزاروں یہودی اور ارضِ مقدس کے مختلف مقامات سے یروشلیم آئے ہوئے تھے ۔ محاصرہ کی وجہ سے کال اور وبا نے یروشلیم میں خوب جشن منایا اور لاکھوں لاشیں فصیل کے باہر پھینکی گئیں۔ طیطس نہیں چاہتا تھا کہ ہیکل جیسی خوبصورت عمارت تباہ ہوجائے۔ پس اس نے سخت احکام جاری کئے لیکن ایک منچلے سپاہی نے جلتی مشعل ہیکل کے اندر پھینک ہی جس کی وجہ سے ہر طرف آگ پھیل گئی اور فوج نے بے لگام ہوکر ہیکل کو ایسا تباہ وبرباد کردیا کہ اس پر پتھر پر پتھر نہ رہا۔(متی ۲:۲۴)۔ اس جنگ میں دس لاکھ کے قریب یہودی مارے گئے ۔

۷۰ء میں زیلوتیس کا فرقہ برسراقتدار تھا۔لیکن جب طیطس نے شہر کو فتح کرلیا تووہ بھی بے دست وپا ہوگئے کیونکہ رومی سلطنت کی قوت وحشمت کے سامنے وہ بے بس تھے پس ان کا خاتمہ ایک لازمی اور ناگریز امر تھا۔ ۱۳۵ء کے واقعہ کے بعد یروشلیم کا رومیوں نے کلیتہً خاتمہ کردیا اوراس سال بارکوب کی بغاوت کے بعد فرقہ زیلوتیس کے پیرواہل یہود کی تاریخ کےصفحوں سے مٹ گئے ۔

۷۰ء کے بعد صدوقیوں کی جماعت کا بھی خاتمہ ہوگیا کیونکہ حالات ہی ایسے پیدا ہوگئے تھے کہ اس پارٹی کا بقا ناممکن ہوگیا تھا۔ ہیکل کی بربادی کے ساتھ ہی سالانہ تہواروں اور کہانت کے فرائض کی ضرورت بھی ختم ہوگئی تھی۔ سیاسی دنیا میں ان کا وجود نہ رہا۔ اناجیل میں جوباتیں ان کی بابت اورہیرودیس بادشاہوں کے متعلق درج ہیں وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔

اب ٦٦ء اور ٧٠ء کے درمیان کے واقعات کا نہ تو اعمال کی کتاب میں اور نہ کسی انجیل میں اشارہ پایا جاتا ہے جو اعمال سے پہلے لکھی گئی تھیں۔ پس یہ خاموشی نہایت معنی خیز ہے کیونکہ اعمال کی کتاب کی فضا اس جنگ وجدل کی فضا سے بالکل جدا ہے۔

(۸۔) یہودی اوریونانی فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے پہلی صدی میں چند بدعتیں رونما ہونی شروع ہوگئیں۔ لیکن اعمال کی کتاب میں ان بدعتوں کا کہیں نشان بھی نہیں ملتا۔ اگر یہ کتاب ۸۵ء میں لکھی گئی ہوتی تو مقدس لوقا ان کا ذکر مفصل طورپر کرتے کیونکہ اس وقت یہ غنا سطی بدعتیں بہت ترقی کرچکی تھیں۔ چنانچہ مقدس پولوس رسول خود ان بدعتوں کا ذکر کلیسیوں کے خط میں کرتے ہیں جو ۶۳ء میں لکھا گیا تھا (۲: ۱۶، ۱۸، ۲۰تا ۲۳۔ ۱تموتھی۱: ۷۔ ۴: ۳، ٦: ۲۰ وغیرہ)۔ چونکہ ان بدعتوں کا اشارہ تک اعمال کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ پس نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ کتاب ان بدعتوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ٦٠ء میں لکھی گئی تھی۔

(۹۔) جب ہم اعمال الرسل کابنظرِ تعمق مطالعہ کرتے ہیں توہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعض مقامات میں ایسے نام پائے جاتے ہیں جن کاواقعات کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہیں۔ (مثلاً ۱۷: ۵۔ ۱۹: ۳۳۔ ۲۱: ۱٦۔ ۲۸: ۱۱وغیرہ مقامات میں ایسے ناموں کا ذکر ہے جو اگرنہ لکھے جاتے تو بیان میں کسی قسم کا کوئی ہرج واقع نہ ہوتا ۔ یہ نام محض اس وجہ سے یادرہے اورکتاب میں لکھے گئے کیونکہ وہ واقعات (جن میں ان کا ذکر آتا ہے) ابھی تازہ ہی تھے لیکن اگر اعمال کی کتاب ۸۵ء میں لکھی جاتی تویہ نام کب کے فراموش ہوگئے تھے۔ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی اورمعمولی تفصیلات بھی ہمارے اس نتیجہ کی مصدق ہیں کہ مقدس لوقا نے اعمال کی کتاب ٦٠ء میں تصنیف کی تھی۔

(۱۰۔) جب یروشلیم تباہ ہوگیا اوراہل یہود ہر چہار سوپراگندہ ہوگئے (تو جیسا ہم اوپر بتلاچکے ہیں) صدوقیوں کا مقتدر فرقہ بھی ختم ہوکر ناپید ہوگیا۔ حُریت پسند یہودیت کے عالم یوحنا بن زکی جبنہ میں اپنے اسکول (مسلک) کی

بنیاد ڈالی[1]۔ اس جگہ آزاد خیال ربیوں کے خیالات، معمولات اورالٰہیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مسلک صلح پسند فریسیوں کانمائندہ تھا اوراس کے بانی کو تمام یہود عزت وتکریم کی نگاہوں سے دیکھتے تھے لیکن اعمال کی کتاب میں اس مسلک کا نشان تک نظر نہیں آتا۔ اگریہ کتاب ۸۵ء میں لکھی جاتی تویہ ناممکن امر تھا کہ اس آزاد خیال پسند یہودی فرقہ کا ذکر تک نہ ہوتا۔ اس کے برعکس تمام کتاب میں صدوقیوں کا فرقہ زندہ اور ہرجگہ اپنے اقتدار اور رسوخ سے کام لیتا نظرآتاہے۔ ہر جگہ فقیہوں کے ساتھ بحثوتمحیص کا سلسلہ جاری ہے اورفریسیوں کے برادرکشُ سخت رویہ کا اور اُن کی سخت دلی اور ایذا دینے کا ہر جگہ چرچا پایا جاتا ہے(۲۲: ۲۲ وغیرہ)۔

اعمال کی کتاب کی تمام فضا یہی ہے اوروہ اس فضا سے باہرنہیں جاتی ۔ جس سے ظاہرہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی جب یروشلیم کی ہیکل ابھی کھڑی تھی، صدوقیوں کا فرقہ برسرِاقتدارتھا، فقہیوں اورفریسیوں کی مخالفت روزبروز ترقی پرتی اورہر طرف مسیحیت کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ یہ تمام حالات ثابت کرتے ہیں کہ مقدس لوقا نے رسولوں کے اعمال کو ۶۰ء میں تصنیف کیا تھا۔

فصل دوم

اعمال کی زبان، خیالات اورمعتقدات

اعمال کی کتاب کی زبان، خیالات اور معتقدات اس نظریہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ کتاب ۸۵ء میں نہیں بلکہ اس سے پچیس برس پہلے لکھی گئی تھی۔ جب ہم اس کتاب کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں توہم پر واضح ہوجاتاہے کہ اس میں کلیسیا کی زندگی کےابتدائی ایام کے خیالات اور معتقدات پائے جاتے ہیں۔ اورکہ ان خیالات کی ادائیگی کا طوروطریقہ بھی اُسی زمانہ کا ہے۔کتاب کا اسلوب بیان، الفاظ کی بندش اور اندازِبیان بالکل اسی قسم کا ہے جو اناجیل اربعہ کا ہے اور یہ طرزپہلی صدی کے اواخرکی تصنیف شدہ کتابوں سے بالکل الگ ہے۔ اس کتاب کے آخری ابواب کے اندازِبیان میں اور

[1] The Beginnings of Christianity Part1.Vol1 p.118.

مقدس پولوس کے آخری خطوط میں (جن کو عموماً پاسبانی خطوط کہتے ہیں) بہت مشابہت پائی جاتی ہے[1]۔

ذیل میں ہم ان چند خیالات اورمعتقدات کا مختصر ذکرکرتے ہیں:

(۱۔) اگر اعمال کی کتاب ۸۵ء میں لکھی جاتی تو اعمال کے پہلے باب کا دوسرا حصہ کی موجودہ شکل میں نہ لکھا جاتا۔ کیونکہ جس خیال کے مطابق مقدس متیاہ کا چناؤ ہوا تھا۔ اس خیال کا تعلق کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی زمانہ کے ساتھ ہے۔یہ خیال سیدنا مسیح کے اُس قول پرمبنی تھاجومتی ۱۹: ۲۷، ۲۸۔لوقا ۲۲: ۲۹تا ۳۰ میں مندرج ہے[2]۔ یروشلیم کی بربادی سے پہلے ان آیات کو لفظ بلفظ مانا جاتا تھا۔ اس خیال کے مطابق یہوداہ غدارکی خود کشی سے جو جگہ خالی ہوئی تھی اس کو پُرکرنا لازم تھا تاکہ عدالت کے دن بارہ رسول بارہ تختوں پر بیٹھ سکیں اورکوئی تخت خالی نہ رہ جائے۔ جب شہریروشلیم برباد ہوگیا اوریہود کے بارہ قبائل تتربترہوگئے تو اس خیال کابھی خاتمہ ہوگیا۔ اگراعمال کی کتاب ۸۵ء میں لکھی جاتی تواس قسم کے خیالات کوکبھی اہمیت نہ دی جاتی اور مقدس متیاہ کے انتخاب کا واقعہ بآسانی نظر اندازکردیا جاتا خصوصاً جب پہلے باب کے بعد اس مقدس کا ذکر کہیں پایا نہیں جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ کتاب اہل یہود کی پراگندگی سے پہلے لکھی گئی تھی۔

(۲۔) اعمال کی کتاب میں مقد پولوس رسول کی جو تقریریں درج کی گئی ہیں ، وہ رسولِ مقبول کے خیالات کے ارتقاء کی ابتدائی منازل ہی سے متعلق ہیں، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بھی دیگریہودی مسیحیوں کی طرح، شریعت کے بارے میں سرگرم " تھے (۱۲: ۳۔ ۲۱: ۲۶ وغیرہ)۔ یہ خیالات اہلِ یہود کی پراگندگی سے پہلے کلیسیا میں رائج ہوسکتے تھے لیکن اس واقعہ کے بعد ان کا وجودناممکن ہوگیا تھا۔ اس واقعہ کے بعدکلیسیاؤں میں (جو زیادہ ترغیر یہود تھیں)۔ رسولِ مقبول کے وہ خیالات اورمعتقدات مروج ہوگئے جن کا ذکرآپ نےگلتیوں اوررومیوں کے خطوط میں کیا تھا اورجن کے مطابق مسیحیت، موسوی شریعت اوریہودی پابندیوں سے کلیتہً آزاد تھی۔ اگراعمال کی کتاب ۸۵ء میں لکھی

---

[1] Ibid p.299
[2] H.R.Mackintosh, The Doctrine of the Person of Jesus Christ p.48

جاتی تو مقدس لوقا پولوس رسول کے ابتدائی خیالات کامفصل ذکر کرنے کی بجائے حالات کے بدل جانے کی وجہ سے رسول کے اُن خصوصی خیالات اور معتقدات کا مفصل ذکر کرتا جوپہلی صدی کےآواخر میں غیر یہودی کلیسیاؤں میں مروج تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب یروشلیم کی تباہی اورقوم یہود کی بربادی سے بہت پہلے لکھی گئی تھی۔

(۳۔) اعمال کی کتاب میں سیدنا مسیح کی ذات کے متعلق جو تعلیم پائی جاتی ہے وہ کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی زمانہ سے متعلق ہے جب کلیسیا کو ابھی ضرورت نہ پڑی تھی کہ سیدنا مسیح کی ذات کے متعلق غوروفکر کرکے اپنے معتقدات کو فلفسیانہ الفاظ کےذریعہ واضح کرے۔ سچ تویہ ہے کہ اس اوائل زمانہ میں بزرگانِ کلیسیا سیدنا مسیح کی ذات پر غوروفکر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ کے ساتھ والہانہ عشق رکھتے تھے، جس کا منبع اور سرچشمہ وہ تجربہ تھا جو اُن کو فاتح اورجلال نجات دہندہ کے ساتھ شخصی طورپر حاصل تھا[1]۔

[1] Foakes Jackson, Acts (Moffat's Commentary)p.XVI.

اوائل ہی سے منجئی عالمین کی ذاتِ پاک پر عہدِ عتیق کی کتُبِ مقُدسہ کے بعض ناموں کا اطلاق کیا گیا تھا ۔ مثلاً ابن آدم، خدا کا بیٹا، خدا کا خادم ، موسیٰ کی مانند نبی، اورخداوند۔ جب ہم ان القاب کا بنظرِ تعمق مطالعہ کرتے ہیں توہم دیکھتے ہیں کہ اعمال کی کتاب میں ان تمام اصطلاحات کا اطلاق آنخداوند پر اُن کے ابتدائی معنوں میں ہی کیاگیا ہے۔ مثلاً ابن آدم کالقب ،جواناجیل اربعہ میں صرف کلمتہ اللہ کی زبانِ معجز بیان پر پایا جاتاہے ۔ اعمال میں مقدس ستفنس کی زبان پر ہے (۷: ۵۶)۔ اوراس کے بعد یہ لقب کہیں نہیں ملتا۔ اسی طرح منجئی عالمین کے لئے " خدا کا بیٹا" استعمال کیا گیا ہے(۸: ۳۷، ۹: ۲۰ وغیرہ)۔ لیکن اس اصطلاح میں تاحال کوئی فلسفیانہ مطالب موجود نہیں۔ اصطلاح " خدا کا خادم"(۳: ۱۳ وغیرہ) میں بھی صرف ابتدائی منازل کے خیالات پائے جاتے ہیں ۔حتیٰ کہ گواس کتاب میں سیدنا مسیح کے دکھ اٹھانے کو خادم یہوواہ کے دکھ اٹھانے پر منطبق کردیا گیا ہے(۸: ۲۶تا ۳۶ ویسعیاہ ۵۳: ۷تاآخر)۔ تاہم اس سے نبی آدم کی نجات کے متعلق کوئی نتائج اخذ نہیں کئے گئے۔ مقدس

پطرس رسول اورمقدس ستفنس کی تقریروں میں آنخداوند کی موت دیگر انبیاء کی شہادت کی مانند شریروں کی بداعمالی کا نتیجہ ہے (اعمال ۲: ۲۲تا ۳۶، ۳: ۱۷، ۱۷: ۵۱تا ۵۳)۔ اسی طرح" موسیٰ کی مانند نبی" کی پیشینگوئی کا اطلاق آنخداوند پر کیا گیا ہے (۳: ۱۷تا ۲۶)۔لیکن اس سے کسی قسم کے نتائج اخذ نہیں کے گئے ۔ پس اعمال کی کتاب کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی دور کے ساتھ ہی تعلق رکھتی ہے۔

ایک اورمثال لفظ " مسیح" ہے۔ یہ لفظ مقدس پولوس کے ہر ایک خط میں باربار بطوراسمِ معرفہ یا اسمِ خاص سیدنا مسیح کے لئے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ آپ کے ہر خط میں جا بجا" یسوع مسیح" ، " مسیح یسوع" یاصرف" مسیح" پایا جاتاہے۔ لیکن اعمال کی کتاب میں یہ لفظ ایک جگہ بھی سیدنا مسیح کے لئے اسم خاص کے طورپر استعمال نہیں کیا گیا ۔ بلکہ صرف خطاب کے طورپر" مسیح موعود" کے معنوں میں ابن اللہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے(۲: ۲۶، ۳: ۱۵، ۴: ۴۱، ۹: ۳۰، ۲۰: ۴۱، ۲۲: ۶۷- ۲۳: ۳۵، ۳۹- ۲۴: ۲۶تا ۴۶ وغیرہ)۔ یہی حال انجیل سوم کا ہے۔ اس میں بھی یہ لفظ صرف خطاب کے طورپر ہی ہر جگہ آیا ہے۔(مثلاً ۲: ۱۱، ۴: ۴۱، ۱: ۲۶، ۲۴: ۲۶ وغیرہ)۔

مقدس یوحنا کی انجیل میں بھی یہ لفظ صرف خطاب کے طورپر ہی سولہ مقامات میں وارد ہوا ہے۔ انجیل متی میں یہ لفظ خطاب کے طورپر ۱۳، دفعہ اورانجیل مرقس میں خطاب کے طورپر چھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ پس یہ لفظ " مسیح" نہ توکسی انجیل میں ، اورنہ رسولوں کے اعمال کی کتاب میں ، سیدنا مسیح کے لئے بطورِاسم خاص کے ایک جگہ بھی استعمال نہیں ہوا۔ اس ایک نکتہ سے یہ ثابت ہے کہ چاروں انجیلیں اوررسولوں کے اعمال کلیسیا کے اس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب ابھی سیدنا مسیح کو صرف بطور" مسیح موعود" مانا جاتا تھا۔ اورابھی لفظ" مسیح" نے بطورِ اسم معرفہ عام مسیحیوں کی زبان پر رواج نہیں پکڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدس پولوس کے خطوط کی نقل، نشر اور اشاعت کی وجہ سے کلیسیا میں سیدنا مسیح کےلئے نام" مسیح" زبان زدِ خلائق ہوگیا اوراب دنیا بھر کے لوگ سیدناعیسیٰ کو عموماً مسیح کے نام سے ہی جانتے ہیں۔

ایک اورمثال لفظ" خداوند" ہے۔ یہ لفظ" خداوند" پہلی دوانجیلوں میں بطور اسمِ خاص ابن اللہ کے لئے کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ انجیل سوم میں لفظ" خداوند" کا اطلاق منجئی عالمین کی ذاتِ پاک پر بطوراسمِ خاص کے صرف گیارہ مقامات میں کیا گیا ہے ۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب میں بھی یہ لفظ صرف کہیں کہیں بطوراسمِ خاص ابن اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی، جب لفظ" خداوند" منجئی عالمین کے لئے ابھی شروع ہوا تھا لیکن وہ ابھی رواج نہیں پاچکا تھا۔لیکن ان مقامات (۲: ۳٦، ۹: ۵، ۱۰: ۳٦) میں بھی اس اصطلاح سے مراد صرف" آقا ہے" اوربس ۔ اگراعمال لرسل ٦۰ء کے بعد یاانجیل لوقا ۹۰ء کے قریب لکھی جاتی تو" انجیل پطرس" کی طرح یسوع کی بجائے لفظ" خداوند" ہر جگہ استعمال کیا جاتا ۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ مقدس پولوس ہرایک خط میں ابن اللہ کے لئے اکثرلفظ" خداوند" استعمال کرتا ہے۔ پس اعمال کی کتاب میں آنخداوند کے لئے ایک اصطلاحی الفاظ موجود نہیں جو پہلی صدی کے اواخر میں آپ کے لئے عام طورپر استعمال ہوتے تھے چنانچہ ڈاکٹر فوکس جیکسن کہتے ہیں[1]۔ " مسیح کی ذات اورشخصیت کے متعلق اعمال کی کتاب میں جو خیالات پائے جاتے ہیں وہ اس قسم کے نہیں جو بعد کے زمانہ میں مروج تھے"۔

ایک اوامر قابلِ غور ہے۔ مقدس پولوس کی تحریرات میں ہر جگہ آنخداوند کی صلیبی موت کا تعلق بنی نوع انسان کی نجات کے ساتھ بتلایا گیا ہے۔ لیکن اعمال کی کتاب میں یہ تعلق موجود نہیں ہے۔اس کتاب میں آپ کی صلیبی موت کو اہلِ یہود کی شرارت سے متعلق کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ جب یہ کتاب لکھی گئی تھی تو اس وقت مسیحی عقائد اپنی ارتقا کی ابتدائی منازل میں ہی تھے۔

میں آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سیدنا مسیح کے کلمات بلاغت نظام کے لئے اعمال کی میں کوئی اصطلاحی لفظ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ صرف الفاظ " خداوند یسوع کی باتیں" استعمال کئے گئے (۲۰: ۳۵)۔ اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ اس کتاب کا تعلق پہلی صدی کے اواخر سے نہیں بلکہ

---

[1] Harnack, Luke the Physician p.24

نصف کے ساتھ ہے ۔ جب حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کے لئے تاحال کوئی خاص لفظ یا اصطلاح تجویزنہیں کی گئی تھی۔ پس یہ نکتہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ کتاب ۶۰ء میں لکھی گئی تھی۔

(۴۔) پہلی صدی کے اواخر میں الفاظ" مسیحی اور" مسیحیت " عام طورپر مروج تھے۔ لیکن اعمال کی کتاب میں یہ الفاظ مروج نہیں جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کلیسیا کے ممبروں کے لئے ابھی لفظ" مسیحی " عام استعمال نہیں کیا جاتا تھا اور سیدنا مسیح کے خصوصی اصولوں کے لئے لفظ" مسیحیت" وضع بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اگر یہ کتاب ۶۰ء کی بجائے پچیس سال بعد احاطہ تحریر میں آتی تو اس میں ایمان داروں کے لئے لفظ" مسیحی " زیادہ استعمال کیا جاتا کیونکہ اس دبع صدی میں قیاصرہ روم کے تشدد آمیز رویہ کی وجہ سے لفظ" مسیحی" کی اصطلاح کلیسیا کے اندراورباہر جڑپکڑچکی تھی۔

عہدِ جدید میں لفظ" مسیحی" صرف تین جگہ وارد ہوا ہے یعنی اعمال ۱۱: ۲۶، ۲۶: ۲۸ اور۱۔پطرس ۴: ۱۶ ۔ پہلے مقام میں مقدس لوقا ہم کو بتلاتے ہیں کہ یہ شاگرد پہلے انطاکیہ میں ہی مسیحی کہلائے ۔ انطاکیہ کا شہر سکندریہ کی طرح ازراہِ تمسخر ہجو یہ نام اورحقارت آمیزلقب دینے کے لئے مشہور تھا۔ جب شام کے دارلسلطنت انطاکیہ کے شہر اورگردونواح میں مسیحیت پھیل گئی اورمنجئی عالمین کی وفات کے دس سال کے اندر غیر یہود جوق درجوق مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے تو بُت پرستوں کے لئے اہلِ یہود میں اورمسیح پر ایمان لانے والوں میں تمیزکرنا ایک لابدی امر ہوگیا۔ اُنہوں نے غیریہود ایمان داروں کو ازراہِ تمسخر" مسیحی" کہنا شروع کردیا یعنی مسیح کے پیرو جس طرح ہیرودیس کے پیروؤں کو "ہیرودی" کہا جاتا تھا (متی ۲۲: ۱۶۔ مرقس ۳: ۶ وغیرہ)۔

لیکن منجئی جہان پر ایمان لانے والے اپنے آپ کو " مسیحی " نہیں کہتے تھے۔ وہ اپنے اوردوسروں کے لئے عام طورپر الفاظ" بھائی" ، " بھائیوں " وغیرہ کا استعمال کرتے تھے(اعمال ۶: ۳، ۹: ۳۰، ۱۰: ۲۳، ۱۱: ۱۲، ۱۲: ۱۷، ۱۴: ۲، وغیرہ۔ رومیوں ۱: ۱۳، ۱۲: ۱-۱۶: ۱۴ وغیرہ۔ ۱۔کرنتھیوں ۲: ۱- ۷: ۲۹، ۱۰: ۱، ۱۱: ۲، ۱۴: ۲۶- ۲۔کرنتھیوں ۹: ۵، ۱۱: گلتیوں۱: ۲، افسیوں ۶:

۲۳، فلپیوں۱: ۱۴- ۱-تھسلنیکی ۴: ۱، ۱۰- ۱-تموتھی ۴: ۶- ۱-پطرس ۱: ۲۲،۱-یوحنا ۳: ۱۴ وغیرہ)۔

بعض اوقات کلیسیا کے شرکاء کے لئے لفظ" شاگرد" استعمال کیا جاتا تھا۔ (اعمال۹: ۱، ۱۰- ۱۶: ۱، ۲۱: ۱۶- ۱۹: ۱، ۲۰: ۷ وغیرہ)۔بعض اوقات لفظ" مقدس" استعمال ہوتا تھا(اعمال۹: ۱۳، ۳۲، ۴۱- ۲۶: ۱۰، رومیوں ۱: ۷- ۱۲: ۱۳- ۱۵: ۲۶- ۱-کرنتھیوں ۶: ۱، ۱۴: ۳۳- ۲کرنتھیوں۱: ۲- ۱۳: ۱۳ وغیرہ)۔ اہل یہود سیدنا مسیح پر ایمان لانے والوں کو" ناصری" اور" گلیلی" کہا کرتے تھے۔ عہدِ جدید کی تمام کُتب میں کسی ایک مقام میں بھی ہم یہ نہیں پاتے کہ کلیسیا کے شرکاء نے اپنے آپ کو" مسیحی " کہا ہو۔

دوسرا مقام جہاں عہدِجدید میں لفظ" مسیحی" وارد ہوا ہے اعمال ۲۶: ۲۸ ہے۔ اس مقام میں مقدس پولوس رسول اگرپا کو خطاب کرکے کہتا ہے " اے اگرپا بادشاہ تو نبیوں کا یقین کرتا ہے ۔ میں جانتاہوں کہ تو یقین کرتا ہے۔ اگرپا نے پولوس سے کہا ۔ توتو تھوڑی سی نصیحت کرکے مجھے مسیحی کرلینا چاہتا ہے"۔ یہ واقعہ اہل انطاکیہ کے لفظ " مسیحی" کو اختراع کرنے کے قریباً بیس سال بعد کا ہے۔ یہاں اگرپا بادشاہ بھی ازروئے تمسخر ایمان داروں کو حقارت آمیز لفظ" مسیحی" سے یاد کرتا ہے ۔ جس طرح عصر حاضرہ میں پنجاب کے بعض دیہاتی غیر مسیحی ، کلیسیا کے شرکاء کو" کرانی" کہتے ہیں ۔ مقدس پولوس کی تحریرات میں کہیں لفظ" مسیحی" نہیں پایا جاتا۔

تیسرا مقام مقدس پطرس کے پہلے خط (۴: ۱۶)یہاں مقدس پطرس کلیسیا کے ممبروں کو فرماتے ہیں کہ اگر بُت پرست تم کو ازراہِ حقارت" مسیحی" کہتے ہیں یا تم کو مسیح کے نام کے سبب ملامت کرتے ہیں تو یہ امر تمہارے لئے عارکا اورشرمانے کا موجب نہیں ہونا چاہیے بلکہ تم اس نام کے سبب خدا کی تمجید کرو۔ کیونکہ اگرمسیح کے نام کے سبب تم کو ملامت کی جاتی ہے توتم مبارک ہو(۴: ۱۴تا ۱۶)۔ مقدس پطرس کا یہ خط ۶۴ء کے قریب لکھا گیا تھا ۔ جس سے ظاہر ہے کہ کلیسیا کے شرکاء ۶۴ء تک لفظ" مسیحی" اپنے لئے استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس سال مقدس پولوس اورمقدس پطرس ابھی زندہ تھے۔ مقدس پولوس کی شہادت کے چند بعد

اپیکٹٹسEpictetus منجئی عالمین پر ایمان لانے والوں کے لئے لفظ" گلیلی " استعمال کرتا ہے ۔ جس سے ظاہر ہے کہ اعمال کی کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب کلیسیا کے شرکاء لفظ" مسیحی" کو اپنے لئے استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے اورنیک نہاد بُت پرست بھی (جو ایمانداروں کو طعن وتشنیع کا آماجگاہ بنانا نہیں چاہتے تھے، اس لفظ کو ان کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے۔ پس یہ امر بھی ہمارے نتیجہ کا مصدق ہے کہ اعمال کی کتاب ۶۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔

حقیقت تویہ ہے کہ قیاصرہ روم کے احکام اور ایذارسانیوں کی وجہ سے لفظ " مسیحی" کلیسیا کے شرکاء پر چسپاں کیاجاتا تھا۔ رومی سلطنت کے قانون نے سیدنا مسیح کے مذہب کو ممنوع قراردے دیا تھا۔ کیونکہ وہ روم کے قومی مذہب ، دیوتا پرستی اورقیصرپرستی کے خلاف تھا۔پس جب کلیسیا کے شرکاء کو گرفتارکرکے عدالت میں پیش کیا جاتا تھا تواُن سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ کیا تم" مسیحی" ہو؟ اگر اگرگرفتارشدگان انکارکرتے توکلیسیائی حلقوں میں اس بات کو خداوند کے انکارکے برابر سمجھا جاتا تھا پس وہ نہایت دلیری سے یہی جواب دیتے کہ وہ مسیحی ہیں۔ یوں رفتہ رفتہ کلیسیا میں لفظ" مسیحی" رواج پاگیا اورایذارسانیوں کے دوران میں کلیسیا نے اس لفظ" کو اپنالیا اورہرایمان داراس حقارت آمیز لفظ کواب فخریہ استعمال کرنے لگ گیا۔

لفظ" مسیحیت" بھی عہدِ جدید کی کتُب کے مجموعہ میں کہیں پایا نہیں جاتا۔ اعمال کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل یہود اس کے لئے حقارت کے طورپر" لفظ" طریق" بمعنی" راہ" استعمال کرتے تھے (۹: ۲ مقابلہ کرو۲۴: ۵ وغیرہ) لفظ" طریق" کو اپنالیا کیونکہ اُس کے منجی نے یہ لفظ خاص اپنی ذات کےلئے استعمال فرمایا تھا(یوحنا۱۴: ۴تا ۶)۔ اعمال کی کتاب میں حضرت کلمتہ اللہ کے اصولوں کے لئے یہی لفظ" طریق" جا بجا استعمال ہوا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اولین اورابتدائی زمانہ سے متعلق ہے(اعمال۱۶: ۱۷، ۱۸: ۲۶- ۱۹: ۹، ۲۳- ۲۴: ۲۲ وغیرہ)قیاصرہ روم کی ایذارسانیوں کی وجہ سے (جس میں پس پردہ اہلِ یہود کا ہاتھ ہوتا تھا) یہودیت اورمسیحیت میں تمیزکرنا ضرور ہوگیا تھا۔ پس لفظ" مسیحی" کے ساتھ ساتھ لفظ" مسیحیت" بھی

استعمال ہونے لگ گیا اورپہلی صدی کے آخر میں لفظ" مسیحیت" عام ہوگیا۔ قدیم زمانہ کا جو مسیحی لٹریچر محفوظ رہ گیا ہے، اس میں پہلے پہل مقدس اگنیشئس کے خطوط میں لفظ "مسیحیت" پایا جاتا ہے۔

سطوربالا سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اعمال کی کتاب اس زمانہ میں لکھی گئی جب کلیسیا نے لفظ" مسیحیت" کو ابھی اپنایا نہ تھا۔ اوریہ وقت نیرو کی تشددانہ پالیسی سے پہلے کا ہے جس کا آغاز ۶۴ء میں ہوا تھا۔ پس یہ کتاب ۶۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔

(۵۔) اس سلسلہ میں لفظ" شہید" کی تاریخ کا بیان کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔الفاظ" شہید" اور" شہادت" کے اصلی معنی گواہی کے ہیں اور اصطلاحی طورپر صرف اُن لوگوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جو اپنے خون سے اپنے ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔لفظ شہید کے یونانی لفظ" مارٹر" μαρτυ کے معنی گواہ کے ہیں۔ اور رومی قیاصرہ کی ایذارسانیوں کے دوران میں یہ لفظ ان ایمانداروں کے لئے استعمال ہونا شروع ہوگیاجنہوں نے اپنے خون سے اپنے ایمان کی گواہی دی تھی۔

جب ہم اعمال کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں یہ لفظ ان اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا ہے(۱:۲۲، ۴: ۳۳۔ ۵: ۳۲۔ ۱۰: ۴۱۔ ۱۳: ۳۱: ۲۲: ۱۵۔ ۲۶: ۱۶ وغیرہ)۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ مقدس پولوس کی زبان پر یہ لفظ اُن معنوں میں استعمال کیاگیاہے لیکن اگر اس مقام (اعمال۲۲: ۱۹) کاغور سے مطالعہ کیاجائے توہم پر واضح ہوجائے گا کہ اس مقام میں رسول مقبول کامطلب یہ نہیں کہ مقدس استفنس کی گواہی نے موت کی صورت اختیارکی تھی بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ گواہی کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔پس ظاہرہے کہ لفظ" شہید" اس مقام پر اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا۔ جس طرح مثال کے طورپر وہ مکاشفات (۲: ۱۳۔ ۱۷: ۶)۔ میں استعمال کیا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ ، اعمال کی کتاب قیصر نیرو کی ایذارسانیوں سے پہلے احاطہ تحریر میں آئی اوریہ نتیجہ

ہمارے اس نظریہ کی تصدیق کرتا ہے کہ مقدس لوقا نے یہ کتاب ۶۰ء کے قریب لکھی تھی۔

(۶۔) جب ہم اعمال کی کتاب کی کلیسیائی تنظیم پر نظر کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ کلیسیا کے امورنظام بھی ابتدائی مراحل سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کے کسی صفحہ میں بھی کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی ۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ کلیسیائی تنظیم پہلی صدی کے آواخر کی ہے۔ اس کتاب میں الفاظ" ایپسکوپوس" اور" پریسبٹروئے" آتے ہیں لیکن ان الفاظ سے ہم وہ مطلب اخذ نہیں کرسکتے جو ان کے ہم معنی الفاظ" بشپ" اور" پرسبٹر" کے تصورات میں مابعد کے زمانہ میں پایا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس رسولوں کے" ہاتھ رکھنے" کا مطلب بھی وہ نہیں ہے جو مابعد کے زمانہ میں کلیسیا میں مروج تھا ۔ حق تو یہ ہے کہ کلیسیا کی تنظیم اس کتاب کے لکھے جانے کے وقت ابھی ٹھوس اورجامد نہیں ہوئی تھی[1]۔ بلکہ اپنی ترقی کی ابتدائی منزلوں میں ہی تھی۔

ان اور دیگر وجوہ کے باعث ڈاکٹر سٹل کہتا ہے کہ اعمال کی کتاب ۶۱ء کے بعد کی نہیں ہوسکتی[2]۔

ان تمام اصطلاحات کا مطالعہ یہ حقیقت ثابت کردیتا ہے کہ ان کے معانی اورمطالب کلیسیا کی ارتقا کے ابتدائی زمانہ ہی سے متعلق ہیں۔ اگر کتاب اعمال الرسل پہلی صدی کےاواخر میں لکھی جاتی تو یقیناً کلیسیا کے اُس دور کے خیالات اورمعتقدات اورکلیسیائی تنظیم کا عکس اوراثر اس کتاب میں پایا جاتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب ۸۵ء سے مدتوں پہلے لکھی گئی تھی اورا سکا زمانہ تصنیف ۶۰ء کے لگ بھگ کا ہے۔

---

[1] Foakes Jackson Acts (Moffat's Commentary) p.XVI.

[2] J.Ironside Still , St. Paul on Trial (S.C.M.)

فصل سوم

مقدس پولوس کے خطوط اوراعمال کی کتاب

اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ اس کے مصنف نے مقدس پولوس کے خطوط کا استعمال نہیں کیا ۔ اب اگریہ مان لیا جائے کہ مقدس لوقا نے یہ کتاب رسول کی حینِ حیات میں ہی لکھی تھی تو اس حقیقت کی کچھ وجہ ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ کتاب رسول کی شہادت کے بیس(یا جیسا کہ بعض کہتے ہیں چالیس برس) بعد لکھی گئی تو یہ حقیقت قابلِ توجیہ نہیں ہوسکتی۔ اعمال کی کتاب کوایك سرے سے دوسرے تك پڑھ جاؤ کسی پر یہ امر ظاہر نہیں ہوسکتا کہ اس کا مصنف مقدس پولوس کے خطوط سے واقف بھی تھا۔ عبرانیوں کا خط اس کتاب سے غالباً دس پندرہ برس بعد لکھا گیا تھا۔ اس کا مصنف رسول کے خطوط سے واقف نظر آتا ہے۔ پطرس کے پہلے خط میں چند حصص ایسے ہیں جو مقدس پطرس کی شہادت کے چند سال بعد اس میں ایزاد کئے گئے تھے۔ اس میں بھی مقدس پولوس کے خطوط کا صاف اشارہ اورذکر ہے ۔(۱: ۱۴، رومیوں ۱۲: ۲- ۱: ۳- رومیوں ۲: ۱۱- ۱: ۲۰- رومیوں ۱۶: ۲۵ الخ ۲: ۶تا ۸- رومیوں ۹: ۳۳، ۲: ۱۰، رومیوں ۹: ۲۵، ۱: ۲، افسیوں ۱: ۴- ۱: ۴تا ۵- افسیوں ۱ : ۱۱تا ۱۸- ۱: ۱۴- افسیوں ۲: ۳- ۲: ۱۸- افسیوں۶: ۵، وغیرہ)۔اگراعمال کی کتاب بھی مقدس پولوس کی شہادت کے بیس یا تیس سال بعدلکھی جاتی تویہ ناممکن امر ہے کہ اس کا مصنف مقدس رسول کے خطوط کا استعمال نہ کرتا۔ ہم یہاں تین مثالیں دیتے ہیں[1]۔

(۱۔) اعمال کے سفر کے روزنامچہ سے ظاہر ہے کہ فلپی ایك ایسی جگہ تھی جہاں اس روزنامچہ کے مصنف مقدس لوقا نے کچھ مدت تك قیام کیا تھا۔ پس وہ قدرتاً اس کی کلیسیا میں نہایت دلچسپی رکھتا تھا۔لیکن حیرت کا مقام یہ ہے کہ اعمال کی کتاب کا مصنف فلپیوں کے خط سے واقف بھی نظر نہیں آتا۔ اعمال کی کتاب میں کلیسیا کے شرکاء میں سے صرف لُدیا کے ہی نام کا ذکر ہے۔(۱۶باب)۔ نہ اپفردتس کا ذکر ہے ۔ نہ یوودیہ کا نہ سنتخے کا اورنہ کلیمنس کا ذکر ہے جو بعض علماء کے مطابق بعد میں کلمینٹ آف روم کے نام سے

---

[1] George Salmon, Historical Introduction to N.T. pp.317-321.

تاریخ میں مشہور ہوا۔ پس کتاب میں فلپیوں کی کلیسیا کارسول مقبول کی حاجتوں کو رفع کرنے کی غرض سے زرنقد بھیجنے کا بھی ذکرنہیں ۔ (فلپیوں ۴: ۱۶، نیزدیکھو۲کرنتھیوں ۱۱: ۹)۔

(۲۔) اگراعمال کی کتاب ۸۵ء میں لکھی جاتی جب رسول مقبول کے خطوط تمام کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھے تو مقدس لوقا کم ازکم گلتیوں کے خط کا ضروراستعمال کرتے جو۴۹ء میں لکھا گیا تھا۔ اس خط کی روشنی میں اعمال ۹: ۱۹ تا ۳۰ اورپندرھویں باب کو لکھا جاتا تاکہ واقعات کا تواتر اور تسلسل قائم رہے مثلاً گلتیوں ۱: ۱۵تا ۱۷ سے ظاہر ہے کہ رسول مقبول عرب کوگئے تھے اوروہاں سے دمشق واپس لوٹے تھے لیکن مقدس لوقا اس سفر کا کہیں ذکرنہیں کرتے اورہم یقینی طورپریہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سفرکب کیا گیا۔ آیا یہ سفر ۹باب کی ۲۱ اور۲۲آیات کے مابین کے وقفہ میں واقع ہوا یا ۲۲ اور۲۳آیات کے درمیانی عرصہ میں کیا گیا۔علاوہ ازیں گلتیوں ۱: ۲۱۔ ۲: ۱، ۱۱تا ۱۹ وغیرہ کی آیات کی روشنی میں اعمال کا پندرھواں باب لکھا جاتا۔

اگر مقدس لوقا کے سامنے گلتیوں کا خط ہوتا تویہ ممکن تھاکہ وہ اپنی کتاب میں مقدس پولوس کے سفرِعرب یا انطاکیہ میں مقدس پولوس اورمقدس پطرس کی باہمی رنجش کا یا طیطس کے فتنہ کاذکرنہ کرتے۔ پس اعمال کی کتاب کے لکھنے کے وقت گلتیوں کا خط مقدس لوقا کی نظروں کے سامنے نہیں تھا۔

اس کا سبب ظاہر ہے ۔ اعمال کی کتاب کی تصنیف کے وقت گلتیوں کا خط ابھی تمام کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں نہیں تھا اوررسول مقبول خود زندہ تھے۔ پس اس کے مصنف کوجو رسول کے ساتھی تھی اُن کے خطوط کوبہم پہنچانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی۔ اگرمقدس لوقا اس کتاب کو ۶۰ء کی بجائے پچیس سال بعد ۸۵ء میں لکھتے تو وہ مذکورہ بالا واقعات کوجواہم قسم کے تھے ہرگزنظرانداز نہ کرتے۔

(۳۔) اگرکرنتھیوں کے خطوط مقدس لوقا کے سامنے ہوتے اورآپ نے ۱۔کرنتھیوں۱۵: ۶، ۷کوپڑھا ہوتا تویقیناً اپنی انجیل لکھتے وقت وہ ان واقعات کا ذکرکرتے اوربتلاتے کہ منجئی عالمین اپنی ظفریاب قیامت کے بعد فلاں مقام اور

فلاں موقعہ پر" پانچ سو سے زیادہ بھائیوں کو ایک ساتھ دکھائی دیئے جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں"۔ اور مقدس یعقوب کو بھی فلاں موقعہ اور قیامت کے بعد فلاں روز فلاں جگہ نظر آئے۔

اگر مقدس لوقا نے ۲۔ کرنتھیوں پڑھا ہوتا تو وہ اعمال کی کتاب میں ضرور بتلاتے کہ مقدس پولوس نے کہاں اور کس موقعہ پر" یہودیوں سے ایک کم چالیس کوڑے پانچ بار کھائے۔ تین مرتبہ بیدیں کھائیں۔ تین دفعہ جہاز ٹوٹنے کی بلا میں گرفتار ہوئے (۱۱: ۲۴تا ۲۵)۔

اعمال کی کتاب کو" الف " سے " ی " تک پڑھ جاؤ۔ تمام کتاب میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ مقدس پولوس نے کسی کلیسیا کو کبھی کوئی خط لکھا تھا۔ اگر اعمال کی کتاب ۶۰ء میں نہ لکھی جاتی بلکہ اس سے پچیس سال (یا جیسا بعض کہتے ہیں چالیس سال سے زائد عرصہ) بعد لکھی جاتی تو یہ ناممکن امر ہے کہ اس کا مصنف رسول کے خطوط کا ذکر تک نہ کرتا بالخصوص اس زمانہ تک آپ کے خطوط ہر کلیسیا کے ہاتھوں میں تھے۔ مثلاً جب وہ کرنتھ کا ذکر کرتا ہے تو ضرور لکھتا کہ یہاں رسول مقبول نے روم کی کلیسیا کو خط لکھا تھا۔ لیکن اگر کوئی غیر مسیحی جو انجیل جلیل کی کتاب کے مجموعہ سے ناواقف ہو اورہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس میں کس شخص نے کیا لکھا ہے اور صرف اعمال کی کتاب کو پڑھے تو اس کے شان وگمان میں یہ بھی بات کبھی نہ آئے گی کہ مقدس پولوس نے کبھی کسی کلیسیا کو کوئی خط لکھنے کے لئے قلم بھی اٹھایا تھا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ یہی سمجھیگا کہ پولوس صرف ایک زبردست مبلغ اورجوشیلا رسول تھا جو جنوبی ہوکر جا بجا سرگردان پھرتا رہا تاکہ اپنے خدا کی نجات کی بشارت رومی دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچادے۔

پس اعمال کی کتاب لکھتے وقت مقدس لوقا کے سامنے مقدس پولوس رسول کے خط موجود نہیں تھے ورنہ آپ ان خطوں کی روشنی میں بعض اُمور کا ذکر ضرور کرتے اور دیگر اُمور کو اچھی طرح واضح کردیتے ۔ اب غبی سے غبی شخص پر بھی یہ ظاہر ہے کہ اگریہ کتاب ۶۰ء کے بعد لکھی جاتی تو اس کے مصنف کے ہاتھوں میں ان خطوط کی کاپیاں ضرور ہوتیں۔ مقدس پولوس ۶۴ء میں شہید کئے گئے تھے۔ کیا یہ امر

قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ اگر مقدس لوقا ۸۵ء یا ۱۰۰ء میں یہ کتاب لکھتے تو آپ اپنے شہید آقا کے خطوط کو اُن کی زندگی کے واقعات لکھتے وقت اپنے سامنے نہ رکھتے ؟ ان خطوط کا ۶۰ء تک مقدس لوقا کے ہاتھوں میں نہ ہونا تعجب خیز امر نہیں ہوسکتا لیکن ۸۵ء یا ۱۰۰ء تک ان خطوط کا آپ کے ہاتھوں میں نہ ہونا ایک ناممکن الوقع امر ہے[1]۔

فصل چہارم

مخالف علماء کے خیالات کی تنقیع وتنقید

ہم اُوپر ذکر کرچکے ہیں کہ بعض علماء رسالہ اعمال کی تصنیف کے لئے ۸۵ء کی بجائے ۱۰۰ ء تجویز کرتے ہیں۔ اُن اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ مقدس لوقا نے یہودی مورخ یوسیفس کی تصنیفANTIQUITES کو بطور ایک ماخذ کے استعمال کیا تھا جو ۹۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اگریہ دلیل صحیح ثابت ہوجائے تو کوئی شخص یہ انکار نہیں کرسکتا کہ رسالہ اعمال ۶۰ء کی بجائے ۹۵ء یا اس کے بعد لکھا گیا تھا۔ لیکن یہ دعویٰ سراسر غلط ہے اور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مقدس لوقا اوریوسیفس دونو ں بعض اوقات ایک ہی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔چنانچہ اعمال۵: ۳۶، ۳۷- ۱۲: ۲۰- ۲۱: ۳۸ میں جن واقعات کا ذکر ہے ان کا یہ مورخ بھی ذکرکرتا ہے ۔ دونوں مصنفوں کی کتابوں میں بعض الفاظ ایک ہی قسم کے پائے جاتے ہیں جن سے ان علماء کویہ دھوکا ہوگیا ہے کہ مقدس لوقا نے اس یہودی مورخ کو ماخذ کے طورپر استعمال کیا تھا۔ مثلاً یوسیفس نے طبریاس سے کہا" اگر یہی انصاف ہے تو مجھے مرنے سے انکار نہیں[2]" (مقابلہ کر واعمال ۲۵: ۱۱)لیکن اس قسم کے الفاظ ایسے شخص کے منہ سے نکلتے ہیں جس پر جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے اوران سے یہ نتیجہ ستنبط نہیں ہوسکتا کہ مقدس لوقا یہودی مورخ کا مرہون منت ہے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب دومصنف ایک ہی واقعہ کی نسبت لکھتے ہیں تو وہ کسی حد تک ایک ہی قسم

---

[1] See also Encyclo , Biblica S.V. Acts Col 42 and Moffat's Introd. To Lit of the N.T. p300

[2] Vita 29.

کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ۔ لیکن ان الفاظ کی متشابہت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک نے دوسرے کی نقل کی ہے ۔ حق تویہ ہے کہ دونوں مصنفوں کےبیانات کو پڑھنے سے یہ ظاہر ہوجاتاہے کہ دونوں کے بیانات میں بڑا فرق ہے اوریہ فرق اس قدر واضح ہے کہ ایک نقاد کہتاہے[1] کہ اگر مقدس لوقا نے یوسیفس کی کُتب کو پڑھا تھا تو وہ اُن کو پڑھنے کے بعد ہی فوراً بھول گیا ہوگا!!

مقدس لوقا اوریوسیفس دونوں مصنف فاضل تھے۔ اوردونوں کا مطالعہ وسیع تھا۔ پس یہ امر ممکن ہے کہ جب دونوں مصنف زمانہ ماضی کے ایک ہی قسم کے تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہیں تو ان دونوں کا تاریخی ماخذ کسی تیسرے مصنف کی کتاب ہوگی جس کی وجہ سے دونوں کے الفاظ میں مشابہت ہے۔ اورجب دونوں مصنف ایک ہی ملک اورقوم کے ایک ہی واقعہ کا ذکرکرتے ہیں توایک ہی قسم کے منظروں کا ذکرکرتے ہیں تو جائے حیرت نہیں کہ دونوں کے قلم سے ایک ہی قسم کے الفاظ نکلتے ہیں اوراس مشابہت سے ہم قطعی اورحتمی طورپریہ نہیں کہہ سکتے کہ مقدس لوقا نے یوسیفس کی کتاب کا استعمال کیا ہے اس کے برعکس یہودی مورخ نے مقدس لوقا کی تصنیف کا استعمال کیا ہے۔

حق تویہ ہے کہ مقدس لوقا ایک محتاط مورخ ہے اوراپنی انجیل اوراعمال کی کتابوں میں تواریخی واقعات کا بار بار ذکر کرتاہے۔ مثلاً وہ ہیرودیس کے خاندان کی تاریخ سے واقف ہے۔ وہ رومی قیاصرہ کے ناموں کا ذکرکرتاہے اوراہلِ یہود کی تاریخ کی جانب اشارہ بھی کرتاہے۔ وہ رومی حکام کے صحیح خطاب لکھتا ہے اوررومی سلطنت کے شہروں کا بیان بھی درستی سے کرتاہے۔ اس سے بعض علماء کویہ گمان ہوا کہ مقدس لوقا کے سامنے تاریخی کتابیں تھیں جو اُس کا ماخذ تھیں اور چونکہ اس قسم کی تاریخی کُتب میں سے صرف یوسیفس کی کتاب کا ہی ہم کوعلم ہے لہذا انہوں نے یہ نظریہ قائم کیاکہ اعمال یوسیفس کی کُتب کے بعدلکھی گئی ہے۔لیکن یوسیفس کی کتاب کا وہ حصہ جو اعمال کا ماخذ کیاجاتا ہے اس کا آخری حصہ ہے اوراس آخری حصہ کا مطالعہ ہم پر واضح کردیتا ہے کہ اس کتاب کے وہ بیان جو انجیلِ سوم اور

---

[1] Schrur & Salmon Hasting’s Dict, of the Bible Vol1. p.30.

اعمال سے متعلق ہیں نہایت قلیل ، ناکافی اورکم مایہ قسم کے ہیں کیونکہ اس حصہ کے جزو اعظم کا تعلق ہیردویس اگرپا(xxx) بابل کے یہود کے حالات(xvii) اورشاہ اویابین کی زندگی(xx) کے بیانات پر مشتمل ہے۔پس اگر یہ نظر یہ درست ہو تو ہم کو حیرانگی ہوتی ہے کہ مقدس لوقا جیسے محتاط شخص نے ایک ایسی کتاب کو ماخذبنایا جس سے اُس کو اس قدرکم حالات ملے! ہم کو یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جن لوگوں کا مقدس لوقا بالعموم ذکر کرتا ہے وہ مشہور ہستیاں تھیں اوراُن کے جاننے کے لئے کسی تاریخی کتاب کے ماخذ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہاں اگریوسیفس ہم کو یہ بتلاتا کہ' سرجیس پولس Sergius Paulus ایک پروکونسل تھا یا فلپی کے مجسٹریٹ اپنے آپ کو" پریٹر" Proetor کہلانے کے خواہشمند تھے یا گیلیوGallio آخیہ کا پروکونسل تھا یا افسس شہرکا " محرر" ہوا کرتا تھا تویہ نظریہ زیادہ قابل قبول ہوتا[1]۔

اس میں شک نہیں کہ مقدس لوقا کی تصنیفات کی روشنی میں یوسیفس کی کتُب زیادہ واضح ہوجاتی ہیں اور یوسیفس کی طرزادا اوراس کے بیان کو ہم بہتر طورپر سمجھ سکتے ہیں ۔ لیکن اس سے یہ الٹا ثابت نہیں ہوتا کہ مقدس لوقا نے یوسیفس کی کتُب کا استعمال کیا تھا[2]۔

(۲)

تادمِ تحریر کوئی عالم ایسی مثال پیش نہیں کرسکا جس سے اس دعویٰ کا ثبوت قطعی طورپر پایہ تکمیل کو پہنچ سکے کہ مقدس لوقا کے ماخذوں میں ا س یہودی مورخ کی کتابیں شامل تھیں۔ اس کے برعکس بعض تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مصنف نہ صرف ایک دوسرے سے بے نیازہیں بلکہ دونوں میں شدید اختلاف ہے۔ مثلاً تھووس کے معاملہ میں دونوں میں حددرجہ کا اختلاف ہے(اعمال ۵: ۳۶)۔ پھر مقدس لوقا لکھتا ہے کہ مصری کے پردہ چار ہزار تھے(۲۱: ۳۸)۔ لیکن یوسیفس اس تعداد کوتیس ہزار بتلاتا ہے۔ اور مورخین کا خیال ہے کہ مقدس لوقا کی تعداد

[1] Foakes Jackson Acts (Moffiat's Commentary)pp.XIV, XV

[2] Foakes Jackson $ Kirsopp Lake , Beginnings of Christianity Part1, Vol2 pp.311-312.

زیادہ قرین قیاس ہے۔ ڈاکٹر سینڈےSanday کہتا ہے[1] کہ دونوں مصنفوں میں جو اختلافات ہیں وہ کی باہمی مشابہت سے کہیں بڑھ کر ہیں۔۔۔۔ اورمیں اکیلا ہی اس نتیجہ پر نہیں پہنچا۔ یہ مفروضہ بالکل بے بنیاد ہے"۔ جرمن نقاد ڈاکٹر ہارنیک بھی" کہتا ہے کہ یہ " نظریہ کہ اعمال کے مصنف نے یوسیفس کی کتابوں کو پڑھا تھا قطعی بے بنیاد ہے[2]"۔ نظریہ ایسی بودی دلیل پر مبنی ہے کہ فی زمانہ مغربی ممالک کا کوئی سنجیدہ مزاج نقاد اس کا قائل نہیں رہا۔

اس دلیل میں یوسیفس کی تصنیفات کو ہم دودھاری تلوار کی طرح استعمال نہیں کرسکتے[3]۔ اگر الفاظ کی مشابہت کی بناء پر ہم یہ ثابت کرنا چاہیں کہ مقدس لوقا نے یہودی مورخ کی کتاب کی نقل کی ہے توجہاں دونوں مصنفوں میں حددرجہ کا اختلاف پایا جاتا ہےوہاں ہم کو یہ کہنے کا مجاز نہیں کہ ان بیانوں میں یہودی مورخ کا بیان تو درست ہے لیکن مقدس لوقا کا بیان غلط ہے (لوقا۳: ۱۔ اعمال ۵: ۳۵تا ۳۶)۔

اگر مقدس لوقا کے سامنے بزعمِ معترض یوسیفس کا صحیح بیان موجود تھا توپھر اُس نے مورخ کی کتاب سے اختلاف کیوں کیا؟ حق تو یہ ہے کہ جب موجودہ زمانہ کے نقاد دونوں مصنفوں کے مختلف بیانات کا غیر جانبدارانہ موازنہ کرتے ہیں تو وہ مقدس لوقا کے بیان کو زیادہ قرینِ قیاس اورصحیح پاتے ہیں۔ یہودی مورخ کے بیان مبالغہ اوررنگ آمیزی سے خالی نہیں۔

پس مقدس لوقا کے کتاب اعمال الرسل کو یوسیفس کی کتابوں سے پہلے لکھا تھا۔ اعمال کی کتاب کا مطالعہ یہ امر عیاں کردیتا ہے کہ مصنف نے اس مورخ کی کُتُب کو پڑھا بھی نہ تھا اورغالباً اُس کے ماخذ بھی وہ نہ تھے جو یہودی مورخ کے تھے۔

(۳)

حق تو یہ ہے کہ اگر اناجیل اربعہ اوراعمال لرسل پہلی صدی کے اواخر میں لکھے جاتے توانجیلی بیانات میں اسی قسم کے خرافات اور لغویات موجود ہوتیں جو اناجیل موضوعہ میں ہیں۔واقعات کے بعد عرصہ طوالت کی نسبت

---

[1] Sanday, Inspiration pp. 278- 279
[2] Harnack Luke the Physician p.24 note.
[3] Plummer, St. Luke p.XXIX.

سے انسان کی قوتِ متخیلہ پروازکرنے لگ جاتی ہے اورجس قدر واقعات دور ہوتے جاتے ہیں اُسی قدر رنگ آمیزی اور مبالغہ سے کام لیا جاتاہے۔ اگراناجیل اربعہ کے واقعات کا سینہ بسینہ روایات پر ہی انحصار ہوتا اوراگر یہ اناجیل پہلی صدی کے اواخر میں احاطہ تحریر میں آتیں تو ان کے بیانات میں لغویات پائی جاتی ہیں۔ مثال کے طورپر ہائراپولوس کے بشپ پے پئس کولیں۔اس کی کتاب کا پایہ اسلامی کُتب سیرکا سا ہے۔ جس طرح ان کُتب سیر کے مصنف جو سنتے تھے وہ بغیر جانچے پرکھے لکھ لیا کرتے تھے اسی طرح یہ بشپ اس بات کے شوقین تھے کہ وہ ہر شخص کا بیان بغیر کسی کسوٹی پر پرکھنے کے لکھ لیں۔ چنانچہ اُس نے رسولوں کی زبان کے اوران کے بعد کے آنے والے لوگوں کے اقوال کو ایک کتاب میں ۱۰۰ء کے قریب جمع کیا۔جس میں ہر طرح کا رطب دیا بس بھرا ہواہے۔مثلاً وہ کہتا ہے[1] کہ خداوند نے سعادت کے ہزاررسالہ دورکی نسبت فرمایا ہے کہ "انگورکی پیداوارہوگی اورہرپودے کی دس ہزارشاخیں ہوں گی اورہر شاخ پر دس ہزار گچھے ہوں گے اورہر گچھے میں انگور کے دس ہزار دانے ہوں گے اورہردانہ میں اڑھائی من رس ہوگا۔ یہی حال اناج کا ہوگا۔ ہر بیج سے دس ہزارڈنٹھل پیدا ہوں گے اورہر ڈنٹھل پر دس ہزار بالیاں اورہر بالی میں پانچ سیر آٹا ہوگا"۔ پھر وہ یہوداہ غدارکا نسبت لکھتا ہے" اس کا جسم اس قدر پھول گیا تھا کہ وہ کشادہ سے کشادہ دروازے میں سے نہیں گذرسکتا تھا۔ گو اس میں سے ایک چھکڑا بآسانی نکل جاتا تھا۔اس کی آنکھیں اس قدران دھس گئی تھیں کہ وہ اُن سے کچھ دیکھ نہیں سکتا تھا اورنہ کوئی ڈاکٹر کسی نالی کے ذریعہ ان کا معائنہ کرسکتا تھا"۔ اب جائے غور ہے کہ اگرایک شخص جو بشپ کے عہدہ پر فائز ہوا اورجس نے انجیل اول وسوم میں غدارکی موت کا حال پڑھا ہو، اس قدرزود اعتقاد ہوسکتا ہے کہ وہ اس قسم کے خرافات کو تسلیم کرکے حوالہ قلم کرے۔تواگریہ اناجیل بھی ۱۰۰ء کے قریب لکھی جاتیں تو ان میں لغو قصص اورکہانیاں ضرورموجود ہوتیں۔ لیکن اناجیل اربعہ اوراعمال الرسل ہر قسم کی لغویات سے کلیتہً پاک ہیں جس سے ظاہر ہے کہ جو واقعات اُن میں درج ہیں وہ نہ صرف چشم دید

---

[1] Dr.F.Blass The Origin and Character of Our Gospels. In Exp. Times, May 1907

گواہوں کے بیانات ہیں بلکہ یہ بیانات واقعات کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی تحریر میں آگئے تھے۔

یہاں یہ بتلادینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بشپ پے پئس قدیم ترین مصنف ہے اور گوجیسا مورخ یوسی بیئس اس کی نسبت کہتا ہے ۔ کہ وہ کو تاہ عقل تھا اور زوداعتقاد ہونے کی وجہ سے ہر عیارفریبی کی باتوں میں آجاتا تھا تاہم اس کی کتاب میں ایسے بیانات بھی پائے جاتے ہیں جو سچائی کے معیارپر پورے اترتے ہیں اوریہی وجہ ہے کی یوسی بئیس جیسے محتاط مورخ نے ان کوتسلیم کیاہے۔ان بیانات کو ہم اس رسالہ میں نقل کرآئے ہیں۔

اس تمام بحث کا محاصل یہ ہے:

اعمال کی کتاب نہ تو دوسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی اورنہ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) کے بعد لکھی گئی ۔ بلکہ پہلی صدی کے دوسرے نصف کے اوائل میں ۶۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔ کیونکہ (۱) اس میں آخری واقعہ جو درج ہے وہ پولوس رسول کی پہلی قید سے متعلق ہے۔(۲) اس کا مصنف اس امر سے بے خبر ہے کہ جواپیل مقدس رسول نے قیصر کے ہاں کی تھی اس کا کیا حشر ہوا۔(۳) اس میں سیدنا مسیح کے بھائی مقدس یعقوب کی شہادت کا (جو ۶۲ء میں واقع ہوئی)ذکرنہیں ملتا۔ (۴) اس میں مقدس پطرس اور پولوس کی شہادتوں کا (۶۴ء)اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔(۵) اس میں نیرو کی ایذارسانی (۶۴ء) کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ (۶) اس کتاب میں امید افزا حالات کی جھلک ہر جگہ نظر آتی ہے۔ اگریہ کتاب ۸۵ء کے قریب لکھی جاتی تو اس کا لب ولہجہ مکاشفات کی کتاب کا سا ہوتا۔ (۷) اس میں مقدس پولوس کے خطوط کی نسبت ایک لفظ بھی نہیں ملتا جس کی وجہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ مقدس لوقا رسولِ مقبول کے تادم مرگ ساتھی اوررفیق کارتھے۔ اگریہ کتاب ۸۵ء میں لکھی جاتی تو رسول شہید کے خطوط کا ذکر ہوتا اوران کی روشنی میں بعض واقعات (۹: ۱۹تا ۳۰ وغیرہ) لکھے جاتے۔ (۸) اس میں ابتدائی قسم کے مسیحی معتقدات پائے جاتے ہیں۔ (۹) اس میں یروشلیم کی تباہی اوراہل یہود کی پراگندگی کا ذکر تک نہیں ۔(۱۰) اس کتاب کے ہیرو، ایکٹر اوراداکارسب کے سب ایسی فضا میں سانس لیتے اورچلتے پھرتے ہیں جو مسیحیت

کے اولین دور سے متعلق ہے۔ ان وجوہ کے باعث ہم اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ رسولوں کےاعمال کی کتاب ۶۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔

باب دوم

تاریخِ تصنیفِ انجیلِ لُوقا

ہم نے گذشتہ باب میں شرح وبسط کے ساتھ کتاب اعمال الرسل کی تاریخِ تصنیف پر مفصل بحث کی ہے۔کیونکہ اس کتاب کے زمانہء تصنیف کے تعین پر انجیل لوقا کی تاریخ تصنیف کا دارومدار ہے۔ چنانچہ اس کے دیباچہ میں مقدس لوقا لکھتا ہے " اے تھیوفلس میں نے پہلا رسالہ (یعنی انجیل) ان سب باتوں کے بیا میں تصنیف کیا جو یسوع (عیسیٰ) شروع میں کرتا اور سکھاتا رہا"۔(۱:۱) پس انجیل سوم پہلا رسالہ ہے اوراعمال کی کتاب دوسرا رسالہ ہے جو انجیل کے بعد لکھا گیا تھا۔ اگریہ دوسرا رسالہ ۸۰ء یا ۸۵ء یا ۱۰۰ء کے قریب لکھا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ انجیلِ سوم بھی اس سے پانچ دس سال پہلے لکھی گئی ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ بعض علماء اس انجیل کے زمانہ تصنیف کے لئے ۷۰ء یا ۸۰ء کا زمانہ تجویز کرتے ہیں[1]۔ لیکن اگرہمارے نتائج (جن پر ہم

[1] Grieve, Peake's Commentary p 724.

پچھلے باب میں پہنچ ہیں) درست ہیں اوراعمال کی کتاب فی الحقیقت ۶۰ء کے قریب لکھی گئی تھی توانجیل سوم کازمانہ تصنیف اس سے چند سال پہلے کا ہوگا۔ انشاء اللہ اس باب میں ہم یہ ثابت کرینگے کہ انجیلِ لوقا ۵۷ء سے پہلے منجئ عالمین کی صلیبی موت کے صرف قریباً پچیس سال بعد لکھی گئی تھی۔

فصل اوّل

مخالف علماء کے دلائل پر تنقید

اس فصل میں ہم پہلے ان علماء کے دلائل کا موزانہ کرینگے جن کا یہ نظریہ ہے کہ انجیل لوقا ۸۰ء کے قریب لکھی گئی[1]۔

(۱)

ان علماء کا یہ قول ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی تباہی کے بعد احاطہ تحریر میں آئی ان کی مضبوط ترین دلیل یہ ہے کہ جن الفاظ میں مقدس لوقا یروشلیم کے برباد ہونے کی پیشینگوئی کا ذکر کرتے ہیں اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے ، کہ شہر یروشلیم اس کتاب کی تصنیف سے بہت پہلے برباد ہوچکا تھا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جب ہم انجیل سوم کی پیشینگوئی کے الفاظ کا دیگر اناجیل کے الفاظ کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں (لوقا ۲۱: ۲۰تا ۲۳۔ مرقس ۱۳: ۱۴تا ۲۸۔ متی ۲۴: ۱۵تا ۲۲) ۔ توتینوں کے بیانات کے الفاظ میں ہم کو فرق نظرآتا ہے ۔ مثلاً مقدس لوقا انجیلِ اوّل کے الفاظ" پڑھنے والا سمجھ لے" (۲۴: ۱۵)۔ نہیں لکھتا اورالفاظ " پس جب تم اس اُجاڑنے والی مکرہ چیزکو جس کا ذکر دانی ایل نبی کی معرفت ہوا گھرا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ اس کا اجُڑ جانا نزدیک ہے(لوقا ۲۱: ۲۰)۔ اورتفصیلات دیتا ہے کہ " وہ تلوارکا لقمہ ہوجائینگے اوراسیر ہوکر سب قوموں میں پہنچائے جائینگے۔ اورجب تک غیراقوام کی معیادی پوری نہ ہو، یروشلیم غیر قوموں سے پامال ہوتی رہے گی"(آیت ۲۴)۔ پھرآگے چل کر نشانوں کے ظہورکی نسبت بتلاتاہے لیکن انجیلِ اوّل کے الفاظ" اورفوراً اُن دنوں کی مصیبت کے بعد"(متی ۲۴: ۲۹) کوقلم اندازکردیتاہے۔ علاوہ ازیں مقدس لوقا ۱۹: ۴۳ میں

---

[1] Bishop Gore's Commentary p.209. and Adeney St. Luke (Century Bible)p.44

پیشینگوئی کی تفصیلات بتلاتا ہے۔ "کیونکہ وہ دن تجھ پر آئینگے کہ تیرے دشمن تیرے گرد مورچہ باندھ کر تجھے گھیر لیں گے۔ اور ہر طرف سے تنگ کرینگے اور تجھ کو اور تیرے بچوں کو جو تجھ میں ہیں زمین پر دے پٹکیں گے ۔ اور تجھ میں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ چھوڑینگے"۔

یہ علماء کہتے ہیں کہ اس قسم کے تفصیلی الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ انجیلِ سوم کی تصنیف سے پہلے یروشلیم تباہ ہوچکا تھا اور مقدس لوقا سیدنا مسیح کی زبانی وہ باتیں کہلواتا ہے جو رومی افواج نے دراصل ۷۰ء میں یروشلیم کو تباہ کرتے وقت اختیار کی تھیں۔ بالفاظ دیگر وہ مابعد کے واقعات کی روشنی میں سیدنا مسیح کی پیشین گوئی کی تشریح کرکے کہتا ہے کہ مقدس متی کے الفاظ اس اجاڑنے والی مکروہ چیز۔۔۔۔ کھڑا دیکھو) سے منجئی عالمین کا یہ مطلب تھاکہ " جب تم یروشلیم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو" اور وہ باتیں بتلاتا ہے جو رومی افواج نے یروشلیم کے محاصرہ کےوقت کی تھیں (۱۹: ۴۳)۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم فصلِ اوّل میں یہ دلیل دے چکے ہیں کہ کتاب رسولوں کے اعمال میں یروشلیم کی تباہی اورقوم یہود کی پراگندگی کا اشارہ تک موجود نہیں لہذا یہ کتاب اس واقعہ (۷۰ء) سے بہت پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔ اب اگر یہ ثابت ہوجائے کہ مقدس لوقا اپنی انجیل میں یرشلیم اوراہلِ یہود کی بربادی کا منظر بیان کرتا ہے توہمارا دعویٰ غلط ہوگا۔ پس ہم اس دلیل پر ہر پہلو سے غورکرکے انشاء اللہ یہ ثابت کردینگے کہ مقدس لوقا سیدنا مسیح کی پیشین گوئی کی مابعد کے واقعات کی روشنی میں تشریح نہیں کرتے:

(۱۔) پہلی تینوں انجیلیں اس ایک بات پر متفق ہیں کہ سیدنا مسیح کی زبانِ مبارک نے یروشلیم کی بربادی کی پیشین گوئی فرما کر کہا تھا کہ موجودہ نسل کے ہوتے ہوئے ان کی آنکھوں کے سامنے یہ واقعہ رونما ہوگا۔تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ تمام مسیحی ایمان داروں کو اس بات کا پکا یقین تھاکہ شہر یروشلیم تباہ ہوجائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مقدس لوقا کی انجیل لکھے جانے سے پہلے ہی سب ایماندار سیدنا

مسیح کی پیشینگوئی کے الفاظ کا یہی مطلب سمجھتے تھے کہ یروشلیم تباہ ہوجائے گا ۔ چنانچہ مقدس پولوس فرماتا ہے" یہودیوں نے سیدنا مسیح اورنبیوں کو بھی مار ڈالا اورہم کو ستا ستاکر نکال دیا۔وہ ہمیں غیر قوموں کو اُن کی نجات کے لئے کلام سنانے سے منع کرتے ہیں تاکہ ان کے گناہوں کا پیمانہ ہمیشہ بھرتا رہا ہے۔ لیکن ان پر انتہا کا غضب آگیا"۔ (۱۔تھسلنیکی ۲: ۱۶۵، نیز دیکھو رومیوں ۱۱: ۲۵)۔یہ الفاظ مقدس لوقا کی انجیل کے الفاظ (۲۱: ۲۲تا ۲۳) کی صدائے بازگشت ہیں اور۴۹ء میں یعنی یروشلیم کی تباہی سے اکیس سال پہلے لکھے گئے تھے۔ پس مسیح ایمان داروں کو کسی ایسی تشریح کی ضرورت نہیں تھی جو ۷۰ء کے واقعہ کی روشنی میں لکھی جاتی۔

تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ جب یروشلیم تباہ ہونے کے قریب ہوا تو تمام مسیحی حکمِ خداوندی کے مطابق (لوقا۲۰: ۲۱)۔ شہر یروشلیم کو چھوڑکر بھاگ گئے۔ بعض نے پہاڑوں میں جاکر پناہ لی اورباقی یردن پر شہر پیلا میں جابسے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یروشلیم کی تباہی سے پہلے انجیل لوقا اُن لوگوں کے ہاتھوں میں تھی اورایمانداروں نے سیدنا مسیح کے حکم کے مطابق سب کچھ کیا۔ اس موقعہ پر بے شمار یہود جو دیہات میں رہتے تھے بھاگ کر یروشلیم میں پناہ گزین ہوگئے جہاں اُن کی آمد کے سبب قحط پڑگیا[1] اوراہالیان یروشلیم کا حال بد سے بدتر ہوگیا۔

یہ دونوں تاریخی واقعات ثابت کردیتے ہیں کہ مقدس لوقا کے الفاظ" جب تم یروشلیم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو توجان لینا کہ اُس کا اُجڑ جانا نزدیک ہے"۔۷۰ء کے واقعات کی روشنی میں قلمبند نہیں کئے گئے تھے بلکہ مسیحی ایماندار واقعہ تباہی سے پہلے ہی اس بات سے واقف تھے یروشلیم کس طرح تباہ کیا جائیگا۔ اورجب وہ نشان ظاہر ہوئے تواُنہوں نے ارشادِ خداوندی کے مطابق عمل کیا۔پس انجیل لوقا یروشلیم کی تباہی سے پہلے احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔اگر مقدس لوقا نے بربادی کے واقعہ کے بعد لکھا ہوتا تو جن پہاڑوں میں مسیحی بھاگ گئے تھے ،اُن کا نام دیا ہوتا اورشہر پیلا کا بھی ذکر انجیل کی ان آیات میں[2] ملتا ۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس

---

[1] Eusebius Ecclesiastical History 3.C.5
[2] Ibid, 3,5,8.

مقام میں سیدنا مسیح کی آگاہی کے الفاظ کو واقعات کے مطابق تبدیل نہیں کیا گیا جس سے ثابت ہے کہ پیشین گوئی کے الفاظ واقعہ بربادی ۷۰ء سے بہت پہلے لکھے گئے تھے۔

(۲۔) پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقدس لوُقا نے سیدنا مسیح کی پیشین گوئی کے الفاظ کو (جو مرقس ۱۳: ۱۴ میں اس کے سامنے تھے) کیوں بدل کر ۲۱: ۲۰ کے الفاظ لکھ دئیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مقدس لوقا نے اپنی انجیل اُن مسیحیوں کو تعلیم دینے کی خاطر لکھی تھی جو غیر یہود سے منجئی عالمین کے قدموں میں آئے تھے (۱: ۱تا ۴) غیر یہود عبرانی محاورات اوریہودی مسائل معاد کی زبان سے قطعی ناآشنا تھے۔ پس وہ مرقس ۱۳: ۱۴ کے الفاظ " جب تم اس اُجاڑنے والی مکروہ چیز کو اس جگہ کھڑا ہوا دیکھو جہاں اُس کا کھڑا ہونا روا نہیں (پڑھنے والا سمجھ لے) اُس وقت ۔۔۔۔ الخ" کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ لہذا مقدس لوقا کے ان الفاظ کا ترجمہ عام فہم الفاظ میں کردیا اور لکھا " جب تم یروشلیم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو" ۔ یہ عام فہم ترجمہ ثابت نہیں کرتا کہ مقدس لوقا نے یہ الفاظ تباہی کے واقعہ کے بعد لکھے تھے۔

(۳۔) مقدس لوقا کے تفصیلی الفاظ (۱۹: ۴۳، ۴۴) سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ یروشلیم کی بربادی کے واقعہ کی روشنی میں لکھے گئے تھے ۔ پہلی نصف صدی (جیسا ہم گذشتہ باب بتلاچکے ہیں)ایک نہایت ہی پرآشوب زمانہ تھا۔ جس میں یہودی مورخ یوسیفس کے مطابق جنگ وجدل ہر سو ہوا کرتے تھے ۔ مقدس لوقا اُس سلوک سے بخوبی واقف تھے جو فاتح بالعموم مفتوح کے ساتھ کیا کرتے تھے اورجس کا ذکر ان دوآیات میں کیا گیاہے۔ یروشلیم کا شہر ۷۰ء میں پہلی دفعہ برباد نہیں ہوا تھا بلکہ سنِ عیسوی سے قبل ڈیڑھ سوسال کے عرصہ میں یہ شہر دو دفعہ تاراج ہوچکا تھا۔ دونوں موقعوں پر ہیکل کی بے حرمتی کی گئی تھی اورباشندوں کو قتل اورغارت اوربے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انٹی اوکس ایپی فینیزAntiochus Epiphanes نے تمام پچھلے ریکارڈ مات کرکے یروشلیم کو تہ وبالا کردیا تھا۔ پس مقدس لوقا جیسا فہم مورخ فاتحین کے سلوک سے بخوبی واقف تھا

اورجانتا تھا کہ جب سیدنا مسیح کے ارشاد کے موافق شہر تباہ ہوگا تو" دشمن اس کے گرد مورچہ باندھ کر گھیر لینگے اورہر طرف سے تنگ کرینگے اوراہالیان یروشلیم کو قتل کرینگے اوربچوں کو زمین پر دے پٹکیں گے۔ اوریروشلیم میں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ چھوڑینگے۔ اہل یہود تلوار کا لقمہ ہوجائیں گے اوراسیر ہوکر سب قوموں میں پہنچائے جائینگے اوریروشلیم غیر قوموں سے پامال ہوگی"(۱۹: ۴۳تا ۴۴۔ ۲۱: ۲۰تا ۲۴)۔ بفرضِ محال اگر مقدس لوقا دشمن کے سلوک سے واقف نہ بھی ہوتے توبھی اہلِ یہود کی کتُب (جن سے وہ کماحقہ واقف تھے) اُن کو بتلادیتیں کہ یہ سلوک کس قسم کا ہوگا۔ کیونکہ ان تمام تفصیلات کا ذکر ان میں موجود ہے(یرمیاہ ۲۰: ۴، استشنا ۲۸: ۶۴، ۱۔سلاطین ۸: ۴۶، یسعیاہ ۵: ۵، ۶۳: ۱۸ دانی ایل ۸: ۱۳، زکریا ۱۲: ۳، ۱۔مکابین۴: ۶۰، یسعیاہ ۲۹: ۳۔ ۳۷: ۳۳، یرمیاہ ۶: ۶ حزقی ایل ۴: ۲، زبور۱۳۷: ۹، ہوسیع ۱۳: ۱۶ وغیرہ۔

اس پیشینگوئی کے تمام تفصیلی الفاظ (جواس انجیل کے یونانی متن میں ہیں) یہودی کتُب مقدسہ کے یونانی ترجمہ سبعینہ (سیپٹواجنٹ) میں پائے جاتے ہیں۔ اوریہ یونانی الفاظ (جو پہلی تینوں انجیلیوں میں موجود ہیں)صرف اسی مقام سے مخصوص ہیں اورعہدِ جدید میں کسی دوسری جگہ نہیں پائے جاتے[1]۔

ہاں ۔ اگر کوئی شخص سرے سے اس بات کا انکارکردے اورکہے کہ آنخداوند میں معمولی فراست بھی نہیں تھی اوروہ یروشلیم کی بربادی کی پیش خبری دے سکتے تھے تو یہ اوربات ہے۔ ایسے اصحاب کی تسلی کے لئے ہم ایک اورتواریخی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جن سے اُن کی سمجھ میں آجائیگا کہ آنخداوند نے یروشلیم کی تباہی کی پیش خبری دی تھی۔اٹلی کا سیونیروالا Savanarola ایک مشہور مصلح گذرا ہے۔ اس نے ۱۴۹۶ء میں شہر روم کی تسخیر اورلوٹ مارکی پیشین گوئی جولگلے سال ۱۴۹۷ء میں چھپ کر شائع ہوگئی ۔ جس میں اس نے دیگر تفاصیل میں یہ بھی نبوت کی تھی کہ گرجا گھر اصطبل بنائے جائینگے۔ یہ پیشین گوئی ۱۵۲۷ء میں پوری ہوئی۔ناظرین کو یہ یادرکھنا چاہیے کہ یروشلیم کی تباہی ۷۰ء سے پہلے واقع ہوچکی تھی اوراہل یہود دشمنوں کے سلوک سے جوانہوں نے

---

[1] P.N.F.Young, The College St. Luke,p.344

ان کے شہر مقدس سے کیا واقف تھے اور قوتِ متخیلہ اس تباہی اس تباہی کی تفصیلوں سے کام لے سکتی تھی لیکن شہر روم کے ساتھ اس قسم کا موقعہ پہلے کبھی ہوا ہی نہ تھا اورنہ ۱۴۲۹ء میں کسی کے وہم وگمان میں آسکتا تھا کہ شہر روم کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائیگا۔جیسا فرانس کی افواج نے چارلس ہشتم کے زمانہ میں روم کے ساتھ روا رکھا[1]۔

(۴۔) اگر کوئی شخص یہ جاننا چاہے کہ سیدنا مسیح کی یہ پیشن گوئی کس طرح پوری ہوئی تو وہ یہودی مورخ یوسیفس کی کتُب کا مطالعہ کرے۔ یہ کتُب اس کی بہترین تفسیر اورتوضیح کرتی ہیں۔ اگر مقدس لوقا یہودی مورخ کی طرح یروشلیم کی بربادی کے بعد لکھتا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اس امر کا نہایت تفصیلی طورپر ذکر کرتا لیکن وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ صرف چارپانچ آیات میں دشمن کے سلوک کا مجمل طورپر ذکر کرتا ہے ۔ جس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ مقدس لوقا نے یہ باتیں بربادی کے واقعہ کے بعد نہیں لکھیں۔

یہ امر اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ مقدس لوقا نے (جیسا ہم اوپر کہہ چکے ہیں) یہودی مورخ کی کتب کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اگر اس کی کتُب آپ کی انجیل کا ماخذ ہوتیں تو آپ ان سے ان تفاصیل کو اخذ کرتے (بالخصوص ہیکل کے نذرِآتش ہونے کے واقعہ کو) جن سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ سیدنا مسیح کی پیشین گوئی نہایت شاندار طریقہ سے پوری ہوئی۔اس کے برعکس وہ آیہ زیرِ بحث میں (۲۱: ۲۰) انجیلِ اول کے الفاظ" مقدس مقام" اورانجیل دوم کے الفاظ" اس جگہ جہاں اس کا کھڑا ہونا روا نہیں"(متی ۲۴: ۱۵، مرقس ۱۳: ۱۴)چھوڑجاتے ہیں اورہیکل کے آگ لگنے کے واقعہ کو بالکل نظرانداز کردیتے ہیں۔

ہم نے ان علماء کی دلیل کی قدرے تفصیل کے ساتھ تنقیح وتنقید کی ہے۔ کیونکہ ان کے پاس یہی مضبوط ترین دلیل ہے جو ہمارے دعویٰ کو کہ اعمال کی کتاب ۶۰ء اور مقدس لوقا کی انجیل ۵۷ء کے قریب لکھی گئی غلط ثابت کرسکتی ہے۔ یہ دلیل درحقیقت اس قدر کمزور ہے کہ بشپ

---

[1] Dr.F.Blass, The Origin & Character of our Gospels. Exp. Times , May 1907. See also J.M.Creed, The Gospel according to St.Luke,(1930 p.XXIII)

گورجیسا محتاط نقادبھی کہتا ہے[1] ۔ کہ " اعمال کی کتاب کے ان مقامات (۲۱: ۲۰۔ ۱۸: ۳۴۳تا ۴۴) سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ مقدس لوقا نے اپنی تصنیفات کو ۷۰ء سے پہلے نہیں لکھا تھا"۔ بشپ لائٹ فٹ بھی کہتے ہیں کہ " میرے خیال میں یہ دلیل کمزورہے[2]۔

ان ہر دوعلماء کا یہ فیصلہ ہمارے نتیجہ کے لئے نہایت زوردار ہے کیونکہ دونوں عالموں کا یہ یقین ہے کہ اعمال کی کتاب اورانجیلِ سوم یروشلیم کی تباہی کے بعد لکھی گئی تھیں۔

(۲)

جو علماء مقدس لوقا کی انجیل کے لئے ۷۰ء تا ۸۰ء کا زمانہ تجویزکرتے ہیں اُن کی ایک اوردلیل یہ ہے کہ مقدس لوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھتے ہیں ۔ " چونکہ بہتوں نے اس پر کمرباندھی ہے کہ جوباتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب واربیان کریں۔۔۔۔ میں نے بھی مناسبت جاناکہ ان کو ترتیب سے لکھوں"(۱: ۱تا ۴)۔ یہ علماء کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ متعدد لوگوں نے منجئی عالمین کے حالات وتعلیمات کو قلمبند کیا تھا اوریہ رسالے مختلف مقامات کی مسیحی کلیسیاؤں میں رواج پاچکے تھے ۔ یہ رسالے مقدس لوقا کے ماخذوں میں سے بھی تھے۔ ان رسالوں کے مصنفوں او رمولفوں کے لئے سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات کی کھوج لگاکر اپنا مسالہ تیارکرنے ، ان کو ترتیب دے کر لکھنے ، اورپھر ان رسالوں کے مروج ہونے کے لئے ایک اچھی خاصی مدت چاہیے جوکم ازکم نصف صدی کی ہو[3]۔

(۱۔) لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ضرور ہے کہ ان رسالوں کے مسالہ کے جمع کرنے اوران کی تصنیف وتالیف اوررواج کےلئے نصف صدی کا طویل عرصہ متعین کیا جائے؟ کیا اس غرض کے لئے ایک پوری پشت اورربع صدی کا عرصہ کافی نہیں ہے؟

اس دلیل کے پیش کرنے والے اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ ابتدائی کلیسیا میں تین تاریخیں[4] یادگارتاریخیں

---

[1] Gore's New Commentary on N.T. p.234 Col a.
[2] J.B.Lightfoot, Smith's Dict of the Bible Vol1.Part1.p.40,Col.b.

[3] Sanday,Inspiration pp.278-80
[4] B.W.Bacon, "Their Growth and Conflict" in Outline of Christianity by Peake & Parsons Vol1.p.281.

شمار کی جاتی تھیں ۔اوّل ۳۰ء جب آنخداوند مصلوب ہوئے پھر" بارہ سال بعد" اگرپا کی ایذارسانی جس کی وجہ سے دوازدہ رسو ل منتر ہوگئے (۴۲ء) اورپھر پچیس برس بعد پطرس رسول کی شہادت (۶۷ء)۔ اس کے بعد ایک نیا دور شروع ہوتا ہے ۔ جب قدیم مسیحی کلیسیا کے خیال کے مطابق " شروع سے خود دیکھنے والوں اورکلام کے خادموں" کا زمانہ ختم ہو گیا تھا۔ انجیل کا سطحی مطالعہ بھی یہ ظاہر کردیتا ہے کہ یہ اس زمانہ میں نہیں لکھی گئی تھی جب ان چشم دید گواہوں کا زمانہ ختم ہوگیا تھا۔ بلکہ اس انجیل کی پہلی آیت کے الفاظ" ہمارے درمیان" ثابت کرتے ہیں کہ جو باتیں اس انجیل میں لکھی گئیں ، ان کے وقوع میں اور دقتِ تصنیف میں ستراسی کا سال کا وقفہ نہیں تھا ۔ ستراسی سال کی پُرانی باتوں کو" ہمارے درمیان" کی باتیں " نہیں کہا جاسکتا ۔

علاوہ ازیں اہلِ یہود کا ہر بالغ لکھا پڑھا ہوتا تھا۔ لیکن یہ علماء یہ فرض کرلیتے ہیں کہ سیدنا مسیح کے کلماتِ ہدایات آیات نہ تو حضرت کلمتہ اللہ کی حینِ حیات میں اورنہ آپ کی صلیبی موت کے تیس سال بعد تک احاطہ تحریر میں آئے اورکہ سیدنا مسیح کے مقدس رسولوں اور شاگردوں نے ایمان داروں کی لکھی پڑھی جماعتوں کو صرف زبانی تعلیم دی تھی جنہوں نے اس تعلیم کوسینہ بسینہ کم ازکم دوپشتوں تک دوسروں تک پہنچایا۔

ایک حد تک تو یہ درست ہے کہ منجئی عالمین نے اپنے بعد اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی کتاب نہ چھوڑی اورآپ کے بعد کچھ عرصہ تک رسول جا بجا آپ کی جانفزا تعلیم اور نجات کی بشارت ،ایمان داروں کو زبانی دیتے رہے۔ ہم نے اس رسالہ کے حصہ اول میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ پس ہم یہاں اس کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے۔ یہاں یہ کہنا کافی ہے کہ گو رسولوں نے اوراُن کے سامعین نے بھی دوسروں تک مسیحی نجات کا پیغام سینہ بسینہ ضرورپہنچایا تھا ۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی رسول یا ایماندار نے سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں آپ کے کلماتِ طیبات کو کبھی قلمبند ہی نہیں کیا تھا اور سالہسال تک مسیحی روایات صرف سینہ بسینہ ہی چلی آئیں۔ کیا عقل اس بات کو مان سکتی ہے کہ اگرچہ مسیحی کلیسیا کے یہود وغیر یہود

سب لکھے پڑھے اورخواندہ ممبر تھے۔ لیکن ایک پشت کے گزرنے پر یکایک متعدد ایمان داروں کو خیال آیا کہ منجئی جہان کی زندگی اورموت اورظفریاب قیامت کے واقعات کو قلمبند کرنا شروع کردیں۔ اورانہوں نے چھوٹے چھوٹے مختصر رسالے لکھے جو مختلف کلیسیاؤں میں مروج ہوگئے اورچالیس پچاس سال بعد جاکر اِن رسالوں سے موجودہ اناجیل اربعہ مرتب کی گئیں؟ اناجیل کے ماخذوں کی بحث میں ہم نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ تمام مضحکہ خیز مفروضات ازسرتاپا غلط ہیں۔

یہ عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود انجیل جلیل کا مجموعہ اس امر کا گواہ ہے کہ سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے بعد پہلے چالیس سال میں کلیسیا نے ایسا لٹریچر پیدا کردیا جس کا ثانی روئے زمین کے علمِ ادب کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ اُس وقت کے لکھے ہوئے مکتوبات وغیرہ قیامت تک لوگوں کے دلوں کو اپنی مقناطیسی کشش سے کھینچتے رہینگے۔ انجیلی مجموعہ کی کُتُب سے ثابت ہے کہ مسیحی علم وادب پہلی پُشت میں ہی بلوغت کے زمانہ کو پہنچ چکا تھا۔

کیونکہ تھسلنیکیوں کے خط۔ کرنتھیوں کے خط گلتیوں کا خط ، رومیوں کا خط ۴۹ء اور۵۴ء کے درمیان یعنی سیدنا مسیح کی صلیبی موت کے بعد پہلے چالیس سال ایسے نہ تھے کہ ان میں کسی نے ایک سطر بھی نہ لکھی ہو اورسیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات معجزات بینات اور مقدس حالات قطعی قلمبند نہ کئے گئے ہوں۔

ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ انجیلی مجموعہ کے خطوط میں سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات اورآپ کے کلماتِ ہدایت آیات کا صرف کہیں کہیں ذکر آتا ہے۔ یہ خطوط زیادہ تر پندونصائح پر اور سیدنا مسیح کی ذات، الوہیت اورشخصیت کے مسائل پر اورکلیسیاؤں کی تنظیم اوراُن کی مقامی مشکلات کے حل پر ہی مشتمل ہیں۔کیا یہ حیرانی کی بات نہیں کہ نومریدوں کو سیدنا مسیح کی ذات اور شخصیت کی نسبت تو تعلیم دی جائے لیکن جس بات پر تمام مسائل کا دارومدار ہے یعنی مسیح کی زندگی اورتعلیم اس کا ذکر ہی نہ کیا جائے ؟ یہ خاموشی صرف پولوس رسول ہی اختیار نہیں کرتے بلکہ مقدس پطرس مقدس یوحنا، مقدس

یعقوب ،عبرانیوں کے خط کا مصنف اوررسولوں کے اعمال کا مولف سب کے سب بلااستشنا خاموش ہیں۔ پس یہ خاموشی نہایت معنی خیز ہے ۔ جس سے ہم صرف یہی نتیجہ مستنبط کرسکتے ہیں کہ ان خطوطی کے لکھے جانے کے وقت کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں ایسے چھوٹے چھوٹے مختصر رسالے موجود تھے جن میں کلمتہ اللہ کی تعلیم یا آپ کے سوانحِ حیات یا دونوں درج تھے اورچونکہ یہ کلیسیائیں زبانی تعلیم اورتحریری رسالوں کے رواج کے سبب آنخداوند کی تعلیم اورزندگی سے واقف تھیں، لہذا انجیلی مجموعہ کے مذکورہ بالا مصنف اپنے خطوط اورتحریرات میں ان کے ذکر کا دہرانا ضروری خیال نہیں کرتے ۔ چنانچہ عبرانیوں کے خط کا مصنف اپنے مخاطبوں کو کہتا ہے۔" وقت کے خیال سے توتم کو استاد ہونا چاہیے تھا۔ مگراب تمہارا یہ حال ہے کہ تم کواس بات کی حاجت ہے ، کہ کوئی شخص خدا کے کلام کے ابتدائی اصُول اورکلمات کے عناصریا استفسارات تمہیں پھر سکھآئے ۔ سخت غذا کی جگہ تم کو دودھ پینے کی پھر حاجت پڑگئی۔ پس آؤ ہم مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتیں چھوڑ کرکمال کی طرف قدم بڑھائیں" (۵: ۱۲تا ۱۴)۔

اگرہم ان حالات کا مقابلہ موجودہ زمانہ کے تبلیغی کام سے کریں تویہ امر اور بھی واضح ہوجائیگا ۔ جو مسیحی اُستادگاؤں کی ناخواندہ کلیسیاؤں میں کام کرتے ہیں وہ ان کو صرف سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات ، معجزات اورتعلیمات کی نسبت ہی تعلیم دیتے ہیں تاکہ یہ ابتدائی باتیں ان کلیسیاؤں کے (جو اُن سے عموماً ناواقف ہوتی ہیں)ذہن نشین ہوجائیں۔ لیکن وہ اُن کے سامنے سیدنا مسیح کی ذات، الوہیت یا شخصیت پر بحث نہیں کرتے اورنہ اُن کے روبرو مسیحی عقائد کے فلسفیانہ پہلوؤں کو وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں ۔ کیونکہ بقولِ مصنف عبرانیاں" دودھ پینے والے کو راستبازی کے کلام کا تجربہ نہیں ہوتا۔اس لئے کہ وہ بچہ ہے اورسخت غذا پوری عمر والے کے لئے ہوتی ہے"(۵: ۱۳)۔ اس کے برعکس جو مبلغ شہروں کی خواندہ کلیسیاؤں میں کام کرتے ہیں وہ اپنی جماعتوں کے سامنے بالعموم مسیحیت کے عقائد پر ہی بحث کیا کرتے ہیں ۔ لیکن سیدنا

مسیح کے سوانح حیات کا کبھی کبھار ذکر کرتے ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ گاؤں کی کلیسیائیں ناخواندہ ہونے کے باعث اناجیل کے مطالعہ سے محروم ہیں اوروہ صرف ابتدائی باتوں ہی کو اپنے دماغ میں جگہ دے سکتی ہیں ۔ لیکن شہروں کی کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں اناجیل موجود ہیں جن کو پڑھ کر وہ ابتدائی امور سے واقف ہوتی ہیں۔پس ان کے سامنے عموماً مسیحیت کے عقائد اور فلفسیانہ پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے۔

پس قیاس یہی چاہتا ہے کہ جب مقدس پولوس نے یادیگر رسولوں ، استادوں اور بزرگوں نے اپنے خطوط اورتحریرات کو مختلف کلیسیاؤں کے ایمان کی استقامت کی خاطر لکھا تھا اُس زمانہ میں (جیسا ہم حصہ اوّل میں ثابت کرچکے ہیں) کلیسیاؤں کے درمیان چھوٹے چھوٹے مختصر رسالے مروج تھے ، جن میں سے کسی میں کلمتہ اللہ کی تعلیم کا۔کسی میں آپ کے معجزاتِ بینات کا ،کسی میں نبوتوں کے پورا ہونے کا اور کسی میں آپ کے سوانحِ حیات کا ذکر تھا(لوقا۱: ۱)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ منجئی عالمین کی صلیبی موت کے بیس سال کے اندر اس قسم کے رسالے مختلف کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں موجود تھے اوررواج پاکر اناجیل کے ماخذ بھی بن چکے تھے۔

پس ظاہر ہے کہ وہ علماء غلطی پرہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کے رسالے نصف صدی تک کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں نہیں تھے اوراس دعویٰ کی بنیاد پر مقدس لوقا کی انجیل کی تصنیف کے لئے ۷۰ء یا ۸۰ء کا دُوردراز زمانہ تجویز کرتے ہیں۔

فصل دوم

مسیحی اصطلاحات اورانجیلِ لوقا

ہم نے گذشتہ باب میں اعمال کے سنِ تصنیف کو مقرر کرنے کے لئے یہ دلیل بھی دی تھی کہ اس کتاب میں آنخداوند کے لئے اصطلاحی القاب استعمال نہیں ہوئے۔یہی حال مقدس لوقا کی انجیل کا ہے۔ اس انجیل میں آنخداوند کی ذات کی نسبت کوئی نظریہ قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس معاملہ میں مقدس لوقا کے وہی تصورات ہیں جو آپ کے ماخذوں

میں پائے جاتے ہیں[1]۔ اوران سے آگے انجیل کا مصنف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا۔ اس میں بنیادی تصوریہی ہے کہ یسوع ناصری ہی مسیح موعود ہے۔ عہدِ عتیق کی کُتب میں مسیح موعود کا خدا کے ساتھ بیٹے کاتعلق ہے۔ پس اناجیل متفقہ میں بعض اوقات یہ دونوں اصطلاحیں" مسیح" اور" ابن اللہ" ایک ہی مقام میں اکٹھی لکھی گئی ہیں (مرقس ۱۴: ۶۱، متی ۱۶: ۱۶) اوردونوں ہم معنی ہیں(لوقا ۴: ۴۱)۔ لیکن رفتہ رفتہ " خطاب" ابن اللہ" کا مطلب زیادہ وسیع ہوتا گیا" ۔ " مسیح" کا لفظ ہم خاص یعنی اسمِ معرفہ ہوگیا اورلفظ" ابن اللہ" کی اصطلاح آنخداوند کی ذات اورآپ کے خصوصی مقام کے لئے مخصوص ہوگئی جیسا مقدس پولوس کے خطوط سے ظاہر ہے۔ لیکن مقدس لوقا کی انجیل میں آنخداوند کے ازل سے ہونے کا کہیں ذکر چھوڑا شارہ بھی نہیں پایا جاتا ۔ اس انجیل کے خیالات ایک الگ سطح پر ہیں جس سے آگے وہ پرواز نہیں کرتے اورثابت کرتے ہیں کہ یہ انجیل کلیسیا کے ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہے۔ یہ ابتدائی زمانہ اوّلین منازل کا زمانہ تھا جس میں مقدس پولوس، مقدس یوحنا اوردیگرانجیل نویسوں کے تصورات ابھی تک روانی اورسیالی حالت میں ہی تھے اورٹھوس اورجامد نہیں ہوئے تھے ۔ عقائد کی عمارت کا قیام ابھی بہت دوُرتھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس انجیل میں " ابنِ آدم" کا خطاب موجود ہے لیکن ہر مقام میں یہ خطاب آنخداوند کی زبانِ حقیقت ترجمان پر ہی پایا جاتا ہے ۔ یہ تمام مقامات مقدس لوقا نے اپنے ماخذوں یعنی انجیلِ مرقس اوررسالہ کلمات سے اخذ کئے ہیں۔

یہ بات بھی درست ہے کہ اس انجیل میں یسوع ناصری کو" خداوند" کہا گیاہے۔ چنانچہ نائن کی بیوہ کے بیٹے کو زندہ کرنے کے بیان میں پہلی دفعہ لفظ یسوع کی بجائے لفظ" خداوند" استعمال کیا گیا ہے۔ (۷: ۱۳)۔ اس انجیل کے حسب ذیل مقامات میں یہ خطاب وارد ہوا ہے(۷: ۱۳، ۱۹۔ ۱۰: ۱۔ ۱۲: ۴۲۔ ۱۳: ۱۵۔ ۱۷: ۵، ۶۔ ۱۸: ۶۔ ۱۹: ۸۔ ۲۲: ۶۱) ان مقامات کا مطالعہ ظاہر کردیتا ہے کہ یہ وہ مقام ہیں جو مقدس لوقا نے دیگر ماخذوں سے حاصل کئے ہیں۔ بالخصوص

---

[1] Prof.J.M Creed, The Gospel according to St. Luke (1930) pp.LXXII-V

۱۹: ۳۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خداوند کے رسول اوردیگر ایمان دارمنجئی عالمین کی نسبت زبان سے کچھ بیان کرتے تھے تو وہ لفظ " خداوند" استعمال کرتے تھے(مقابلہ کرو ۱۔ کرنتھیوں ۱۶: ۲۲)۔ لیکن جب وہ آپ کی نسبت قلم سے کچھ لکھتے تھے تو وہ لفظ" یسوع" استعمال کرتے تھے۔ جس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اس انجیل میں جس جس مقام میں لفظ" خداوند" استعمال ہوا ہے وہ کسی نہ کسی چشم دید گواہ کا زبانی بیان ہے[1]۔

پس اس اندرونی شہادت سے بھی ثابت ہے کہ مقدس لوقا نے یہ انجیل کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ۵۵ء کے لگ بھگ تصنیف کی تھی۔

(۲)

مشہورنقاد ڈاکٹر بلاس نے اس مضمون پرایک معرکہ خیز مقالہ سپردِقلم کیا[2] ہے جس کا اردو ترجمہ ہم ناظرین کی خاطر ذیل میں درج کرتے ہیں۔آپ لکھتے ہیں:

" اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انجیل لوقا کب اور کہاں لکھی گئی ؟ جب تک رسول یروشلیم میں رہے تب تک یروشلیم اوریہودیہ میں ان واقعات کو ترتیب واراس موجودہ انجیل کی صورت میں قلمبند کرنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی تھی۔ مقدس لوقا اپنے دیباچہ میں صاف طورپر بتلاتا ہے کہ آپ اس انجیل کو لکھنے کے وقت یہودیہ میں تھے کیونکہ آپ لکھتے ہیں " جوباتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں" اور" جیسا کہ ان کو ہم تک پہنچایا ہے"۔ لفظ" ہمارے" اور" ہم" سے ظاہرہے کہ آپ یہودیہ میں تھے جہاں تھیوفلس نہیں تھا۔ جملہ" انہوں نے جو شروع سے خوددیکھنے والے اورکلام کے خادم تھے"۔ میں فعل ماضی "تھے" استعمال ہوا ہے نہ کہ فعل حال" ہیں"۔ پس اس انجیل کے مرتب ہونے کے وقت سیدنا مسیح کے رسول یروشلیم میں مقیم نہ تھے۔ فعلِ ماضی سے ہرگز مطلب نہیں کہ وہ فوت ہوچکے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دیگر مقامات میں تبلیغ کا فرض اداکررہے تھے تاکہ زمین کی انتہا تک گواہ ہوں(اعمال۱: ۸)۔ اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ جب مقدس پولوس آخری بار ۵۴ء میں

[1] Findlay, Gospel according to Luke p.12.
[2] Dr.F.Blass,"The Origin & Character of our Gospels. Exp. Times May1907

یروشلیم گئے تو وہاں کوئی رسول موجود نہ تھا۔ صرف سیدنا مسیح کے بھائی مقدس یعقوب ہی وہاں تھے ، جو وہاں کی کلیسیا کے سردار تھے(۲۱: ۱۷تا۱۸)۔ لیکن ۴۷ء میں جب مقدس پولوس وہاں گئے تھےتو رسول وہاں موجود تھے(اعمال ۱۵باب ، گلتیوں ۲: ۹) پس ۴۷ء اور۵۴ء کے درمیان مقدس یوحنا اورمقدس پطرس وہاں سے چلے گئے تھے۔ مقدس پولوس کے گلتیوں کے خط(۲: ۱۱الخ سے ظاہر ہے کہ مقدس پطرس کونسل کے بعد ہی یروشلیم سے غالباً ۴۷ء یا ۴۸ء کے اوائل میں چلے گئے تھے کیونکہ ۴۸ء میں مقدس پولوس اپنے دوسرے تبلیغی سفر کے لئے روانہ ہوگئے تھے ۔ پس اگر مقدس پطرس اوردیگر رسول ۴۸ء کے اوائل میں یروشلیم سے چلے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ انجیل کی ضرورت درپیش تھی جس میں تمام واقعات اورتعلیمات سلسلہ وار ترتیب سے مرتب ہوں۔ پس جو تذکرے یہودیہ کے متعلق ضبطِ تحریر میں آچکے تھے وہ ۴۸ء سے پہلے کے ہونے چاہئیں۔ اوردیگر صوبوں کے تحریر شدہ تذکرے اس تاریخ سے بہت پہلے ہونے چاہئیں۔کیونکہ ستیفنس کی موت کے بعد اوّلین مبلغین جنہوں نے انطاکیہ کا رخ کیا تھا وہ یونانی مائل یہود تھے ، جنہوں نے غیر یہود کی ایک بڑی تعداد کو مسیحیت کا حلقہ بگوش کرلیا تھا۔ لیکن یہ مبلغین سیدنا مسیح کے سوانحِ حیات کے چشم دید گواہ نہ تھے(اعمال ۱۱: ۱۹تا آخر)۔ پس یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے پاس تحریری تذکرے ضرورہوں گے ،گو ان کو وہ بیانات بھی یاد ہونگے جوکہ سینہ بسینہ چلے آئے تھے۔ پس پراگندگی کے زمانہ سے بہت پہلے سیدنا مسیح کے سوانح حیات وغیرہ قلمبند ہوچکے تھے۔مقدس پولوس کے پاس بھی اس قسم کے تذکرات تھے۔ یہ تحریری تذکرے نہ تو مکمل تھے اورنہ ترتیب وار مرتب کئے گئے تھے لیکن اب چونکہ ضرورت پیش آگئی تھی پس لوقا نے ترتیب وارچشم دید گواہوں کے تحریری اورزبانی بیانات کو مسلسل طورپر لکھا"۔

" اعمال کی کتاب سے اس نتیجہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ ۱۸: ۲۴تا آخر میں اپلوس کا ذکر آتا ہے جو سکندریہ سے افسس آیا تھا (آیت ۲۴)۔ وہ مسیحی تھا اوریسوع کی بابت صحیح صحیح تعلیم دیتا تھا مگر وہ صرف یوحنا ہی کے بپتسمہ سے واقف تھا"(آیت ۲۵)۔ یعنی اس کا مسیحی طریق

کے مطابق بپتسمہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے سکندریہ میں مسیحیت کی تعلیم غالباً ان سے حاصل کی تھی" جو لوگ اس مصیبت سے پراگندہ ہوگئے تھے جو ستیفنس کے باعث پڑی تھی(۱۱: ۱۰)۔ اَب قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر کسی مسیحی مبلغ نے اس کو بپتسمہ دیا ہوتا تو وہ مسیحی طریق بپتسمہ سے ضرور واقف ہوتا لیکن " وہ صرف یوحنا ہی کے بپتسمہ سے واقف تھا" ۔ لیکن یسوع کی بابت صحیح صحیح تعلیم دیتا تھا"۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اپلوس کسی ایسی کتاب کے ذریعہ سیدنا مسیح کے قدموں میں آیا تھا جو کسی مسیحی مبلغ نے اس کو سکندریہ میں پڑھنے کو دی تھی" یوحنا کے بپتسمہ" کا ہی ذکر تھا اور سیدنا مسیح کی بابت" صحیح صحیح تعلیم" درج تھی۔ یہ عین ممکن ہے کہ یہ انجیل مرقس کی انجیل ہو جو اس کو ۴۹ء سے پہلے سکندریہ میں دی گئی تھی اورجس کو پڑھ کر وہ جنابِ مسیح کا حلقہ بگوش ہوگیا تھا"۔

پسِ انجیل لوقا تب لکھی گئی تھی جب مقدس لوقا یہودیہ میں ہی تھے۔ آپ مقدس پولوس کے ساتھ یروشلیم میں آئے (اعمال ۲۱: ۱۵۔ الخ) یہ ۵۴ء کا واقعہ ہے۔ آپ نے ۵۶ء میں روم جانے سے پہلے ان دو سالوں کے دوران میں یہ انجیل لکھی"۔

انشاء اللہ ہم آئندہ باب میں ثابت کردینگے کہ انجیل مرقس ۴۰ء میں لکھی گئی تھی۔ پس ڈاکٹر بلاس کا نظریہ کہ اپلوس اس انجیل کو سکندریہ میں پڑھ کر ۴۹ء میں مسیحی ہوگئے تھے ، عین قرینِ قیاس ہے۔

پس مختلف قسم کی دلائل سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مقدس لوقا کی انجیل ۵۵ء اور ۵۷ء کے درمیان قیصریہ میں لکھی گئی تھی۔

فصلِ سوم
انجیل لوُقا کا سنِ تصنیف

اعمال کی کتاب اورمقدس پولوس کے خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقدس لوُقا نہ صرف رسول مقبول کے مونس غمخوار اور رفیق کا رتھے (کلسیوں ۴: ۱۴۔ ۲۔کرنتھیوں ۸: ۱۸۔ فلیمون ۲۴۔ ۲۔تموتھی ۴: ۱۱ وغیرہ) بلکہ ابتدا ہی سے ان کو یہ شوق دامنگیر تھا کہ منجئی عالمین کی زندگی کے واقعات اورآپ کے کلماتِ طیبات کی کھوج لگائیں۔ ان باتوں

کو معلوم کرنے کے لئے اُنہوں نے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہ کیا۔ انجیلِ سوم کا دیباچہ بتلاتا ہے کہ آپ اِس بات کے ہمیشہ جویاں رہے کہ ایسے لوگوں کا پتہ لگا کے ان سے ملاقات کریں" شروع سے دیکھنے والے" تھے۔ چنانچہ اس دارفتگی کی وجہ سے بالفاظ پولوس رسول مقدس لوقا کی" تعریف انجیل کے سبب سے تمام کلیسیاؤں میں ہوتی " تھی ۔ (۲۔کرنتھیوں ۸: ۱۸)۔

قیاس یہی چاہتا ہے کہ جس طرح مقدس لوقا نے پولوس رسول کی زندگی اور سفروں کے واقعات کی ایک ڈائری (روزنامچہ) بنا رکھی تھی اوربعد منی اس روزنامچہ سے کام لے کر اعمال کی کتاب کو لکھا تھا، (باب ۱۶، ۲۰، ۲۱، ۲۷، ۲۸)۔ اُسی طرح آپ نے اپنی انجیل کی تالیف سے پہلے ایک یادداشت تیار کی ہوگی۔ آپ جس جگہ بھی جاتے ہوں گے وہاں " شروع سے دیکھنے والوں" سے جو کلام کے خادم" تھے ملتے ہوں گے۔ مثلاً جب آپ انطاکیہ گئے ہونگے (جہاں آپ کی مقدس پولوس سے پہلے پہل ملاقات ہوئی تھی)تو وہاں کی مقامی کلیسیا کے لیڈروں اور"کلام کے خادموں" مقدس پطرس، مقدس برنباس مقدس سیلاس سے مل کر آپ نے سیدنا مسیح کے حالات معلوم کرکے قلمبند کرلئے ہوں گے کیونکہ اُن دنوں میں یرشلیم اورانطاکیہ میں آمدورفت کا سلسلہ عام تھا۔ اس جگہ ہیردویس کا رضاعی بھائی مینن بھی تھا، جس کی وساطت سے مقدس لوقا نے قابل قدر معلومات جمع کی ہوں گی۔ لیکن سب سے زیادہ ذخیرہ معلومات آپ نے یروشلیم سے جمع کیا ہوگا، جہاں کلیسیا کے مقتدر لیڈر مقیم تھے جو" شروع سے خوددیکھنے والے تھے"۔ پروفیسر ہارنیک کا خیال ہے کہ قیصریہ میں آپ فلپس کے گھر رہے، جو" ساتوں میں سے تھا"۔ اورجس کی " چارکنواری بیٹیاں نبوت کرتی تھیں "(اعمال ۲۱: ۸تا ۹)۔ اس سے مقدس لوقا نے سیدنا مسیح (ستر) مبشروں کو بھیجنے کا حال (لوقا ۱۰: ۱)۔ اورسامریہ کے واقعات سنے ہوں گے جن کا آپ کی انجیل میں ذکر ہے۔اس کی بیٹیوں نے آپ کو ان عورتوں کی نسبت بتلایا ہوگا جن کے ذکر سے یہ انجیل بھری پڑی ہے۔ بالخصوص ان کا جو اپنے مال سے سیدنا مسیح کی خدمت کرتی تھیں(۸: ۳)" ۔ ہیرودیس کے دیوان خوزہ کی بیوی لوانہ" کے ساتھ آپ کی ملاقات انطاکیہ

کے مناہیم کے ذریعہ (اعمال ۱۳: ۱) ہوئی ہوگی، جنہوں نے آپ کو اُن واقعات کا حال بتلایا ہوگا جن کا تعلق ہیرودیس اوراُس کے دربار کے ساتھ ہے۔ کیونکہ صرف آپ ہی کی انجیل میں یہ واقعہ مذکور ہے منجئی جہان کو ہیرودیس کے دربار میں لئے گئے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے آپ لفظ" ہیرودی" استعمال بھی نہیں کرتے (مرقس ۱۲: ۱۳، مقابلہ لوقا ۲۰: ۲۰ سے کرو) یوانہ نے آپ کو سیدنا مسیح ظفریاب قیامت کے بعد عورتوں کی دکھائی دینے کا حال بھی سنایا ہوگا (۲۴: ۱تا ۱۱)۔ یہ عین ممکن ہے کہ انہی عورتوں (لوقا ۸: ۳، اعمال ۲۱: ۹ وغیرہ) سے آپ نے منجئی عالمین اوریوحنا بپتسمہ دینے والے کی پیدائش کے حالات پائے ہوں۔ کیونکہ یہ حالات نسوانی نقطہ نگاہ سے لکھے ہوئے ہیں۔ اگر" شمعون جو کالا کہلاتا ہے "(اعمال ۱۳: ۱) وہی ہے جو انجیل میں "شمعون کرینی" کے نام سے مشہور ہے ، تو مقدس لوقا اس کو انطاکیہ میں ملے ہوں گے۔ صلیبی واقعات کو جاننے کے لئے اُس سے بہتر اورکوئی چشم دید گواہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ہم ان اُمورکا مفصل ذکر حصہ دوم کے باب سوم میں کرآئے ہیں لہذا ان کا یہاں اعادہ نہیں کرتے۔

قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مقدس لوقا نے فلپی کے مقام پر ۵۰ء میں مقدس پولوس کا ساتھ چھوڑا جاتا تھا آپ نے اس کے بعد کے چند سال سیدنا مسیح کے حالات کی کھوج لگانے میں صرف کئے تھے۔

پس ظاہر ہے کہ مقدس لوقا مختلف مقامات اور ذرائع سے اپنی انجیل کے لئے معلومات حاصل کرکے اُن کو اپنے روزنامچہ (ڈائری) اوریاد داشات کی کتاب میں درج کرلیتے تھے۔ پس آپ ایک مورخ کی حیثیت سے " سب باتوں کا سلسلہ شروع ہی سے ٹھیک ٹھیک دریافت " کرتے رہے تکہ بوقتِ فرصت ان کو" ترتیب " دے کرلکھیں۔

(۲)

متنازعہ فیہ سوال یہ ہے کہ مقدس لوُقا نے اس مسالہ کو(جو اُنہوں نے سالہسال کی جانکاہ محنت اوردوڑدھوپ کرکے جمع کیا تھا) کب ترتیب دے کر موجودہ انجیل سوم کی

صورت میں لکھا؟ اس سوال کے مختلف جواب دئے جاتے ہیں:

(۱۔) بعض علماء کہتے ہیں کہ مقدس لوقا نے اس تمام مسالے کو اس زمانہ میں جمع کیا تھا جب آپ ۵۷ء یا ۵۸ء اور ۶۰ء کے درمیانی عرصہ میں مقدس پولوس کے ساتھ روم میں مقیم تھے۔ پھر ۷۰ء اور ۸۰ء کے درمیان آپ نے اس مسالہ کو ترتیب دے کر موجودہ انجیل کی صورت میں شائع کیا۔ لیکن ہم نے ثابت کردیا ہے کہ مقدس لوقا نے اپنا دوسرا رسالہ یعنی اعمال کی کتاب اُن ایام (۶۰ء) میں لکھا تھا۔ پس انہوں نے اپنا پہلا رسالہ اس سے چند سال قبل لکھا ہوگا۔

علاوہ ازیں مقدس لوقا ابتدا ہی سے اس بات کے خواہاں تھے کہ " سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ان کو ترتیب واربیان" کریں اس غرض کے لئے وہ ہرممکن طورپر کوشش کرتے رہے کہ ایسے لوگوں سے خود ملاقات کریں" جو شروع سے خود دیکھنے والے اورکلام کے خادم تھے" چنانچہ انہی والہانہ اوربے غرضانہ کوششوں کی وجہ سے بالفاظ پولوس رسول اُن کی " تعریف تمام کلیسیاؤں میں ہوتی تھی " (۲۔کرنتھیوں۸: ۱۸)۔ مقدس رسول کے یہ الفاظ (۵۴ء) میں لکھے گئے تھے[1]۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ۵۴ء تک اس قابل مصنف کی اُن تھک کوششوں نے ہر مقام کی کلیسیا میں دوڑ دھوپ کرکے کافی مسالہ جمع کرلیا تھا۔ اگریہ نتیجہ درست ہے توپھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بقول ان علماء کے سولہ سال اوربقول دیگر علماء پچیس سال مقدس لوقا کیوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے؟ پس ہمارے خیال میں انجیل سوم کا ۷۰ء اور ۸۰ء کے درمیان لکھا جانا بعید از قیاس امر ہے۔

(۲۔)مرحوم ڈاکٹر سٹریٹر Dr. Strater کا خیال ہے[2] کہ مقدس لوقا نے ان دوسالوں میں جو آپ نے قیصریہ میں مقدس پولوس کے ساتھ کاٹے اپنا مسالہ جمع کیا اورمقدس پولوس کی شہادت کے بعد آپ نے اپنی انجیل کا پہلا ایڈیشن شائع کیا جو صرف حلقہ احباب کے لئے ہی مخصوص تھا۔ اس زمانہ کے بعد جب انجیل مرقس لکھی گئی تب آپ نے اس انجیل کے چند حصص کو اپنے پہلے ایڈیشن میں شامل

---

[1] Rackham, Acts CXV.
[2] Streeter, The Four Gospels pp. 218-19

کرکے انجیل سوم کو اس کی موجودہ صورت میں لکھ کر عام مسیحیوں کے فائدہ کے لئے شائع کیا۔لیکن اس نظریہ کو قبول کرنے سے پہلے یہ لازم آتا ہے کہ ہم دوباتیں قبول کریں۔ اوّل یہ کہ کتاب اعمال الرسل کم ازکم ۸۰ء سے پہلے نہیں لکھی گئی تھی[1] اور دوم یہ کہ مقدس مرقس کی انجیل ۷۰ء کے قریب لکھی گئی۔ ہم نے گذشتہ باب میں یہ ثابت کردیا ہے کہ پہلی بات قابلِ قبول نہیں ہے اور انشاء اللہ ہم آگے چل کر یہ ثابت کردینگے کہ مقدس مرقس کی انجیل ۷۰ء سے بہت پہلے لکھی گئی تھی۔ پس ڈاکٹر مرحوم کی تاریخ تصنیف ہمارے نزدیک قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ ہم حصہ دوم کے باب سوم کی فصل اول میں ثابت کر آئے ہیں کہ ڈاکٹر سٹریٹر کا نظریہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

(۳)

پہلی صدی کے واقعات کا تاریخ وارسلسلہ واقعات کا نقشہ بنانا ایک نہایت دشوار امر ہے۔ مختلف علماء مختلف واقعات کے لئے مختلف اوقات اورسن تجویز کرتے ہیں۔ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ مقدس پولوس کے کرنتھیوں کے دوسرے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۴ء تک مقدس لوقا نے اپنا مسالہ جمع کرلیا تھا جب وہ اس سال کرنتھ بھیجے گئے تھے۔ ۵۵ء میں عید فسح کے موقعہ پر مقدس پولوس یروشلیم آئے اورآپ قید ہوکر قیصریہ بھیج دئے گئے جہاں آپ دوسال ۵۵ء سے ۵۷ء کے موسمِ گرما کے آخر تک قید رہے اورپھر وہاں سے روم بھیجے گئے جہاں آپ ۵۸ء کے موسمِ بہار میں پہنچے۔ اور ۶۰ء تک زیرنگرانی رہے[2]۔

اگر ہم سلسلہ واقعات کی مندرجہ بالا تاریخوں کو قبول کرلیں ۵۵ء میں مقدس پولوس قیصریہ میں لائے گئے جہاں آپ کامل دوسال حراست میں رہے۔ قیصریہ پہلی جگہ تھی جہاں مقدس پطرس نے کرنیلس کو بپتسمہ دے کر مسیحیت کا حلقہ بگوش کیا تھا(اعمال ۱۰باب) پس وہ گویا غیریہودی کلیسیاؤں کی ماں تھی اورمقدس فلپس اپنی بیٹیوں کے ساتھ یہیں مقیم بھی تھے۔ مقدس پولوس کی قید سخت نہ تھی۔ پس قیصریہ کی مسیحی کلیسیا کے شرکاء آپ کے پاس

---

[1] Ibid p.218

[2] Rackham, Acts p.CXV.

آتے جاتے رہتے تھے۔ مقدس لوقا اور ارسترخس آپ کے ساتھ تھے (اعمال ۲۷: ۱ تا ۲)۔ مقدس لوقا کو سوائے رسول مقبول کی حاضر باشی کے اورکوئی خاص کام بھی نہ تھا۔پس اغلب یہ ہے کہ آپ نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر یہ دوسال انجیل سوم کی تالیف وترتیب میں صرف کئے۔آپ کو یہ احساس تھاکہ رومی یونانی دنیا کو اورمسیحی کلیسیادونوں کو ایسی کتاب کی ضرورت ہے جس میں منجئی عالمین کی تعلیم اورزندگی کا " ترتیب وارذکرہو۔ ایشیا،آخیہ اورمقدونیہ کی کلیسیائیں اب مقدس پولوس کے قید ہونے کی وجہ سے گویا یتیم ہورہی تھیں۔اورکوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مقدمہ کا انجام کیا ہوگا۔ ان کلیسیاؤں کو اس بات کی فوری ضرورت تھی کہ ان کے ہاتھوں میں ایک ایسی مستند کتاب ہو جس میں سیدنا مسیح کی تعلیم اورسوانحِ حیات دونوں کا مفصل ذکرہو۔ پس مقدس لوقا نے اس فرصت کے وقت کو غنیمت سمجھا اورکمر ہمت باندھ کر پنے روزنامچے۔ یادداشت اور دیگر ماخذوں سے اوربالخصوص انجیلِ مرقس سے کام لے کر سب واقعات کو ترتیب دے کراپنی انجیل کولکھا۔

پس مقدس لوقا کی انجیل ۵۵ء اور ۵۷ء کے درمیان یعنی صلیبی واقعہ کے صرف قریباً پچیس سال بمقام قیصریہ لکھی گئی ۔

باب سوم

تاریخِ تصنیف انجیلِ مرقس

فصل اوّل

انجیلِ مرقس کا پسِ منظر

دورِحاضرہ میں مغربی کلیسیاؤں کے علماء بالعموم یہی خیال پیش کرتے ہیں کہ مقدس مرقس نے انجیل دوم کو ۷۰ء کے قریب لکھا تھا۔ اس سوال کا میں گذشتہ تیس سال سے مطالعہ کررہا ہوں اورجتنا میں اناجیلِ اربعہ کی تاریخ تصنیف پر غورکرتا ہوں اُتنا ہی مجھ کویقین ہوتا جاتا ہے کہ مغربی علماء کی تاریخیں غلط ہیں اورموجودہ اناجیل اربعہ اس تاریخ سے کم ازکم ایک ربع صدی یعنی پچیس سال پیشتر لکھی گئی تھیں۔ اوراوّلین انجیل یعنی انجیلِ مرقس منجئی

عالمین کی صلیبی موت کے صرف دس سال بعد احاطہ تحریر میں آگئی تھی۔

سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت اورجلالی صعود کے بعد جب روح القدس کا نزول ہوا تو رسولوں اور تمام دیگر صحابہ اورشاگردوں کے مردہ دلوں میں وُہی زندگی دوبارہ عود کر آئی جو وہ حضرت ابن اللہ کی فیضانِ صحبت کی وجہ سے اپنے اندر رکھتے تھے۔ ہم حصہ اوّل میں بتلاچکے ہیں کہ رسولوں نے شروع شروع میں گناہوں سے نجات حاصل کرنے کی خوشخبری (انجیل) کو زبانی سنایا۔ ان کی منادی کا ماحصل یہ تھا کہ ہر شخص منجئی جہاں پر ایمان لائے، توبہ کرے اورگناہوں کی معافی حاصل کرنے کے لئے سیدنا مسیح کے نام پر بپتسمہ لے(اعمال۲: ۲۲تا ۴۰)۔ وہ کہتے تھے کہ یہ نجات شریعت کے احکام پر کامل طور سے عمل کرنے کے ذریعہ نہیں ملتی بلکہ صرف سیدنا مسیح پر ایمان لانے سے ملتی ہے۔ پس آنخداوند کی زندگی، موت، قیامت اورصعودِ آسمانی کے واقعات کو ابتدا ہی سے اسی نکتہ نگاہ سے دیکھا گیا۔ پس ان واقعات کا بیان اوران کی تاویل وتشریح ابتدا ہی سے رسولوں کی منادی کا جزوِاعظم تھے۔ سیدنا مسیح کی زندگی کے واقعات اسی ایک مقصد کے تحت بتائے جاتے تھے اوران کا ذکر اسی تاویل کے تحت کیا جاتا تھا(اعمال۱۰: ۳۸تا ۴۳)اوراسی ایک وجہ کے باعث ان واقعات نے اناجیل اربعہ میں جگہ بھی پائی۔ حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم، آپ کی مبارک زندگی کے واقعات ،آپ کا عوام الناس میں نیکی کے کام کرنا، لوگوں کو معجزانہ طورپر شفادینا اوردیگر خوارقِ عادت واقعات کے ذکر کا مطلب یہ نہیں تھا کہ آپ کی کوئی سوانح عمری لکھی جائے بلکہ یہ باتیں اسی ایک مقصد کے تحت چاروں انجیل نویسوں نے اپنے اپنے خیال، مقصد، نظریہ اورمطلب کے مطابق قلمبند کیں(یوحنا ۲۱: ۲۵)۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ رسولوں کے اعمال کی کتاب کے پہلے حصہ (ابواب ۱۔ ۱۳) میں سیدنا مسیح کے رسول منجئی عالمین کی صلیبی موت اورفتح یاب قیامت پر زوردیتے ہیں (۲: ۲۲، ۴۰۔ ۳: ۱۳تا ۲۵۔ ۴: ۲تا۱۲۔ ۵: ۲۸تا ۳۲۔ ۷: ۵۱تا ۵۳۔ ۸: ۳۲تا ۳۹۔ ۱۰: ۳۷تا ۴۳۔ ۱۳: ۲۷تا ۳۹ وغیرہ)۔ ابتدا میں ہر مرید کو شروع ہی سے اس ایک بات کی تعلیم دی جاتی

تھی کہ " مسیح کتاب مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے موا اوردفن ہوا اورتیسرے دن کتابِ مقدس کے مطابق جی اٹھا"(۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۳، ۴) اس حقیقت کو ہم پہلے حصہ کے باب سوم میں واضح کرچکے ہیں۔ ابتدائی " منادی" کے عین مطابق انجیل مرقس میں بھی صلیب کو مرکزی جگہ دی گی ہے۔ ایک مصنف نے خوب کہا ہے کہ انجیل مرقس کا پہلا حصہ صرف دیباچہ ہے۔ اوراصل کتاب میں صلیب کا بیان ہے۔ چنانچہ اُردو ایڈیشن میں اس انجیل میں آنخداوند کی سہ سالہ خدمت کا بیان صرف سولہ صفحوں پر مشتمل ہے۔ لیکن آپ کی زندگی کے صرف ایک آخری ہفتہ کا بیان بیس صفحوں پر مشتمل ہے۔ مقدس مرقس کا اصل مقصدیہ تھا کہ آپ ایک ایسا مختصر رسالہ لکھیں جس میں یہ ثابت ہو کہ سیدنا مسیح ہی مسیح موعود اورابن اللہ تھے جن کو صلیب پر مرنا ضرورتھا ۔ پس صلیبی واقعہ اس انجیل کا مرکز ہے جس کے گرد تمام واقعات اوربیانات گھومتے ہیں۔ چنانچہ مقدس مرقس اپنی انجیل کے پہلے سولہ صفحوں میں پندرہ واقعات کا ذکر کرتے ہیں[1]۔ جن کا تعلق مسیح کی مخالفت کے ساتھ ہے اورجن کا لازمی نتیجہ صلیبی واقعہ ہوا (۲: ۱تا ۳: ۶۔ ۳: ۲۲۔ ۳۰۔ ۷: ۵۔ ۱۳۔ ۸: ۱۱تا۱۲۔ ۹: ۱۱تا ۱۳۔ ۱۰: ۲تا ۱۲۔ ۱۱: ۲۷تا ۳۳۔ ۱۲: ۱۳تا ۴۰)۔ انجیل نویس ان واقعات کو دوٹکڑوں میں یکجا جمع کرتا ہے اورپہلے ٹکڑے کے آخری الفاظ میں" پھر فریسی نے فی الفور باہر جاکر ہیرودیوں کے ساتھ اس کے برخلاف مشورہ کرنے لگے کہ اسے کس طرح ہلاک کریں"(۳: ۶)۔ اوردوسرے ٹکڑے کے آخر میں لکھتا ہے" پھر کسی مخالف نے اس سے سوال کرنے کی جرات نہ کی"(۱۲: ۳۴)۔

یہ پندرہ واقعات جو درحقیقت صلیبی واقعہ کا دیباچہ ہیں حسب ذیل ہیں:

(۱۔) شفا دینے کا واقعہ (۲: ۱تا ۱۲)۔ (۲۔) گنہگاروں کے ساتھ کھانا (۲: ۱۳تا ۱۷۔ (۳۔) روزہ رکھنے کا سوال(۲: ۱۸تا ۲۲)۔ (۴۔) سبت کے احترام کا سوال (۲: ۲۳تا ۳: ۶) (۵۔) مسیح کی قوت کا سرچشمہ (۳: ۲۲تا ۳۰)۔ (۶۔) بزرگوں کی

1

روایات کا سوال (۷: ۵تا ۱۳)۔(۷۔) نشان طلب کرنا (۸: ۱۱تا ۱۲)۔ ایلیاہ کا آنا (۹: ۱۱تا ۱۳)۔ (۹۔) طلاق کا سوال (۱۰: ۲تا ۹) (۱۰۔) یسوع کے اختیار کے بارے میں سوال (۱۱: ۲۷تا ۳۳)۔ (۱۱۔) جزیہ دینے کا سوال (۱۲: ۱۳تا ۱۷)۔ (۱۲۔) قیامت کا مسئلہ (۱۲: ۱۸تا ۲۵)۔ (۱۳۔) اولین حکم (۱۲: ۲۸تا ۳۴)۔ (۱۴۔)مسیح کے ابنِ داؤد ہونے کا سوال (۱۲: ۳۵تا ۳۷)۔ (۱۵۔) فقہیوں کی روحانی کمزوری کا الزام ۱۲: ۳۸تا ۴۰۔

ان ابتدائی بیانات میں انجیل نویس نے ذیل کے چھوٹے چھوٹے واقعات کے سات مجموعے شامل کئے ہیں: (۱۔) کفر نحوم میں ایک دن کی ڈائری (۱: ۲۱تا ۳۹)۔ (۲۔) تمثیلیں ۴: ۱تا ۳۴۔ (۳۔) بارہ رسولوں کا بلاوا اورتقرر (۱: ۱۶تا ۲۰۔ ۳: ۱۳تا ۱۹۔ ۶: ۷تا ۱۳ وغیرہ)۔ (۴۔) گلیل کے شمالی حصے کے سفر (۶: ۲۴۔ ۷: ۳۷، ۸: ۱تا ۲۶)۔(۵۔) صلیب کی شاہراہ (۸: ۲۷۔ ۱۰: ۴۵)۔ (۶۔) یروشلیم کو سفر ۱۰: ۱۔ ۱۰: ۴۶تا ۵۲۔ ۱۱: ۱تا ۲۴۔ (۷۔) مصیبتوں کا آنا (۱۳باب)۔

ہم نے سطوربالا میں ذرا تفصیل سے کام لیا ہے تاکہ ناظرین کے یہ ذہن نشین ہوجائے کہ انجیل مرقس کا مرکز صلیبی واقعہ ہے۔ اس انجیل کے پہلے حصہ میں حضرت کلمتہ اللہ کے بعض کلماتِ طیبات بھی ہیں جو اُس تحریری مجموعہ " رسالہ کلمات" میں سے اخذ کئے گئے تھے جو آنخداوند کی حینِ حیات میں لکھا گیا تھا۔ ان کے علاوہ چودہ ایسے مقامات ہیں جو" ابنِ آدم" کے سوال سے متعلق ہیں، جن میں سے سات مقامات انجیل کے اس حصہ سے متعلق ہیں جس کو ہم نے اُوپر" صلیب کی شاہراہ" کے نام سے موسوم کیا ہے جس میں منجئی عالمین تین باراپنے مصلوب ہونے کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ کیونکہ مقدس پولوس اورابتدائی ایام کے دیگر" اُستادوں" کی طرح مقدس مرقس بھی اس ایک معمہ کو حل کرنا چاہتے ہیں کہ جلالی ابنِ آدم نے اپنے آپ کو پسندکردیا یہاں تک کہ اُس نے صلیبی موت گوارا کی۔ یہ چودہ مقامات حسب ذیل ہیں : ۲: ۱۰۔ ۲: ۲۸۔ اس کے بعد سات مقامات کا تعلق " صلیب کی شاہراہ" کے حصہ سے ہے(یعنی ۸: ۳۱، ۸: ۳۵، ۹: ۹۔ ۹: ۱۲۔ ۹: ۳۱۔ ۱۰: ۳۳۔ ۱۰: ۴۵) ان کے بعد پانچ باقی ماندہ مقامات حسب ذیل ہیں :۱۳: ۲۶۔ ۱۴: ۲۱ دو دفعہ ۔ ۱۴: ۴۱۔ ۱۴: ۶۲۔

پس ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا کہ مقدس مرقس کی انجیل کا مرکز صلیبی واقعہ ہے۔ (باب ۱۴، ۱۵) جس سے پہلے تمہید کے طورپر اُن پندرہ واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ، جو یہود کے ساتھ تصادم کا باعث تھے۔ چند ایک مقامات میں حضرت کلمتہ اللہ کی تعلیم کا بطور مشُتے نمونہ ازخروارے ذکر کیا گیا ہے تاکہ انجیل کے پڑھنے والے پر عیاں ہوجائے کہ اس قسم کی تعلیم کا اورفقہیوں اورفریسیوں کی تعلیم کا تصادم ایک ناگزیز امر تھا(۱: ۲۷)۔ پس انجیل مرقس کا اصل مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ منجئی عالمین کی صلیبی موت کوئی اتفاقیہ امر نہ تھا جو آپ کی قسمت میں مقدرہو۔بلکہ آپ اس دنیا میں قربان ہونے ہی ک خاطر آئے تھے اورآپ نے اُس موت کوبرضاء ورغبتِ خود قبول فرمایا تھا جس سے خدا کا مقصد پورا ہوا اوردنیا کونجات ملی (۸: ۳۱۔ ۹: ۱۲، ۱۳۔ ۱۰: ۳۳۔ ۱۴: ۲۱، ۳۶۔ انجیل نویس نے اس بنیادی امر کو ابتدا ہی سے پیشِ نظر رکھا اوراسی مقصد کے تحت اُس نے اپنے مسالہ کو ترتیب دی۔

(۲)

ہم حصہ اوّل کے باب سوم میں بتلاچکے ہیں کہ مسیحیت کے آغاز ہی سے ایک سوال سب کی زبان پر تھا۔ یہود اورغیر یہود مسیحی اورغیر مسیحی ، سب یہ پوچھتے تھے کہ اگر سیدنا عیسیٰ فی الواقع مسیح موعود تھے تو آپ کیوں مصلوب کئے گئے ؟ صلیب اورمسیحِ موعود کا تصوردونوں متضاد باتیں سمجھی جاتیں تھیں(متی ۱۶باب)صلیب یہودیوں اورغیر یہودیوں کے لئے ٹھوکر اورمضحکہ خیز بات تھی (گلتیوں ۵: ۱۱) پس ہرجانب سے کلیسیا کے مبلغین پر اس سوال کی بوچھاڑ ہوتی تھی کہ اگر یسوع فی الحقیقت مسیح موعود تھے توآپ کا انجام صلیب پرکیوں ہوا؟

مقدس مرقس نے اس سوال کا جواب دینے کے لئے اپنی انجیل تصنیف کی ۔ اس سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

(۱۔)اہلِ یہود کے لیڈروں نے " حسد کے مارے " سیدنا مسیح کو پلاطوس کے حوالے کیا تھا(۵: ۱۰)۔ کیونکہ اُن میں اورسیدنا مسیح میں باربار مختلف اُمور کے متعلق (جن

کی مقدس مرقس چند مثالیں بھی دیتے ہیں) باہمی تصادم ہوا تھا اورہر موقعہ پر وہ بحث میں ہارگئے تھے اورلیڈروں کی تمام کوششوں کے باوجود عوام الناس جوق درجوق سیدنا مسیح کے پیرو ہوتے جاتے تھے۔

(۲۔) سیدنا مسیح نے برضا ورغبتِ خو داپنی جان دی تاکہ " بہتیروں کے بدلے فدیہ ہو" (۱۰: ۴۵، ۱۴: ۲۴۔ مقابلہ کرویوحنا ۱۰: ۱۸)۔

(۳۔) مسیح موعود کے حق میں انبیاء اللہ نے پیشینگوئیاں کی تھیں کہ وہ قوم کی خاطر جان دیگا۔(۸: ۳۱۔ ۹: ۱۲تا ۳۱۔ ۱۰: ۳۳۔ ۱۴: ۲۱، ۳۶)۔ مسیح موعود کی زندگی کا آخراورانجام صلیب پر ہونا تھا کیونکہ رضائے الہیٰ یہ تھی کہ مسیح موعود اسی طرح اپنی جان دے۔

ان جوابات کی وجہ سے مرقس میں صلیب کو (جیسا ہم بتلاچکے ہیں) مرکزی جگہ حاصل ہے۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب سے ظاہر ہے کہ رسولوں کے وعظ اورمنادی میں صلیب کو شروع ہی سے مرکزی جگہ دی گئی ہے۔ رسول باربار مذکورہ بالا سوال کا اپنی تقریروں میں جواب دیتے ہیں۔ مقدس پولوس کی تحریرات میں بھی مسیح مصلوب کے تصور کو مرکزی جگہ حاصل ہے(گلتیوں ۳: ۱۔ ۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۱تا ۴۔ فلپیوں ۲: ۶تا ۱۱ وغیرہ) مقدس پطرس کی منادی بھی صلیب کی منادی ہے (اعمال ۱۰: ۳۷تا ۴۳)۔

یہ سوال اور دوازدہ رسولوں کے جوابات، سب کے سب کلیسیا کی زندگی کے اوّلین اورابتدائی دور سے متعلق ہیں، جب مسیحیت کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا۔پس انجیلِ مرقس اُس زمانہ میں تصنیف کی گئی تھی جب مذکورہ بالا سوال، یہود اورغیر یہود ، مسیحی اورغیر مسیحی گروہوں کی زبان پر تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ زمانہ ۷۰ء کا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مسیحیت کا آغاز کا زمانہ ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ انجیل منجئ عالمین کی صلیبی موت کے صرف چند سال بعد ہی لکھی گئی تھی۔

لیکن صلیبِ کا واقعہ آنخداوند کی زندگی کا انجام نہیں تھا بلکہ یہ واقعہ آنخداوند کی ظفریاب قیامت اور صعودِ آسمانی کے واقعات کے ساتھ لازم وملزوم کی کڑی میں بطور ایک کامل زنجیر کے وابستہ تھا۔سیدنا مسیح کی قیامت نے ثابت کردیا ہے کہ یسوع فی الحقیقت جلالی مسیح موعود تھا

جس نے موت کے بندھنوں کو توڑا۔ ابن اللہ کا مردوں میں سے جی اٹھنا محض کسی قسم کا سا نہ تھا جیسا نائن کی بیوہ کے بیٹے کا یا لعزر کے قبر سے دوبارہ نکل آنے کا واقعہ تھا۔ یہ اور دیگر مُردے جن کو آنخداوند نے اپنی اعجازی طاقت سے زندہ کیا تھا دوبارہ مرگئے تھے لیکن انجیل نویس کے مطابق سیدنا مسیح کا مُردوں میں سے زندہ ہونا آپ کے جلالی مسیحائی مرتبہ کا ثبوت تھا۔ آپ کی ظفریاب قیامت نے عال اورعالمیان پر واضح کردیا کہ سیدنا مسیح فی الحقیقت مسیح موعود تھے۔ یہ واقعہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ آپ ابنِ آدم تھے جو آسمان سے اُترے تھے تاکہ اپنی زندگی اور موت کے وسیلے زمین کے رہنے والوں کو ابدی نجات عطا کریں۔ پس انجیل مرقس کے مطابق منجئ جہاں کی ظفریاب قیامت اور صعودِ آسمانی آپ کی مسیحائی کے ثبوت کے آخری اور زبردست کڑیاں ہیں۔ مقدس پولوس کی تقریروں اورتحریروں سے یہی اُمورواضح ہوجاتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مقدس پولوس رسول انجیل مرقس ے بخوبی واقف تھے۔ دیکھو مرقس ۱: ۱تا ۱۲۔ اعمال ۱۳: ۲۴، ۱۹: ۴ وغیرہ)۔ پسدیہ

کے انطاکیہ والی تقریر سے ثابت ہے کہ مقدس پولوس ۴۶ء سے پہلے انجیل مرقس سے واقف تھے۔ یہی بات مرقس ۶: ۱۱ اور اعمال ۱۳: ۵۱ کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوجاتی ہے۔

یہ اُمورنہ صرف مقدس مرقس کی انجیل سے ہی ظاہر ہے بلکہ اعمال کی کتاب کے ابتدائی ابواب بھی ثابت کرتے ہیں کہ تمام رسول۔ اسی ایک تعلیم پر متفق تھے ۔ اورسب رسولوں اورمبلغوں کی منادی کا ماحصل یہی تھا (رومیوں ۱: ۱تا ۴۔ ۶: ۹تا ۱۱۔ اعمال ۲: ۳۲تا ۳۳۔ ۵: ۳۱ وغیرہ)۔ یہی تعلیم ابتدائی زمانہ میں ہرنومرید کو دی جاتی تھی (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۱تا ۷) اورانجیلی مجموعہ کی تمام تحریرات کی یہی بنیاد ہے۔

مقدس مرقس کی انجیل دورِ اوّلین کے اسی ابتدائی زمانہ کی تعلیم کی تفصیل ہے۔ ابتدا ہی سے رسولوں نے اسی ڈھنگ سے سیدنا مسیح کی پیدائش ، تعلیم ، واقعاتِ زندگی ، صلیبی موت ، ظفریاب قیامت اورصعودِ آسمانی کوسمجھا۔ اوراسی رنگ میں یہود اورغیریہود سب کے سامنے پیش کیا۔

اَب ناظرین پر ظاہر ہوگیاہوگا کہ مقدس مرقس کی انجیل کی تمام کی تمام فضا شروع سے آخر تک وہی ہے جو

ابتدائی کلیسیا کے شروع کے زمانہ میں تھی جس کا نظارہ ہم کو اعمال کی کتاب کے پہلے حصہ میں ملتا ہے۔ اس انجیل میں سیدنا مسیح کی موت کے بعد کے دس سال کے حالات کا عکس نظر آتا ہے۔ پس اس کی تصنیف کا زمانہ بھی ۴۰ء کے لگ بھگ کا ہے۔

فصل دوم

انجیلِ مرقس اوراوّلین ایام کی معتقدات

مقدس مرقس کوئی بڑے پایہ کے عالم نہ تھے۔ وہ دینیات کے ماہر اورفلاسفر بھی نہ تھے۔ان کی انجیل میں نہ توکوئی دقیق فلسفیانہ نظرئیے پیش کئے گئے ہیں اورنہ کوئی ایسی اصطلاحات موجود ہیں جو مسیحی دینیات کی تشریح کے لئے بعد کے زمانہ میں وضع کی گئی تھیں۔ وہ سیدھے سادے طورپر اپنے منجئی کی سیرت لکھنے والے تھے۔ اُنہوں نے دیانت داری سے اُن خیالات کو پیش کیا جو ابتدائی کلیسیا کے آغاز میں مروج تھے۔ چنانچہ پروفیسر ورنر Werner کہتا ہے کہ مرقس کی انجیل مسیحیت کے اُن خیالات کا آئینہ ہے جو پہلی صدی کے درمیان میں یہود نومرید اورغیر اقوام کے نومریددونوں مانتے تھے۔ اس میں مسیح کے تجسم یا کفارہ کے متعلق کوئی فلسفیانہ نظرئیے نہیں ہیں لیکن ان حقائق پر زوردیا گیا ہے۔ اس انجیل میں یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ آنخداوند اپنی خدمت کی ابتدا ہی سے مسیح موعود(۱: ۳۴۔ ۸: ۲۹)۔ اورابن اللہ (۱:۱) تھے اورالہیٰ مقصد کے ماتحت اور بلاوے کی وجہ سے ابنِ آدم تھے۔آپ نے صلیب کا دکھ اٹھایا کیونکہ آپ ابنِ آدم تھے، جو آسمان سے تھے اورجن کا زمین پر اختیار تھا(۲: ۱۰، ۲۸)۔ اورکہ آپ اُن باتوں کو پورا کرنے آئے تھے اورجوآپ کی بابت لکھی تھیں۔ اسی واسطے آپ صلیب پر مرے اورپھر زندہ ہوئے اورجلال کے ساتھ منصف ہوکر آئیں گے(۸: ۳۸۔ ۱۳باب ۲۶آیت الخ)۔

یہ حالات کلیسیا کے معتقدات کے ارتقاء کی پہلی منزل سے متعلق ہیں۔ اس منزل میں حضرت ابن اللہ کی شخصیت کے متعلق کسی نظریہ کا وجود پایا نہیں جاتا۔ صرف اس حقیقت کے اظہارپر ہی اکتفا کیا گیا ہے کہ آپ ابن اللہ ، ابن آدم اورمسیح موعود ہیں۔ پس اس انجیل کی تصنیف کا زمانہ

منجئی جہان کی صلیبی موت کے دس برس بعد کا ہے جو کلیسیا کے خیالات کی ابتدائی منزل تھی۔

انجیلِ مرقس کے بیان کے مطابق جب سیدنا مسیح نے حضرت یوحنا اصطباغی سے بپتسمہ پایا تو لکھا ہے کہ " جب وہ (یسوع) پانی سے نکل کر اوپر آیا تو فی الفور اُس نے آسمان کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اُوپر اترتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا " محبوب" (ہے اور میرا) بیٹا ہے۔ تجھ میں خوش ہوں"۔ عہدِ عتیق میں "محبوب" اور" بیٹا" مسیح موعود کے دو مختلف نام اور الگ الگ خطابات تھے۔ پس اس بیان کے مطابق بپتسمہ کے وقت آنخداوند پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ آپ خود مسیح موعود ہیں۔ آپ کی اپنی مسیحائی کا احساس اس زمانہ سے شروع ہوا اور آپ نے یہ محسوس کیا کہ خدا نے آپ کو روح القدس سے مسح کیا ہے اس انجیل کے الفاظ سے صاف واضح ہے کہ مصنف کے خیال میں روح القدس سے ممسوح ہونے کی وجہ سے آپ ابن اللہ ہیں۔

آنخداوند کی ذات اور شخصیت کے متعلق بعینہ یہی نظریہ اعمال الرسل کے پہلے بارہ ابواب میں موجود ہے جو مسیحی کلیسیا میں دورِاوّلین میں مروج تھا اور جس کا خلاصہ مقدس پطرس کے الفاظ میں موجود ہے" خدا نے یسوع ناصری کو روح القدس اور قدرت سے مسح کیا۔ وہ بھلائی کرتا اور اُن سب کو جو ابلیس کے ہاتھ سے ظلم اٹھاتے تھے شفا دیتا پھرا کیونکہ خدا اُس کے ساتھ تھا"۔(اعمال ۱۰: ۳۸)۔

پس مسیحیت کے آغاز میں آنخداوند کی ذات اور شخصیت کی نسبت جو نظریہ کلیسیا کے ابتدائی مراحل ومنازل میں رائج تھا وہ اس آیہ شریفہ کے مطابق یہ تھا کہ جس شخص کی رسول منادی کرتے تھے وہ ایک ایسا انسانِ کامل تھا جس کو ہمیشہ خدا کی قُربت نصیب تھی ، جو مُردوں میں سے جی اٹھا اور خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ وہ ایک ایسا انسان تھا جس کو خدا نے اپنے کام وپیغام کے لئے خاص طور پر مسح کیا تھا"۔ یسوع ناصری ایک انسان تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا اُن معجزوں اورعجیب

کاموں،اورنشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت کئے (اعمال ۲: ۲۲)۔

مقدس مرقس کی انجیل اوررسولوں کے مذکورہ بالا بیانات کے مقابلہ سے ظاہر ہے کہ اس انجیل کا بعینہ وہی نظریہ ہے جو مسیحی کلیسیا کے آغازمیں کلیسیا کے اولین دور میں مروج تھایعنی کہ یسوع ناصری ایک ایسے انسان تھے جو کامل طورپر نیک تھے جن کو خدا نے مسیح موعود کے عہدہ پر مامور فرمایا اورروح القدس سے ممسوح کیا۔ آپ کی زندگی خدا کی کامل فرمانبرداری میں گذری جس کی وجہ سے آپ نے موت اورقبر پر فتح پائی ، اورخدا کے دہنے ہاتھ سرفراز ہوئے اوربنی نوع انسان کی عدالت کرنے کے لئے الہیٰ قدرت کے ساتھ پھر آئینگے۔

آنخداوند کی ذات و شخصیت کا یہ نظریہ کلیسیا کے آغازمیں اُس زمانہ میں مروج تھا جب ابھی مقدس یوحنا نے اپنی انجیل نہیں لکھی تھی اورنہ مقدس پولوس کے خطوط ابھی احاطہ تحریر میں آئے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نظریہ کلیسیا کے شروع زمانہ میں مروج تھا۔ پس انجیلِ مرقس بھی اسی اوّلین دور سے متعلق ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ انجیل منجئی عالمین کی ظفریاب قیامت کے دس سال کے اندرلکھی گئی تھی۔

مقدس پولوس اپنی تحریرات میں جو سیدنا مسیح کی وفات کے قریباً پندرہ تیس سال بعد کے درمیانی عرصہ (از ۴۴ء تا ۶۰ء) میں لکھی گئی تھیں باربارلفظ " مسیح" کو اسمِ معرفہ کے طورپر استعمال کرکے آنخداوند کو کبھی" یسوع" کبھی" مسیح " اورکبھی" مسیح یسوع" کہتے ہیں۔ لیکن مقدس مرقس لفظ" مسیح" کو اسمِ معرفہ کے طورپر کہیں بھی استعمال نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ اس لفظ کو سیدنا مسیح کے لئے خطاب کے طورپر" مسیح موعود" کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔اس میں لفظ" المسیح" تین جگہ وارد ہوا ہے(۸: ۲۹، ۱۴: ۶۱، ۱۵: ۳۲)۔ پہلے مقام میں مقدس پطرس کا اقراردرج ہے کہ آنخداوند المسیح (موعود) ہیں۔ دوسرے مقام میں سردارکاہن آپ سے سوال کرکے پوچھتا ہے " کیا تو اس ستودہ کا بیٹا المسیح (موعود) ہے"؟ تیسرے مقام میں سردارکاہن ٹھٹھے سے کہتاہے کہ اگر یہ شخص " اسرائیل کا

بادشاہ المسیح"(موعود) ہے تو وہ اب صلیب پر اترآئے پس ان تینوں مقاموں میں کسی ایک جگہ بھی آنخداوند کے لئے "مسیح" کا نام بطوراسمِ خاص یا اسمِ معرفہ نہیں آیا جس طرح دورِ حاضرہ میں ننا نوے فیصدی مسیحی اور غیر مسیحی آنخداوند کا نام "یسوع" نہیں لیتے بلکہ "مسیح" کہتے ہیں ۔ حق تو یہ ہے کہ ۷۰ء کے بعد یونانی دنیا کے لئے لفظ مسیح درحقیقت لفظ "یسوع" کا مترادف تھا اوراس سے زیادہ یہ لفظ غیر یہود کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ صاف اورموٹے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کلیسیا (جس کا اغلب حصہ غیر یہود پر مشتمل تھا) کسی یہودی مسیح موعود میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی[1]۔

علیٰ ہذا القیاس اس انجیل میں یسوع ناصری کے لئے لفظ" خداوند" بطورایک خطاب کے کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ جس طرح ہم نے جا بجا اس رسالہ میں آپ کے لئے لفظ آنخداوند " استعمال کیا ہے جس طرح مقدس پولوس کے خطوط میں آپ کے لئے لفظ" خداوند"آیا ہے۔ انجیل مرقس میں یہ لفظ" خداوند" صرف چار مرتبہ آیا ہے یعنی ۵: ۱۹، ۱۱: ۳، ۱۳: ۲۰۔ ۱۲: ۳۷ لیکن ان مقامات میں سے پہلے اورتیسرے مقام میں وہ خدا یعنی رب العالمین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ دوسرے مقام میں لفظ " خداوند" دیدہ دانستہ طورپر ذومعنی ہے اورچوتھے مقام میں اس کا تعلق عہدِ عتیق کی کتاب زبور کی آیت کی تاویل ہے۔

پس انجیلِ مرقس میں منجئی عالمین کے لئے نہ فقط" مسیح" بطورآپ کے خاص نام کے استعمال کیا گیا ہے اورنہ کوئی شخص آپ کو مخاطب کرکے یاآپ کی طرف اشارہ کرکے لفظ" خداوند" آپ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب مسیحی کلیسیا اپنے منجئی کےلئے صرف لفظ" یسوع" استعمال کرتی تھی اورابھی تک مسیحی عوام مقدس پولوس رسول کی طرح آپ کو" خداوند" یا خداوند یسوع" یا " خداوند یسوع مسیح" یا" یسوع مسیح " یا " مسیح" نہیں کہتے تھے۔ اُس زمانہ میں یہ الفاظ والقاب وخطابات نہ تو عام طورپر کلیسیا میں تاحال مروج ہوئے تھے اورنہ وہ صراحتاً یا کنایتہً بطورِاسم خاص یا

---

[1] F.C.Grant , The Earliest Gospel.pp.175 ff.

اسم معرفہ یا اسم اشارہ لفظ " یسوع" کی بجائے استعمال ہوتے تھے۔ بالفاظِ دیگر انجیل مرقس کا زمانہ تصنیف رسولی زمانہ کے اوّلین دور سے تعلق رکھتا ہے اوریہ انجیل منجئی جہان کی صلیبی موت کے دس برس کے اندر احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔

(۲)

علیٰ ہذا القیاس مقدس مرقس حضرتِ ابن اللہ کی صلیبی موت کو نجات کا ذریعہ بتلاتے ہیں (۱۰: ۴۵، ۱۴: ۲۴) لیکن وہ آپ کی موت اورنجات کا کوئی خاص نظریہ پیش نہیں کرتے ۔ وہ یہ بتلانے کی کوشش کہیں نہیں کرتے کہ ابن اللہ کی موت اوربنی نوع انسان کی نجات کس طرح ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔آپ کی انجیل میں یہ مذکورہے کہ ابنِ آدم کو مرنا ضرور ہے۔ کیونکہ آپ کی صلیبی موت کتابِ مقدس اور رضائےالہیٰ کے عین مطابق ہے۔ لیکن اس منزل سے مقدس مرقس ایک قدم بھی آگے تجاوز نہیں کرتے۔پس یہ منزل مسیحیت کی ابتدائی تاریخ کی اوّلین منزل ہے (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۳۔ ۱۔ تھسلنیکیوں ۱: ۱۰۔ گلتیوں ۳: ۱۳۔ ۴: ۵ وغیرہ)۔ لہذا یہ انجیل مسیحیت کی ابتدائی فضا سے متعلق ہے اورقدیم ترین زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مقدس پولوس اس زمانہ کے بعد (از۴۴ءتا ۶۰ء) اپنے خطوط میں کفارہ کا نظریہ پیش کرتے ہیں اورمقدس مرقس کی انجیل کے واقعات کی بنیاد پر اپنے عقائد اوردینیات کی عمارت کھڑکرتے ہیں۔

(۳)

اسی طرح مقدس مرقس اپنی انجیل میں قیامتِ مسیح کے واقعہ کا ذکرکرتے ہیں لیکن وہ مُردوں کے جی اٹھنے کا کوئی نظریہ یا دلیل قائم نہیں کرتے۔ مسیحی کلیسیا ابتدا ہی سے منجئی عالمین کی ظفریاب قیامت کے واقعہ پر ایمان رکھی تھی (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۳تا ۷)۔ لیکن اس واقعہ کے ثبوت کےدلائل ، توضیح اور تشریح وغیرہ مابعد کے زمانہ سے متعلق ہیں۔(۱کرنتھیوں ۱۵باب وغیرہ)۔ پس مقدس مرقس کی انجیل اس زمانہ سے بہت پہلے لکھی گئی جب مقدس پولوس نے ۵۵ء کے موسم بہار میں کرنتھیوں کے خط میں واقعہ

قیامت کی تشریح کی تھی[1]۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل واقعہ قیامت کے قریباً دس سال بعد لکھی گئی تھی۔

(۴)

ہم ذکر کرچکے ہیں کہ انجیلِ مرقس میں ان سوالوں کے جواب میں جو مسیحیت کی ابتدائی منزل میں یہود وغیر یہود ،مسیحی اورغیر مسیحی سب پوچھتے تھے اگر خداوند نے یسوع فی الحقیقت مسیح موعود تھے تو آپ کیوں مصلوب ہوئے ؟ پس یہ انجیل ایک خاص زاویہ نگاہ سے لکھی گئی ہے ۔ ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ اس خاکہ کے مطابق انجیلِ مرقس سیدنا مسیح کا سیدھا سادہ زندگی نامہ نہیں ہے۔ بلکہ ابنِ اللہ کی زندگی کے تمام واقعات کو صرف ایک نقطہ نگاہ سے قلمبند کیا گیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ:

جیسا ہم حصہ دوم کے باب چہارم میں بتلاچکے ہیں اناجیل اربعہ محض کُتُب تواریخ نہیں ہیں جن میں واقعات شروع سے آخر تک مسلسل طورپر قلمبند کئے گئے ہوں۔وہ " انجیل" ہیں یعنی ایسی کتابیں ہیں جن میں خوشی کی خبردی گئی ہے ۔ ہر انجیل نویس نے اس خوشی کی خبر کو اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے لکھا ہے۔ اورمنجئی جہان کی ۳۳سالہ زندگی کے واقعات پر نظر ڈال کر صرف ایسے واقعات کا انتخاب کیا ہے جو اُن کے نقطہ نگاہ کو اظہر من الشمس کردیتے ہیں۔یہ انجیلیں ان ایماندار مصنفوں کے زندہ ایمان کی نشانیاں ہیں جن میں دنیا کی سب سے عظیم الشان ہستی کے مافوق الفطرت اُمور، واقعات ، تعلیم اور شخصیت کا ذکر ہے۔ مقدس مرقس فرماتے ہیں کہ سیدنا مسیح ایک تاریخی ہستی تھے جو مسیح موعود، ابن اللہ اورمافوق الفطرت ابنِ آدم تھے ، جو دنیا کو نجات دینے کے لئے صلیب پر مرے، تیسرے روز مردوں میں سے جی اٹھے اورآسمان کو صعود فرماگئے ۔ یہ تھا مقدس مرقس کا زاویہ نگاہ ۔ انجیلِ اوّل وسوم کا نقطہ نظر مقدس مرقس کے نقطہ نگاہ سے مختلف ہے اوروہ آنخداوند کے سوانحِ حیات کو اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے دیکھ کر عوام الناس کو نجات کی بشارت دیتے ہیں۔ جب ہم ان موخر الذکر دونوں انجیلوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر

[1] T.R.Glover Paul of Tarsus p.201.

ہوجاتا ہے کہ یہ دونوں مصنف انجیلِ مرقس کو لفظ بہ لفظ شروع سے آخر تک اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ گویہ تینوں مصنف منجئی عالمین کی زندگی کے واقعات اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے انتخاب کرتے ہیں لیکن ان کے زاویہ نگاہ ایک دوسرے کے متضاد نہیں ہیں اس کے برعکس یہ تینوں زاوئیے ایک دوسرے کے ممدومعاون ہیں اورایک دوسرے کا تکملہ کرتے ہیں۔ مقدس مرقس کا زاویہ نگاہ منجئی عالمین کی وفات کے پانچ دس سال بعد کے زمانہ سے متعلق ہے۔انجیلِ اوّل وسوم کے مصنفوں کا نقط نگاہ اس سے دس ، پندرہ سال بعد یعنی پہلی صدی کے نصف سے متعلق ہے۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب کا پہلا حصہ (باب اوّل تا باب بارہ) ظاہر کرتا ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل مسیحی عقائد وتعلیم کے ارتقا کی تاریخ کا پہلا باب ہے۔ انجیل متی اورانجیل لوقا اس تاریخ کا دوسرا اورتیسرا باب ہے اورانجیل یوحنا اس تاریخ کا چوتھا باب ہے۔ہر انجیل نویس کی کتاب اس ایمان کی زندہ گواہ ہے کہ مسیح کے وسیلے نئی زندگی حاصل ہوتی ہے جو انسان کی خفتہ طاقتوں کو بیدار کرکے اس کی تمام اُمیدوں کو سرسبز وشاداب کردیتی ہے اور ناممکنات کو ممکن کرکے دکھادیتی ہے۔ اس زندگی سے خدا اورانسان کے باہمی تعلقات کلیتہً تبدیل ہوجاتے ہیں اورگناہوں کی معافی کا کامل یقین ہوجاتاہے۔ اس سے ہم کو روح القدس کی خوشی کا تجربہ حاصل ہوجاتا ہے اورمسیح کے صعودِ آسمانی کے بعد اس کی جلالی آمد کے انتظار کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

اس خوشی کی خبر اوربشارت کا اعلان کرنے کے لئے ہر انجیل نویس قدرتاً اہلِ یہود کی اصطلاحات کو استعمال کرکے اپنے خیالات، جذبات اور تجربات کی منادی کرتے ہیں۔ مقدس مرقس کی انجیل کا سطحی مطالعہ بھی یہ صاف ثابت کردیتا ہے کہ یہ انجیل اُن خیالات کی حامل ہے جو مسیحیت کے آغازمیں کلیسیا میں نشوونما حاصل کرکے پھل پھول رہے تھے۔ باقی تین انجیلیں جو چند برس بعد لکھی گئیں ، اُن خیالات کا آئینہ ہیں جو پہلی صدی کے نصف میں نشوونما پارہے تھے ۔ لیکن انجیلوں کا مطالعہ ظاہر کردیتا ہے کہ ان تمام خیالات کا باہمی تعلق ویسا ہی ہے جو غنچہ کا پھول

کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تمام خیالات جو اناجیل اربعہ میں پائے جاتے ہیں مسیحی عقائد کی پہلی منزلیں ہیں۔ انجیلی مجموعہ کتُب کی بعد کی تحریرات میں دیگر خیالات کی جھلک ہے جو پہلی صدی کے پہلے نصف کے بعد کے زمانہ سے متعلق ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر سٹریٹر (B.H.Streeter) مرحوم بتلا تاہے کہ انجیلی مجموعہ کی تمام تحریرات میں آنخداوند کے متعلق سات نظریئے پائے جاتے ہیں جومنجئی عالمین کی وفات کے تیس پینتیس سال کے اندر مسیحی کلیسیا کے مختلف طبقوں میں رواج پاگئے تھے۔ ان مختلف خیالات اورنظریہ جات میں تضاد نہیں ہے بلکہ وہ مسیحی عقائد کی ارتقا کی مختلف منزلیں ہیں جن میں تواتر اوریک جہتی پائی جاتی ہے۔ اس تسلسل ،تواتر اوریک جہتی کا مرکز وہ مسیحی زندگی ہے جو ظفریاب اورفاتح جلالی مسیح سے نکلتی ہے، جس سے روح القدس نے تمام مسیحیوں کو ایک بدن میں منظم کررکھا ہے (افسیوں ۴: ۱۶)۔ اس ارتقاء کی پہلی منزل وہ خیالات ہیں جو خداوند مسیح کی وفات کے بعد رائج تھے اورجن کا ذکر رسولوں کے اعمال کی کتاب کے پہلے بارہ باب میں پایا جاتا ہے۔ یہی خیالات مقدس مرقس کی انجیل میں پائے جاتے ہیں جس سے اس انجیل کی قدامت ثابت ہے اور ہم پر واضح ہوجاتاہے کہ یہ انجیل منجئی عالمین کی موت کے بعد دس سال کے اندریعنی اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جس زمانہ وہ حالات تھے جن کا ذکر اعمال کے پہلے بارہ ابواب میں ملتاہے۔

انجیلی مجموعہ کی تمام تحریرات کا غائر مطالعہ یہ واضح کردیتاہے کہ اس تمام مجموعہ میں مقدس مرقس کی انجیل کے خیالات سے زیادہ قدیم خیالات کا وجود کہیں پایا نہیں جاتا۔ اوران کا وجود ہووبھی کیسے سکتاہے؟ کیونکہ اگران قدیم ترین خیالات سے کم کی منادی عوام میں کی گئی ہوتی تو مسیحی کلیسیا معرضِ وجود میں بھی نہ آتی۔ کیونکہ یہی خیالات یہودیت اورمسیحیت میں مایہ الامتیاز کا درجہ رکھتے ہیں۔ ابتدا ہی سے رسول یہی بشارت دیتے تھے کہ منجئی عالمین " ہمارے گناہوں کی خاطر" مصلوب ہوئے (۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۳)۔ اورآپ نے مُردوں میں سے زندہ ہوکر ثابت کردیا کہ آپ جلالی مسیح موعود ہیں۔ آپ چالیس روز

تک مختلف اوقات اورجگھوں میں لوگوں پر ظاہر ہوتے رہے(۱۔کرنتھیوں ۱۵: ۴تا ۱۱ وغیرہ)۔ اورآپ نے صعود فرمایا(لوقا ۲۴: ۵۱، یوحنا ۲۰: ۱۷ وغیرہ)۔ آپ کے شاگردوں اوررسولوں نے آپ کی جلالی حالت کا ذاتی تجربہ کیا(مرقس ۱۶: ۶، لوقا ۲۴: ۳۱، ۳۴۔ یوحنا ۲۰: ۱۷تا ۱۹، ۲۲، ۲۱: ۱۴ وغیرہ)۔ یہی باتیں مسیحیت کو یہودیت سے جُدا کرتی تھیں ۔ اگر رسولوں نے ان سے کم کا پرچارکیا ہوتا تو مسیحیت یہودی مذہب کی محض ایک شاخ ہوکر رہ جاتی اوربس ۔ سیدنا مسیح ایمان داروں کی " نجات کے بانی" نہ ہوتے بلکہ یہودی انبیاء کی قطارمیں نظرآتے جن کی سہ سالہ تبلیغی خدمت کی یادبھی دیگر انبیائے یہود کی طرح بھوُل بسر گئی ہوتی۔

پس یہ انجیل اُس زمانہ کی تصنیف ہے جس میں ابھی تک منجئی عالمین کی ذات اورشخصیت کے متعلق یاآپ کی صلیبی موت کے متعلق کوئی خاص نظریہ قائم نہیں ہوا تھا، جس پر تمام کلیسیاؤں کا اتفاق ہو۔ اس انجیل میں اس ابتدائی زمانہ کا نقشہ نظر آتا ہے جس میں صرف سیدنا مسیح کی شخصیت ، موت اورقیامت کی حقیقت پرہی ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس ابتدائی زمانہ کے چند سال بعد وہ زمانہ آیا جب یہود اورغیریہود مسیحی علماء نے ان حقائق پر فلسفیانہ پہلوؤں سے نگاہ کرکے حکیمانہ نظریہ جات قائم کئے تھے۔ لیکن مقدس مرقس کی انجیل میں اس قسم کے حکیمانہ نظریہ جات اورفلسفیانہ خیالات کا نام ونشان بھی نہیں ملتا جو مقدس یوحنا اور مقدس پولوس اوردیگر انجیلی مصنفین کی تحریرات میں موجود ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ انجیل مرقس مقدس پولوس کے خطوط اورمقدس یوحنا کی تحریرات سے بہت پہلے لکھی گئی تھی ۔ جس سے ثابت ہوگیا کہ یہ اولین انجیل ، منجئی عالمین کی صلیبی موت کے دس سال کے اندراندراحاطہ تحریر میں آگئی تھی۔

فصل سوم

مقدس لوقا اورمقدس مرقس کی اناجیل کا باہمی تعلق

ہم اس کتاب کے حصہ دوم کے بابِ اوّل کی فصل سوم میں ثابت کرچکے ہیں کہ انجیل لوقا کی دوتہائی سے زیادہ حصہ(۱۱۴۹آیات میں سے ۷۹۸ آیات)اِن آیات پر مشتمل ہے جو مقدس مرقس کی انجیل سے نقل کی گئی ہیں۔ اسی

حصہ کے باب سوم کی فصل اوّل میں ہم یہ ثابت کرچکے ہیں کہ مقدس لوقا نے انجیل لکھتے وقت مقدس مرقس کی انجیل کو بطورایک ماخذ کے استعمال کیا تھا اورکہ اس نے اپنی انجیل کا ڈھانچہ مقدس مرقس کی ترتیب کے مطابق ڈھالا ہے۔ مقس لوقا کی انجیل کا غائر مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ اُس نے خداوند کی آزمائشوں کے بیان اورعشائے ربانی کے مقرر ہونے کے درمیانی عرصہ میں دیگر ماخذوں سے تین بڑے حصے اکٹھے کرکے تین مختلف مقامات میں جمع کردئیے ہیں (۶: ۲۰تا ۸: ۳ اور۹: ۵۱ تا ۱۸: ۱۴۔ اور۱۹: ۱تا ۲۷ آیات)۔ باقی ماندہ حصص میں مقدس لوقا نے مقدس مرقس کی انجیل کو نقل کیا ہے۔

پس جب مقدس لوقا نے اپنی انجیل کو لکھا تب مرقس کی انجیل اس قدراعتبارکے قابل سمجھی جاتی تھی کہ آپ نے اُس کے الفاظ اورترتیب کو قائم رکھا اوراُن کے مطابق اپنی انجیل کو لکھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ۵۵ء تک(جب مقدس لوقا نے اپنی انجیل کو لکھا)۔ مرقس کی انجیل کلیسیا میں ہر چہارطرف مروج تھی اورایسی مسلم شمارکی جاتی تھی کہ اُس زمانہ میں اس کی ٹکر کا اوراس کی قسم کا کوئی دوسرا ماخذ موجود نہ تھا۔

یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ اس قسم کی کتاب کو یہ رتبہ اورچند ہفتوں یا مہینوں میں حاصل نہیں ہوجاتا۔ بلکہ اس بات کے لئے ایک طویل مُدت درکا ہے ، کہ انجیل مرقس ایسی مستند کتاب لکھی جائے اوروہ ہرچہارطرف ایسی رواج پائے جائے کہ مختلف مقامات کی کلیسیائیں اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں۔بالخصوص ایسے زمانہ میں جب چھاپہ خانے موجود نہ تھے، اورہر کتاب کا ایک ایک لفظ ہاتھ سے نقل کیا جاتا تھا۔ گذشتہ باب میں ہم ثابت کرآئے ہیں کہ مقدس لُوقا نے اپنی انجیل ۵۵ء کے قریب بمقام قیصریہ لکھی تھی۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب اورکلیسیائی روایات سے ظاہر ہے کہ ۵۵ء تک مسیحی کلیسیا دُورودراز مقامات میں یہود اور غیر یہود دونوں میں پھیل چکی تھی۔ پس اگر مقدس مرقس کی انجیل ۵۵ء تک تمام کلیسیاؤں میں مسلم اورمستند سمجھی جاتی تھی اوررواج پاچکی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ اس سے کم ازکم دس پندرہ سال پہلے لکھی گئی ہوگی۔پس

قیاس یہی چاہتا ہے کہ یہ انجیل ۴۰ء کے قریب احاطہ تحریر میں آئی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انجیل مرقس منجئ عالمین کی وفات کے قریباً دس سال کے اندراندر تصنیف کی گئی تھی۔ انشاء اللہ آئندہ فصل میں ہم یہ واضح کردینگے کہ دیگر اُمورسے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل ۴۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔

فصلِ چہارم

انجیلِ مرقس کا سنِ تصنیف اورتواریخی واقعات

(۱)

ہم گذشتہ باب کی فصل میں بتلاچکے ہیں کہ جب مقدس لُوقا نے اپنی انجیل لکھی تھی اُس زمانہ میں یروشلیم کا شہر ویران وتباہ نہیں تھا اورنہ اُس کی ہیکل نذرِآتش ہوچکی تھی۔ چونکہ مقدس مرقس نے اپنی انجیل مقدس لوقا سے بہت سال پہلے لکھی تھی پس قیاس یہی چاہتا ہے کہ اس میں بھی اس واقعہ ہائلہ کاذکر موجود نہ ہو۔ جب ہم انجیل مرقس پڑھتے ہیں توہم بعینہ یہی حالت پاتے ہیں۔ اس میں نہ تو یروشلیم کی تباہی کا ذکرہے اورنہ ہیکل کے برباد ہونے کا اشارہ تک پایا جاتا ہے ۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ علماء یقیناً غلطی پر ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انجیل ۷۰ء میں لکھی گئی تھی۔

حق تویہ ہے کہ اگرانجیل مرقس خالی الذہن ہوکرپڑھی جائے تویہ بات کسی کے خیال میں بھی نہ آئے گی کہ اس کے لکھنے کے وقت ہیکل برباد ہوچکی تھی۔ اِس کے برعکس اس کا مطالعہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ شہر یروشلیم اورہیکل دونوں صحیح سلامت کھڑے ہیں۔ مثلاً ہیکل کی ناپاکی کا ذکر موجود ہے (۱۳: ۱۴)۔ کیا ناپاکی کاذکر یہ ثابت نہیں کرتا کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تو خداوند کی ہیکل اُس وقت موجود تھی؟

مقدس مرقس ۱۵: ۲۹ میں لکھتے ہیں کہ کلوری کے مقام پر لوگ مصلوب سیدنا مسیح کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے" واہ! مقدس کے ڈھانے والے اوراُس کو تین دن میں بنانے والے" ۔ اگراس انجیل کے لکھے جانے کے وقت ہیکل برباد ہوچکی ہوتی تو انجیلِ نویس یہاں ضرور بتلاتاکہ دیکھ لو۔ ہیکل برباد ہوچکی ہے!

مرقس ۱۳باب کی پہلی ۱۳آیات میں اُن لوگوں کی جانب اشارے ہیں جو کاذب نبی تھے اورمسیحائی کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے۔ ان آیات میں جو ذکر لڑائیوں اورجنگوں کا ہے اُن میں پارتھیا کی جانب اشارہ ہے۔" ان آیات میں قحط، زلزلوں اورایذاؤں کا ذکر ہے جو اہل یہود مسیحیوں کو دیتے تھے لیکن نیرو کی خوفناك اور وحشت انگیز ایذارسانی (۶۴ء) اوراس کے بعد کے واقعات کا کہیں ذکرنہیں پایا جاتا۔ رومی افواج کے حملہ کے جو ملك یہودیہ پر کیا گیا تھا اوریروشلیم کے تاراج ہونے کا اورہیکل کے نذرِآتش ہونے کے واقعات کی جانب اشارہ تك نہیں ملتا۔ ان جانکاہ تواریخی واقعات کی بجائے صرف ہیکل کی ناپاکی کا ذکرموجود ہے۔ اوروہ ناپاکی بھی ایسی تھی (جیسا ہم ابھی بیان کریں گے) جو وجود میں نہ آئی[1]۔ مورخ یوسی بئس کا ایك بیان اس مقام پر قابل غورہے۔ وہ ہم کو بتلاتا ہے کہ یہودیہ کے مسیحی لیڈروں کو الہام سے پہلے ہی آگاہی مل گئی تھی۔ پس وہ ۷۰ء میں یروشلیم سے پیلابھاگ گئے۔یہ الہام مرقس ۱۳: ۱۴تا ۱۹ میں موجود ہے اورثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی تباہی کے واقعہ کے بعد تحریر میں نہیں آئی تھی بلکہ اس سے پہلے کلیسیا کے ہاتھوں میں موجود تھی جس سے آگاہی پاکر وہ پیلاکی جانب بھاگ گئے۔

آیت ۱۲ میں خاندانوں میں پھوٹ پڑنے کا ذکر ہے۔ جب ہم انبیائے سابقین کی کتُب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ خاندانوں کا باہمی نفاق قومی مصائب کی روائتی تصویر ہے[2] (میکاہ ۷: ۶، یسعیاہ ۱۹: ۲، یوبلی ۲۳: ۱۶، ۱۹۔ ۲ باروك ۷: ۳۔ ۲۔ ۷۔ سدرس ۶: ۲۴ وغیرہ)۔ یہ حال ابتدائی اوّلین کلیسیا کا تھا ، جس کا خلاصہ اس آیت میں موجود ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ مرقس ۱۳: ۵تا ۱۳ کے مقام کا تعلق مسیحی کلیسیا کی ابتدائی منزل سے ہے، جب مسیحیت ایك نیا بدعتی یہودی فرقہ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یہودی عالم مرحوم ڈاکٹر مونٹی فیوری لکھتا ہے[3] کہ" مسیح کی موت کے بعد بیس برس کا زمانہ مسیحی کلیسیاؤں کے لئے ایذاؤں کا

---

[1] C.H.Dodd, The Parables of the Kingdom p.52. note

[2] Ibid.p.69

[3] G.C.Montefiore, the Synoptic Gospels (1927) Vol1.p.CIV also see I, Abraham, Studies in Pharisaism and the Gospels, 2nd series (1924) ch X."The Persecutions's pp.56-72

زمانہ تھا جو یہودی عبادت خانوں کی طرف سے تھا۔ گو اوّلین یہودی مسیحی جو یروشلیم میں رہتے تھے شریعت کی تمام رسوم کو مانتے تھے اورشرعی احکام پر چلتے تھے تاہم ان میں اور دیگر یہود میں جوکٹر تھے بڑا فرق تھا۔ گو یہ یہودی مسیحی عبادت خانوں کےممبر ہوکر رہنا چاہتے تھے تاہم ان کا وجود ہی یہود کے لئے لگاتاربرہمی اوربرافروختگی کا باعث تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ خاندان کے افراد میں باہمی پرخاش کس قدر خطرناك ہوتی ہے۔ یہودی مسیحیوں کا یہ ایمان کہ مسیح موعودآگیا ہے، بجائے خود کوئی معمولی اختلاف نہ تھا۔ اس پر ان لوگوں میں شریعت کی پابندی میں جو ڈھیل آگئی وہ یہود کو برافروختہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس پر طرہ یہ مسیحی یسوع ناصری کو الہٰی صفات سے موصوف مانتے تھے اوریہ بات ان کٹر موحدوں کے لئے ایك ناقابل برداشت عقیدہ تھا جس سے شرك ٹپکتا تھا۔ فریسی اس قسم کے خیالات سے مصالحت روا نہیں رکھ سکتے تھے۔ رینان دُرست کہتا ہے کہ" اگریہودی رومی سلطنت کے ماتحت نہ ہوتے اوران سے سزائے موت کا حق نہ چھین لیاگیا ہوتا تو وہ مسیحیوں کو زندہ نہ چھوڑتے"۔

پس انجیلِ مرقس کے تیرھویں باب کی مذکورہ بالا آیات کا تعلق کلیسیا کے وجود کے پہلے بیس برس کے ساتھ ہے۔ جب مسیحی عبادخانوں میں پیٹے" جاتے تھے اوریہودی عدالتوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے۔ اس مقام میں " حاکموں اوربادشاہوں" سے مراد ہے یہودیہ کے گورنر اوریہودی حاکم، جو چوتھائی حصہ کے حاکم تھے"۔ جھوٹے نبی اورکاذب مسیح" یہودی لیڈرہیں۔ آیت ۸ کے الفاظ " دردزہ کا شروع" ربیوں کی مشہوراصطلاح[1] ہے جس کا مطلب اندرونی اوربیرونی سیاسی مصیبت کازمانہ تھا جس کا مسیح موعود کےزمانہ سے پہلے وجود میں آنا لازم خیال کیا جاتا تھا۔ اس مقام میں مسیحی کلیسیا کو خبردارکیا گیا ہے کہ سیدنا مسیح کی آمد سے پہلے ان کو دکھ اورمصیبت اورایذارسانی کا سامنا کرنا ہوگا اوراس سے اقوام میں انجیل سنائی جائیگی۔ مقدس

[1] Manson, Mission & Message of Jesus p.159.

پولوس فرماتاہے کہ یہ اس کے زمانہ میں ہوگیا ہے (رومیوں۱: ۸ ،کلسیوں۱: ۵تا ۶ اور۱۔تھسلنیکیوں ۵باب)۔

پس اس مقام سے ظاہر ہے کہ یہ نقشہ وہی ہے جو اعمال کی کتاب کے پہلے ابواب میں کلیسیا کا نقشہ ہے اویروشلیم کی ہیکل کےبرباد ہونے سے کم ازکم تیس سال قبل کا ہے۔

علاوہ ازیں مرقس کی انجیل میں آیا ہے " جب تک یہ سب باتیں نہ ہولیں یہ پشت ہرگز تمام نہ ہوگی"(۱۳: ۳۱)۔ اورانجیل متی ۱۶: ۲۸ میں خداوند فرماتے ہیں ۔ " میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آئے ہوئے نہ دیکھ لیں وہ موت کا مزہ ہر گز نہ چکھیں گے"(نیز دیکھو۲۴: ۳۴، ۱۰: ۲۳، ۲۳: ۳۶) سیدنا مسیح اُن مقامات میں صاف اور واضح الفاظ فرماتے ہیں کہ یہ سب واقعات آپ کے سامعین کے سامنے ہوں گے ۔ الفاظ" جو یہاں کھڑے ہیں" سے مراد صرف یہی ہوسکتی ہے کہ جوآپ کے سامنے کھڑے تھے اورآپ کے کلمات کو سن رہے تھے(دیکھو ۲۶: ۷۳) یہ ارامی محاورہ ہے جس کو اردو دان اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں" ۔ موت کا مزہ نہ چکھیں گے" بھی ارامی محاورہ ہے جو عبرانی کتب مقدسہ میں کہیں وارد نہیں ہوا اوریوحنا ۸: ۵۲ اورعبرانیوں ۲: ۹ میں پایا جاتاہے ۔ یہ محاورہ ربیوں کی کتاب اورکتُب " تراجم" میں اکثر آیا ہے[1]۔ اردو دان اس محاورہ سے جو قرآن میں بھی آیا ہے مانوس ہے۔

ان واضح مقامات سے ثابت ہے کہ جب انجیل مرقس لکھی گئی تھی اُس وقت یروشلیم کی ہیکل ہنوزکھڑی تھی۔ جرمن نقاد ہارنیک نے زبردست دلائل سے یہ ثابت کردیا ہے کہ اعمال کی کتاب ، مقدس لوقا کی انجیل اورانجیل مرقس یروشلیم کی تباہی کے واقعہ سے بہت پہلے لکھی گئیں[2] یہ عالم کہتاہے کہ مقدس لوقا کی انجیل ۶۰ء کے لگ بھگ اور مقدس مرقس کی انجیل ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی[3]۔

پس مرقس کی انجیل تب لکھی گئی تھی جب وہ نسل عالمِ شباب میں تھی جس کی نسبت سیدنا مسیح نے فرمایا

---

[1] Box, St. Matthew (The Century Bible) p.268 and Allen, St Mark, p.122.

[2] & 7 Archdeacon W.C.Allen, “Moffiat’s Introduction to the N.T.”Exp, Times June 1911 p. 395.

[3] Foakes Jackson & Kirsopp Lake, Beginnings of Christanity Part 1 Vol 2.p393

تھا کہ " میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک وہ نہ دیکھ لیں کہ خدا کی بادشاہ قدرت کے ساتھ آگئی ہے وہ موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے" (۹:۱)۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل کلیسیا کے دورِاوّلین میں احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔ اس سے پہلے ہم دیگر وجوہ سے بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ انجیل ۴۰ء میں تصنیف کی گئی تھی۔

(۲)

سلطنتِ روم کے قیاصرہ میں سے ایک قیصر تھا جس کا نام کیلی گیولا تھا۔ جس کے زمانہ میں اگرپا گلیل کا حاکم ہوا تھا۔ سلطنت کے نشہ نے اس کے دماغ میں خلل پیدا کردیا اور ایساکہ اس نے حکم دیا کہ ہر شخص اُس کی پرستش کیا کرے اوراس کے آگے سرنگوں ہوکر سجدہ کیا کرے۔ وہ مندروں میں دیوتاؤں کی مورتیوں کے ساتھ اُن کے پہلو میں بیٹھ جاتا تھا تاکہ رعایا دیگر معبودوں کے ساتھ اُس کی بھی پوجا کریں۔ بعض اوقات وہ دیوتاؤں کے قاصد عطارد دیوتا کے سے پر لگالیتا اوربعض اوقات اپالو دیوتا کی نقل کرکے سورج کی سی شعائیں زیب تین کرلیتا۔ اکثر اوقات وہ جو پیٹر دیوتا کی مورتی کے کانوں میں سرگوشی کرتا اوراپنے کان اس کے منہ کے پاس لے جاتا گویاکہ وہ دونوں برابر کے دیوتا ہیں اوردیوتا تک بھی اس کو اپنے برابر دیوتا مانتے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ جو پیٹر میرا بھائی ہے اورچاند میری بیوی ہے ۔ اس نے ایک نہایت عالی شان مندر اپنی پوجا کے لئے بنوایا جس میں اُس کے حضور قربانیاں کی جاتی تھیں۔ اس مندر کے باقاعدہ پجاری تھے جن میں سے ایک اس کا گھوڑا بھی تھا جس کے لئے اس نے سونے کی چرنی بنوائی تھی اورجس کے لئے اس نے ایک رہائشی مکان بھی بنوایا جس میں دربار کے اُمراء گھوڑے کے ساتھ کھانا بھی کھایا کرتے تھے[1]۔

۴۰ء کی بات ہے کہ اس پاگل اورظالم قیصر نے احکام صادر کئے کہ یروشلیم کی ہیکل میں اس کا بُت نصب کیا جائے تاکہ موحد یہود بھی اس کی عبادت اورپرستش کریں[2]۔ تمام ارضِ مقدس میں ہلچل مچ گئی اوراہلِ یہود مرنے مارنے پر تیار ہوگئے۔ ادھر قیصر بھی اس بات پر تلا ہوا تھاکہ وہ اپنا بُت

---

[1] J.B.De Serviez Lives of the Roman Empresses p.142.
[2] Josephus, Wars 2, 10, 184 ff.

قدس الاقداس میں نصب کرکے رہیگا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کشمکش کے دوران میں ۴۱ء کے شروع میں وہ قتل کیا گیا اوراس کے حکم پر عمل نہ ہوسکا۔

امریکی عالم ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے[1] کہ مرقس کی انجیل کے تیرھویں باب میں قیصر کے اس حکم کی طرف اشارہ ہے"۔ جب تم اس اُجاڑنے والی مکرہ چیز کو اس جگہ کھڑی ہوئی دیکھو جہاں اس کا کھڑا ہونا روا نہیں (پڑھنے والا سمجھ لے)۔ (۱۳: ۱۴)۔ مسیحی یہودیوں نے رومی قیصرکیلی گیولا کے حکم کو دانی ایل نبی کی پیشین گوئی کا پورا ہونا سمجھ لیا۔ غیرقوم مشُرک بُت پرست قیصرِروم کا بُت یروشلیم کی ہیکل کی قربانگاہ پر نصب کیا جائے اورموحد اس کی پرستش کریں!! اس قسم کے حکم کا مسیح موعود کی پہلی آمد کے بعد ہی دیا جانا ایک ایسی بے مثال " اجاڑنے والی مکرہ چیز" تھی جس کا ثانی ہزارسال تو الگ رہے دس ہزارسال میں بھی نہیں مل سکتا تھا اوراگر ۴۱ء کے شروع میں کیلی گیولا قتل ہ کیا جاتا توحالات نہایت نازک صورت اختیارکرلیتے"۔

اگر مقدس مرقس کی انجیل ۴۱ء یا اس سن کے بعد لکھی جاتی تو اس میں اس واقعہ کی جانب اشارہ نہ ہوتا۔ کیونکہ اس حکم پر عمل ہونے سے پہلے ہی قیصر کیلی گیولا قتل کردیا گیا تھا۔ پس اس عالم کے خیال میں یہ کتاب کیلی گیولا کے حکم کے بعد اوراس کے قتل ہونے سے پہلے درمیانی عرصہ ۴۰ء میں شائع ہوگئی تھی۔

ایک اورامریکی عالم ایف ۔ سی گرانٹ بھی لکھتا ہے[2] "بہتوں کا خیال ہے کہ" اجاڑنے والی مکرہ چیز" سے اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جب ۴۰ء میں قیصرکیلی گیولا نے حکم دیا تھاکہ اس کا بُت یروشلیم کی ہیکل میں نصب کیا جائے۔ یہودیوں اوریہودی مسیحیوں نے اس واقعہ کو دانی ایل نبی کی پیشین گوئی کی تکمیل سمجھا"۔ مشہورنقاد باوٹن تک کہتا ہے کہ اس امر کو ماننے میں ہمیں تامل نہیں کہ آیت ۱۴ سے کیلی گیولا کا حکم ثابت ہے گویہ عالم کہتا ہے کہ اس ماخذ میں اورانجیل مرقس کی تصنیف کے درمیان وقفہ کی ضرورت ہے۔ پس وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ۵۰ء کے

---

[1] G.C.Torrey, The Four Gospels p. 262.

[2] F.C Grant, The Earliest Gospel p.262.

قریب شائع ہوئی[1]۔ پروفیسر بیکن ڈاکٹر ٹوری کے نظریہ کے تائید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ" مرقس ۱۳: ۱۴ میں کیلی گیولا کے حکم کی طرف اشارہ ہے۔ دانی ایل کی نبوت (۱۱: ۳، ۳٦) اس کی بناء ہے۔ یہاں قیصر کی پرستش مراد ہے۔ جس یونانی لفظ کا" ترجمہ" مکرہ چیز" کیا گیا ہے وہ بے جنس ہے یعنی نہ وہ مذکر ہے اورنہ وہ مونث ہے لیکن فعل " کھڑا ہونا" ، " مذکر" ہے[2] پروفیسر مینسن لکھتا ہے : " مرقس کے الفاظ " اس اجاڑنے والی مکروہ چیز" سے کیا مراد ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ اس حکم کی پیشین گوئی ہے جو قیصرکیلی گیولا نے دیا تھا کہ اس کے بُت کی پرستش کی جائے۔ اہل یہود کے نزدیك " مکروہ چیز" سے مراد بُت یا بُت پرستی کا نشان تھا۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ یونانی متن میں گو وہ لفظ" مکروہ چیز" بےجنس اسم ہے لیکن فعل" کھڑا" مذکر ہے اورایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا مطلب یہ تھا کہ کوئی آدمی یروشلیم میں آئیگا تاکہ اس کی پرستش کی جائے بعض کا خیال ہے کہ لفظ " اجاڑنے والی" سے مراد نقیب یا شاہی یا کوئی شخص ہے جو ہیکل یا شہر کو اجاڑنے کا سبب ہوگا۔ دیگر علماء کا یہ خیال ہے کہ ان الفاظ سے مراد ایسی شے ہے جس سےلرزہ براندام ہوجائے یعنی کوئی نہایت مہیب اورنفرت انگیز قسم کی بُت پرستی ہے مثلاً قدس الاقداس میں رومی قیصر کے بُت کانصب ہونا"[3]۔

مندرجہ بالا آیات کے الفاظ" پڑھنے والا سمجھ لے" نہایت معنی خیز ہیں اوریہ ظاہر کرتے ہیں کہ انجیل نویس رازداری اوراخفاء کے پردہ میں اپنے ناظرین کوقیصر کے احکام بتلاکر خبردارکرتا ہے کیونکہ یہ قیصر نہایت ظالم اورجابر تھا۔ پس اس قسم کے الفاظ ۴۰ء کے سن تصنیف ہونے پر بھی گواہ ہیں۔ ۷۰ء کے بعد رازداری اوراخفا کے پردہ کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔

پروفیسر ڈاڈ کہتے ہیں کہ اگر ٹوری اوربیکن کے دلائل کو تسلیم کرلیا جائے تو" مکروہ چیز" سے مراد قیصرکیلی گیولا کی وہ ناپاك کوشش تھی کہ ہیکل میں اُس کا بات ۴۰ء میں نصب کیا

---

[1] Barton, Prof, Torrey's Theory of the Aramaic Origin of the Gospels in the J.T.S Oct.1935
[2] Blunt, St.Mark pp. (70-74).
[3] Manson,Mission & Message of Jesus p.159

جاۓ۔ لیکن اس کی مراد بر نہ آئی۔ پس مرقس ۱۳: ۱۴ سے اس انجیل کی آخری تاریخ متعین ہوسکتی ہے"[1]۔

فاضل مصنف پادری کیڈاؤ مقدس مرقس کی انجیل کے مختلف ماخذوں پر بحث کرکے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ انجیل پہلے پہل ۴۰ء میں لکھی گئی تھی[2]۔

پس خارجی واقعات اس قدیم ترین انجیل کی اندرونی شہادت کی ہر پہلو سے تائید کرتے ہیں اورہم پر یہ نتیجہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ انجیل ۴۰ء میں لکھی گئی۔ اگر مقدس پطرس کا ہاتھ اس انجیل کے لکھوانے میں تھا تویہ تاریخ مقدس پطرس کی زندگی کے واقعات کےمطابق بھی ہے۔ کیونکہ اعمال کے بارھویں باب میں ہیرودیس اگرپا کے عہدِ حکومت میں پطرس رسول کی قید اور رہائی کا ذکر ہے اوریہ ۴۴ء کا واقعہ ہے اوریروشلیم کے قحط سے پہلے کا واقعہ ہے جو مورخ جوزیفس کے مطابق ۴۵ء میں ہوا تھا۔ پس مقدس پطرس ۴۴ء کے موسم بہار میں کہیں چلے گئے تھے[3] اوریہ انجیل اس سے پہلے ۴۰ء میں احاطہ تحریر میں آچکی تھی۔

[1] Dodd, Parables of the Kingdome p. 52.(note)

[2] A.T.Cadoux, The Sources of the Second Gospels,See also Exp, Times for Jan,1936 p.161

فصل پنجم

مخالف علماء کے خیالات کی تنقید

ممالک مغرب کے علماء بالعموم کہتے ہیں کہ انجیل مرقس کی تاریخ تصنیف ۷۰ء ہے۔ یہ تاریخ دو وجوہ کی بناء پر مقرر کی گئی ہے جن پرہم اس فصل میں غورکرینگے۔

(۱)

کلیسیائی روایت ہے کہ یہ انجیل شہر روم میں لکھی گئی تھی۔ اگریہ روایت درست ہے توہمارا نتیجہ غلط ہوگا کہ مقدس مرقس نے یہ انجیل یروشلیم میں منجئی عالمین کی صلیبی موت کے دس سال بعد لکھی تھی۔ لیکن کیا یہ روایت ایسی ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ یا چوُن وچرا کودخل نہیں ہوسکتا؟

آبائے کلیسیامیں سے اس روایت کا صرف ایک شخص یعنی سکندریہ کا فاضل مقدس کلیمنٹ صریح، صاف اورغیر

[3]

مبہم اور واضح الفاظ میں ذکر کرتا ہے[1]۔ کلیمنٹ ۱۵۵ء تا ۲۲۰ء کا ہے۔ گو اس کی تصنیفات کا زمانہ ۱۹۰ء سے شروع ہوتا ہے پس اس بزرگ کا تعلق درحقیقت دوسری صدی کے آخر اورتیسری صدی کے اوائل سے ہے۔ اگر بالفرض مقدس مرقس نے اپنی انجیل ۷۰ء میں بھی لکھی ہوتاہم اس تاریخ میں کلمینٹ کی تصنیفات میں کم ازکم سوا سوسال کا فاصلہ حائل ہے۔

مقدس آئرینوس نے (۱۳۳ء تا ۲۰۳ء) اپنی کسی تصنیف میں واضح طورپر یہ نہیں کہا کہ انجیل مرقس روم میں لکھی گئی تھی۔ مقدس آئیرینوس مقدس پولی کارپ کے شاگرد تھے جن کو مقدس یوحنا نے سمرنا کا بشپ مقررکیا تھا۔ مقدس آئرینوس نے روم میں مختلف بدعتوں اوربالخصوص غناسطی بدعتوں کے خلاف متعدد لیکچر دئے تھے۔ان کی مشہورومعروف کتاب پانچ جلدوں میں ۱۸۲ء اور ۱۸۸ء کے درمیان لکھی گئی جب وہ لائینزLyons کے بشپ تھے۔ جب اس پایہ کا شخص مذکورہ بالا روایت کو بیان نہیں کرتا تو اسی کی خاموشی نہایت معنی خیزہوجاتی ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

علاوہ ازیں یہ روایت ایسی نہیں کہ جس پر کُل آبائے کلیسیا متفق ہوں۔ چنانچہ مقدس خرسستم کا یہ قول ہے کہ یہ انجیل ملک مصر میں لکھی گئی تھی[2]۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ اگریہ انجیل روم میں ۷۰ء میں لکھی گئی تھی تو مقدس مرقس کو کیاضرورت پڑی تھی کہ وہ ۱۳باب کے پمفلٹ کو اپنا ایک ماخذ بناتا یا اس باب کو لکھتا۔ یہ پمفلٹ یہودیہ کے یہودی مسیحیوں کے لئے لکھا گیا تھا۔ ۷۰ء میں حالات بدل گئے تھے پس اگرمرقس کی انجیل روم میں لکھی گئی تھی تواس نے ایک ایسے ورق کو کیوں شامل کرلیا جویہودیہ میں لکھا گیا تھا اوریہودیہ کے خاص حالاتِ ماضی سے ہی تعلق رکھتا تھا؟ کوئی سلیم العقل شخص یہ ماننے کو بھی تیارنہ ہوگا کہ یہ ورق تصنیف کے بعداس میں شامل کیا گیا تھا[3]۔

[1] See.H.D.A.Major, Jesus by an Eye witness,p. 11.

[2] Bishope Blunt, St.Mark (Clarendon Bible) p.29

[3] C.J.Cadoux, The Historic Mission of Jesus p. 12.

پس یہ روایت کہ مقدس مرقس نے اپنی انجیل کو شہر روم میں لکھا بہت بعد کے زمانہ کی ہے جو کم ازکم کسی محل دلیل کی بنیاد نہیں ہوسکتی۔

(۲)

دوسری دلیل بھی ایک ایسی روایت پر مبنی ہے جو راقم الحروف کے خیال میں ضعیف ہے۔ اس روایت کے مطابق انجیلِ مرقس مقدس پطرس رسول کی شہادت کے بعد لکھی گئی تھی۔ روایت یہ ہے کہ مقدس پطرس نے نیرو قیصر روم کی ایذارسانی کے زمانہ میں ۶۴ء میں جامِ شہادت پیا اور مقدس مرقس نے آپ کی شہادت کے بعد روم میں اپنی انجیل لکھی جو مقدس پطرس رسول کے خطبات پر مبنی تھی۔

(ا) کیا مقدس پطرس شہر روم گئے تھے؟ اگراس کا جواب اثبات میں ہے توآپ کس سن میں وہاں تشریف لے گئے تھے؟

(ب۔) کیا مقدس پطرس روم میں شہید ہوئے تھے؟

(ج۔) کیا مقدس مرقس نے اپنی انجیل مقدس پطرس کی وفات کے بعد لکھی تھی؟

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مقدس پطرس رسول شہر روم گئے تھے اوراگرگئے تھے توآپ کس زمانہ میں گئے تھے؟

روایت ہے کہ مقدس پطرس پچیس برس روم کے بشپ رہے۔ یہ روایت چوتھی صدی میں مروج تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ جب رسول نے قید خانہ سے رہائی حاصل کرکے یروشلیم کو چھوڑاتو لکھا ہے کہ "آپ" دوسری جگہ" چلے گئے (اعمال ۱۲: ۱۷)۔ اس " دوسری جگہ" سے یہ اصحاب مطلب شہر روم سے لیتے ہیں۔ لیکن اگریہ تاویل درست ہے تو جب ۵۰ء کے قریب یروشلیم میں پہلی کونسل منعقد ہوئی تو آپ یروشلیم میں کیسے پہنچ گئے ۔ یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ جب ۵۹ء میں مقدس پولوس روم لے جائے گئے (اعمال۲۸باب) تو مقدس پطرس وہاں نہیں تھے۔ اگر مقدس رسول بروئے روایت ۴۳ء میں روم کے بشپ تھے تو آپ ۵۰ء کے قریب یروشلیم کی کونسل میں کس طرح حاضر اور۵۹ء میں روم سے کیوں غائب تھے؟ مقدس پولوس نے روم کے مسیحیوں کے نام ۵۸ء میں خط لکھا لیکن اس میں مقدس پطرس کا نہ ذکر ہے اور نہ آپ کوسلام بھیجا گیا ہے حالانکہ اس خط کے سولھویں باب میں

رُوم کی کلیسیا کے سرکردہ اشخاص کی ایک لمبی چوڑی فہرست موجود ہے۔ علاوہ ازیں جوخطوط مقدس پولوس نے زندانِ روم سے لکھے تھے، اُن میں بھی مقدس پطرس کا نام تک نہیں ملتا۔ ان اور دیگر وجوہ کی بناء پر راقم الحروف کا خیال ہے کہ مقدس پطرس رسول شہر روم میں ۶۳ء سے پہلے تشریف نہیں لے گئے تھے۔

روایت کے مطابق مقدس پطرس رسول روم میں شہید کئے گئے تھے۔ اس روایت کے حق میں رُوم کے مقدس کلیمنٹ کی عموماً گواہی پیش کی جاتی ہے۔ لیکن مقدس کلیمنٹ نے جوخط روم سے ۹۶ء میں کرنتھیوں کو لکھا اس میں آپ واضح طورپر یہ نہیں فرماتے کہ مقدس پطرس شہر روم میں شہید کئے گئے تھے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ حسب ذیل ہیں[1]۔

پطرس نے اپنے ناراست حسد کے باعث ایک دونہیں بلکہ بہت محنتیں اورمشقتیں اٹھالیں اوراس طرح اپنی گواہی دے کر اپنے جلال کی مقرری جگہ کوچلاگیا"۔

(ج۔) عام روایت کے مطابق مقدس مرقس نے اپنی انجیل کو مقدس پطرس کی وفات کے بعد لکھا تھا لیکن سکندریہ کے مقدس کلیمنٹ تک اس روایت کے خلاف ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:[2]

" پطرس نے روم میں علانیہ کلام کی منادی کی ۔ اورروح القدس کی تحریک سے انجیل کی بشارت دی۔ پس بہتوں نے جو وہاں تھے مرقس سے درخواست کی کہ اس کے کلمات کو ایک مسلسل بیان کی صورت میں قلمبند کرے کیونکہ وہ مُدت تک مقدس پطرس کے ساتھی رہ چکے تھے اوراُن کو رسول کے کلمات یاد تھے۔ پس اُنہوں نے اپنی انجیل لکھی اوراُن کودی۔ جب پطرس نے (لوگوں کی درخواست کو) سُنا تواُس نے نہ تو منع کیا اورا ورنہ ترغیب دی"۔

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ مقدس کلیمنٹ کے خیال میں مقدس مرقس نے اپنی انجیل کو مقدس پطرس کی حین حیات میں ہی لکھا تھا۔

---

[1] Epistle to Corinthians, Chapter V (Lightfoot’s Translation)

[2] Eusebius H.E. VI.14.

بعض اصحاب نے مقدس آئرینوس کے الفاظ کی غلط تاویل کرکے یہ کہا ہے کہ آپ کے خیال میں مقدس مرقس نے اپنی انجیل کو مقدس پطرس رسول کی وفات کے بعد لکھا تھا۔لیکن چپ مین Chapman نے ایک مبسوط مضمون میں یہ ثابت کردیا ہے[1] کہ مقدس آئرینوس کے الفاظ کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو یہ علماءسمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر ہارنیک اپنی کتاب میں[2] اور آرچڈیکن ایلن اپنی تفسیر میں[3] اس قابل مصنف کی حمایت کرکے کہتے ہیں کہ مقدس آئرینوس کا مطلب یہ ہے کہ مقدس مرقس کی انجیلِ مقدس پطرس کی وفات سے پہلی لکھی گئی تھی اوریُوں اس رسول کی تعلیم اُس کی موت کے بعد بھی اس انجیل میں محفوظ رہی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مقدس آئرینوس مخالفینِ مسیحیت کے جواب میں دلیل کے دورانِ میں فرماتے ہیں کہ سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے بعد رسول انجیل جلیل کے علم سے معمورہوکر مختلف اطراف میں گئے اوراُنہوں نے مختلف ممالک میں اسی انجیل کی منادی کی جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کیونکہ دورسولوں نے تو خود انجیلیں لکھیں اورباقی دو انجیلیں رسولوں کے شاگردوں نے لکھیں۔ چنانچہ مقدس آئرنیوس کے الفاظ یہ ہیں:

متی نے عبرانیوں (یہودیوں) کے درمیان انجیل کی منادی کرنے کے علاوہ اُن کی اپنی زبان میں انجیل قلمبند کی۔ پطرس اورپولوس نے (کسی انجیل کولکھے بغیر یہود میں) انجیل کی منادی کی لیکن (اگرچہ وہ خود کسی انجیل کو لکھے بغیر وفات پاگئے تاہم) اُن کی وفات کے بعد (اُن کی منادی کا نفسِ مضمون محفوظ رہا)۔مرقس کی تحریر میں جو پطرس کا شاگرد اور مترجم تھا وہ باتیں موجود ہیں جن کی منادی پطرس کیا کرتا تھا۔ لوُقا نے جو پولوس کا ساتھی تھا ایک کتاب میں وہ انجیل لکھی ،جس کی منادی یہ رسول کیا کرتا تھا اورآخر میں یوحنا نے جو خداوند کا شاگرد تھا اپنی انجیل شائع کی جب وہ شہر افسس میں سکونت کرتا تھا"[4]۔

---

[1] Chapman, J.T.S Vol VIpp.563-569
[2] Date of Acts,Harnack p. 130
[3] Archdeacon Allen, Gospel according to St. Mark (Oxford Chruch Bibllical Commentaries) p.2.

[4] J.T.S Vol VI pp.565-566

پس مقدس آئرنیوس اس اقتباس میں مخالفین کے اس اعتراض کا جواب دیتا ہے کہ مقدس پطرس نے تو کوئی انجیل نہیں لکھی پس ہم کس طرح معلوم کرسکتے ہیں کہ اُنہوں نے کیا منادی کی تھی؟ وہ جواب دیتا ہے ، کہ اگر مقدس مرقس اورمقدس لوقا نے ان رسولوں کی منادی کو اپنی اناجیل میں اُن کی وفات سے قلمبند نہ کیا ہوتا تو یہ ممکن تھا کہ اُن کی منادی کے نفسِ مضمون کا پتہ نہ چلتا۔ لیکن اُن کی وفات کے بعد بھی وہ انجیلیں کلیسیا میں مروج ہیں جو اُن رسولوں کی وفات سے پہلے اُن کی حینِ حیات میں ہی لکھی گئی تھیں۔

پس مقدس کلیمنٹ اور مقدس آئرینوس دونوں اس روایت کو غلط بتلاتے ہیں کہ مقدس مرقس کی انجیل مقدس پطرس کی وفات کے بعد لکھی گئی تھی۔ مقدس اوریجن کہتا ہے (اورمقدس جیروم اس بات میں اس کا پیروکار ہے) کہ مقدس پطرس نے اس انجیل کو مقدس مرقس سے لکھوایا تھا[1]۔ لہذا وہ علماء یقیناً غلطی پر ہیں جو اس بنا فاسد پر اپنی دلیل قائم کرکے کہتے ہیں کہ انجیل مرقس ۷۰ء میں لکھی گئی تھی۔ اس کے برعکس جیسا ہم بتلاچکے ہیں یہ انجیل مقدس پطرس کی حینِ حیات میں سیدنا مسیح کی ظفریاب قیامت کے دس سال کے بعد لکھی گئی تھی۔

ہم اس کتاب کے حصہ دوم کے باب اوّل میں یہ ثابت کرآئے ہیں کہ مقدس پطرس کا مقدس مرقس کی انجیل سے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔بلکہ مقدس مرقس نے پطرس رسول کے علاوہ ایسے دیگر ماخذوں سے بھی کام لیا تھا جو قدیم ترین تھے۔ پس ان مخالفوں کی اس دلیل میں کوئی خاص وزن نہیں ہے۔ ہم ثابت کرآئے ہیں کہ یہ انجیل مختلف معتبر ترین ماخذوں سے تالیف کی گئی تھی، اورکلیسیا کے ابتدائی دورمیں خود معتبر شمار کی جاتی تھی۔ اس کا پسِ منظر، اس کی فضا، اسکے مضامین ، اس کے معتقدات ، اس کی اصطلاحات وغیرہ سب کے سب یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ قدیم ترین انجیل ۴۰ء میں احاطہ تحریر میں آئی یعنی سیدنا مسیح کی وفات کے صرف دس برس بعد لکھی گئی اوراس کا پایہ اعتبار اس کے لکھے جانے کے پہلے دن سے ہی مسلم گردانا گیا۔

[1] Beginnings of Christianity Part1, Vol2 pp. 351-356

باب چہارم

تاریخِ تصنیف انجیلِ متی

فصل اوّل

انجیلِ متی کا پسِ منظر

ہم اس رسالہ کے حصہ اوّل کے باب دوم میں بتلاچکے ہیں کہ کلیسیا کا آغاز،اُن ایمانداروں سے ہوا جو اہلِ یہود میں سے مسیح موعود پر ایمان لے آئے تھے۔چند ماہ کے اندراندر ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی اوروہ ارضِ مقدس کے مختلف کونوں میں پائے جاتے تھے۔ وہ بڑے زورشور سے تبلیغ کا کام کرتے پھرے کہ یسوع ناصری مسیحِ موعود ابن اللہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارضِ مقدس کے اندر رہنے والے یہود اوراس کے باہر سلطنتِ روم کے مختلف شہروں اور قصبوں کے یہود اوریونانی مائل یہوداور خدا پرست نومرید یہود ہزاروں کی تعداد میں چند سالوں کے اندر اندر منجئی عالمین کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ ان ہزارہا نومرید یہودیوں کے لئے استاد اورمعلم مقررکئے گئے تاکہ اُن کے ایمان کی استقامات ہو۔اُن کے لئے سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات کے مجموعہ کی نقلیں کی گئیں اورآپ کی مسیحائی ثابت کرنے کے لئے رسالہ اثبات لکھا گیا اوربیسیوں نے اس پر کمر باندھی کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئی ہیں اُن کو ترتیب وار بیان کریں"۔یوں ارضِ مقدس کے مختلف چشم دید گواہوں نے چھوٹے چھوٹے پارے ، کتابچے اور ورق لکھے تاکہ اُن یہودی نومرید مسیحیوں کے ایمان کومضبوط اورمستحکم کیا جائے۔

ہم حصہ دوم کے باب دوم میں مفصل بحث کرکے ثابت کرآئے ہیں کہ مقدس متی نے ان قدیم رسالوں، پاروں اورکتابوں کو اپنے ماخذ بنا کر ایک جامع انجیل یہودی نومرید مسیحیوں کے لئے لکھی جس کے خاکہ اورپلان سے ظاہر ہے کہ مصنف اپنے ناظرین پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہے کہ" نیا عہد" (پہاڑی وعظ وغیرہ) موسوی شریعت کی مانند ہے اورجس طرح وہ شرع سینا پہاڑ پر دی گئی اسی طرح سیدنا مسیح نے "پہاڑ پر چڑھ" کر اپنی نئی شریعت دی۔ اس کا مصنف عہدِ عتیق میں سے ایک سو سے زائد مقامات کا اقتباس کرتا ہے۔ یہ

صاحبِ کمال مصنف یہودی ربیوں کی سی طرزِتحریر اوراُن کی سی طبیعت اور مزاج کی افتادگی رکھتاہے، حتےٰ کہ یہ تصنیف یہودی رنگ میں رنگی ہے(متی ۱۳: ۵۲)۔ اس انجیل میں یہودی طرز سے اس قدرمماثلت ہے کہ انجیل دوم اور سوم میں اس کا نصف حصہ بھی نہیں ملتا۔ قدیم یہودی محاورات کو ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے جس سے صرف اہل یہود ہی مانوس تھے۔ علاوہ ازیں جن حصوں میں اس مصنف نے انجیل دوم کو نقل نہیں کیا اُن میں یہودی تارگم سے زبردست مشا بہت پائی جاتی ہے۔ بالخصوص جب یہ مصنف مختلف بیانوں یا تمثیلوں کو تین یاسات یادس کے عدد میں جمع کرتا ہے یاجب وہ ضرب الامثال کو بیان کرتاہے یا جب وہ رسمی غیرمتبدل Stereotyped الفاظ کو مقررہ ترتیب کے مطابق استعمال کرتاہے ۔ سرجان ہاکنس کےمطابق اس قسم کی ترتیبیں پندرہ کے قریب ہیں[1]۔ انجیل اوّل کےمصنف نے حضرت کلمتہ اللہ کے کلماتِ طیبات کو اس طرح لکھاہے، کہ آپ کے کلمات میں ارامی صنائع من وعن محفوظ ہیں۔ اس کا مفصل ذکر ہم انشاء اللہ آگے چل کر کرینگے۔ یہاں پر یہ بتلادینا کافی ہے کہ عہدِ عتیق کے عبرانی اقتباسات صاف ثابت کرتے ہیں کہ ان کی ابتدا ارضِ مقدس کنعان میں ہوئی کیونکہ رومی سلطنت کے کسی دوسرے حصہ میں عہدِ عتیق کی کتُب کا علم عبرانی میں موجودنہ تھا[2]

انجیل متی کی تمام فضا یہودی فضا ہے، مسیح موعود کی جماعت یعنی کلیسیا کی شریعت موسوی شرع ہے جو دیگر یہود کی طرح سبت کے احکام کی پابند ہے۔ (۲۴: ۲۰)۔ اگرچہ وہ فقیہوں اورفریسیوں کی خود ساختہ تاویلوں اورتفسیری قیود سے آزاد ہے اور بزرگوں کی روایات کی طرف سے بے نیازہے۔ یہ جماعت حرام حلال کی تمیز کو برقراررکھتی ہے اوریہ خیال کرتی ہے کہ مسیح موعود موسوی شریعت کو کامل کرنے والے ہیں، جنہوں نے شرعی احکام کی تاویل کے ایسے نئے اُصول وضع کئے ہیں جن سے ان احکام کی قدرت ومنزلت دوبالا ہوجاتی ہے۔ یہ فضا اعمال کے پندرھویں باب کی فضا ہے جو یروشلیم کی کلیسیا میں پہلی صدی کے پہلے

---

[1] Horce Synoptica pp. 168-73

[2] F.C. Burkitt, Gospel History and its Transmission p.128

نصف میں موجود تھی۔ ہم حصہ اوّل کے باب دوم کی فصل سوم میں بتلاچکے ہیں کہ اس انجیل میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ غیر یہود اقوام بھی جوق درجوق شامل ہوکر موسوی شریعت سے آزاد ہوکر زندگی بسرکریں گی۔

یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ جب ۴۹ء میں یروشلیم کی کونسل منعقد ہوئی تو حضرت کلمتہ اللہ کے بھائی حضرت یعقوب کی سرکردگی میں روح القدس کی زیرِ ہدایت رسولوں نے یہ فیصلہ کیاکہ " جو غیر اقوام سے خدا کی طرف رجوع ہوتے ہیں ہم اُن کو (شرعی احکام کے ماتحت رہنے کی) تکلیف نہ دیں" (اعمال ۱۵: ۱۹، ۲۹)۔اس تواریخی حقیقت سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی کونسل (۴۹ء) سےکم ازکم ایک دوسال پہلے شائع ہوچکی تھی۔

فصل دوم

انجیلِ متی کا سن تصنیف

انجیل متی میں حضرت کلمتہ اللہ کے ایسے اقوال لکھے ہیں جو آپ نے فریسیوں اور فقیہوں کی ظاہرداری،ریاکاری اورمذہبی نمائش کا پردہ چاک کرنے کے لئے فرمائے تھے (۵: ۲۰، ۶: ۲، ۵، ۱۶، ۱۲: ۲۴ تا ۴۵ ، ۱۵: ۳ تا ۱۵، ۲۱: ۳۱، ۴۲تا ۴۶، ۲۳باب وغیرہ)۔ منجئی عالمین کو مصلوب کرنے کے بعد قائدین یہود نے مسیحیوں کو " بدعتی" قرار دے دیا(اعمال ۲۴: ۱۴)۔ اوراُن کے رسولوں اورمبلغوں پرطرح طرح کا ظلم وستم ڈھایا۔ پس اس انجیل میں سیدنا مسیح کے وہ اقوال بالخصوص جمع کئے گئے ہیں جن میں آپ نے حواریوں کو آگاہ کردیا تھا کہ اہلِ یہود اُن کو ستائیں گے اور ایذائیں پہنچائینگے اورعدالتوں میں پیش کریں گے (۱۰: ۱۴تا ۳۹، ۱۵: ۱۱، ۱۲، ۲۱: ۲۳ وغیرہ)۔ بایں ہمہ انجیل کا مطالعہ یہ ظاہر کردیتا ہے کہ اس کی تصنیف کے وقت اہلِ یہود کو سیدنا مسیح کے قدموں میں لانے کی کوشش برابر جاری تھی۔ لیکن اس طریقِ کارکا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ روسائے یہود نے اُن کو ایذائیں پہنچائیں۔ اُن کو قتل اور سنگسار کا۔ فساد اوربلوے برپا کئے اوراُن کو شہید کرکے کلیسا کو پراگندہ کردیا۔ چنانچہ کتاب اعمال الرسل ان مسلسل ایذا رسانیوں کی گواہ ہے۔ یہ صورتِ حالات قیصر نیرو کے زمانہ تک رہی جو ۵۴ء میں

تخت نشین ہوا تھا ۔ لیکن نیرو کی سلطنت کےدنوں میں حالات دگرگوں ہوگئے۔ روسائے یہود کی بجائے قیاصرہ روم نے مسیحی کلیسیا اورمسیحیوں کا نام ونشان مٹانے کا تہیہ کرلیا۔

لیکن اس انجیل میں کسی باقاعدہ ایذارسانی کا ذکرتوالگ ،نشان تک ہم کو نہیں ملتا جس سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل نیرو کی ایذا رسانی (۶۴ء) سے بہت پہلے تالیف کی گئی تھی۔ اس ایذارسانی میں مقدس پولوس اورمقدس پطرس رسول کو درجہ شہادت نصیب ہوا تھا۔ اس انجیل کو پڑھنے سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ تاحال ایسا زمانہ نہیں آیا تھا جب قیاصرہ روم نے کلیسیا کو کچلنے اوراس کو بیخ وبُن سے اکھاڑنے کی ٹھان لی تھی۔ اس انجیل میں باربار مسیح کی خاطربرداری سے خارج کئے جانے ۔ ترک موالات ہونے ، میل جول کے چھوڑے جانے اورعام حقوق سے محروم ہوجانے کا ذکرآتا ہے ۔لیکن قیاصرہ روم کے احکامِ عقوبت وایذارسانی کا نشان تک نہیں پایا جاتا ۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس انجیل کے زمانہ تصنیف کا ماحول وہی ہے جس کا ذکر اعمال کی کتاب کے پہلےنوابواب میں پایا جاتا ہے۔ پس یہ انجیل ۵۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی۔اگریہ انجیل ۸۰ء یا ۹۰ء میں لکھی جاتی جیسا بعض علمائے مغرب کا خیال ہے[1]۔ تو اس میں حضرت کلمتہ اللہ کے وہ اقوال موجود نہ ہوتے جن کا تعلق ایک ایسے زمانہ سے تھا جو نہ صرف گذرچکا تھا بلکہ مٹ چکا تھا۔ اوریہودی قوم خود پراگندہ ہوکر روئے زمین کے مختلف ممالک میں منتشر ہوچکی تھی۔ پس اس انجیل میں جو یہودی مخاصمت کی فضاموجود ہے ۔ وہ پہلے صدی کے پہلے نصف کی فضا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل ۵۰ء سے پہلے لکھی گئی تھی۔

(۲۔)

اگر یہ انجیل پہلی صدی کے پہلے نصف کے بعد لکھی جاتی تو وہ ہرگز مقبول عام ہوکر انجیلی مجموعہ میں جگہ نہ پاتی ۔ کیونکہ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) کے بعد اہلِ یہود پراگندہ ہوگئے تھے اورغیر یہود لاکھوں کی تعداد میں مسیحی کلیسیا میں شامل ہوچکے تھے۔ یہ غیر یہود مسیحی تمام

---

[1] Peake's Commentary p. 700 (b)

موسوی شریعت کی قیود سے آزاد ہوچکے تھے۔ رسولوں کے اعمال کی کتاب اورمقدس پولوس کے خطوط ثابت کرتے ہیں کہ ۶۰ء سے پہلے تمام غیریہود مسیحی ان بندھنوں سے آزاد ہوگئے تھے۔دریں حالات کلیسیا کو اس بات کی ضرورت ہی نہ رہی تھی کہ وہ ایسی کتاب لکھے یا لکھوائے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہو کہ یسوع ناصری موسوی شریعت کی نئی تفسیرکرنے والا ، اہل یہود کا مسیح موعود ہے۔ غیریہودی کلیسیا کو کسی ایسی کتاب سے دل بستگی نہ ہوسکتی تھی جس میں وہ خصوصیات ہوں جن کا ذکر ہم نے حصہ دوم کے باب دوم کی فصل دوم کے تحت کیا ہے۔

جب ہم ان خصوصیات پر نظر کرتے ہیں اورپھر دیکھتے ہیں کہ یہ انجیل کلیسیا کی پہلی دو صدیوں میں ایسی مقبولِ خاص وعام ہوگئی تھی کہ اس کوبالخصوص " الانجیل" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا توہم اس کی مقبولیتِ عامہ کودیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں ۔ اس مقبولیت کا سبب یہ تھا کہ یہ انجیل یروشلیم کی تباہی کےوقت ۷۰ء میں ایسی قدیم اورقابلِ اعتبار اورجامع خیال کی جاتی تھی کہ اس کی قدامت کی وجہ سے کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا کہ حالات کے تبدیل ہوجانے کی وجہ سے اورکلیسیا میں غیریہود عناصر کی اکثریت کی وجہ سے اس انجیل کی تلاوت کرنا یا اس کی نقلیں کرنا بند کردے۔ پس یہ انجیل ۴۹ء کے قریب لکھی گئی تھی۔ جب" یہودیوں میں سے ہزارہا آدمی ایمان لے آئے تھے"۔ (اعمال ۲۱: ۲۲) اورکلیسیا کو اس بات کی ضرورت تھی کہ وہ یہ ثابت کرے کہ یسوع ناصری اہل یہود کا مسیح موعود ہے " جس کی پیشین گوئی نبیوں نے بھی کی ہے"(۲: ۲۲تا ۳۶، ۲۶: ۲۲تا ۲۳ وغیرہ)۔ تصنیف کے بیس سال کے اندراس انجیل نے مسیحی کلیسیا کے دل میں ایسا گھر کرلیاکہ یروشلیم کی تباہی کے بعد کلیسیا میں غیر یہود نومریدوں کی زبردست اکثریت کے باوجود اس انجیل نے عہدِ جدید کے مجموعہ میں جگہ پالی۔

(۳۔)

انجیل متی میں ہی ان سکوں کے نام پائے جاتے ہیں جو ارضِ مقدس میں یروشلیم کی تباہی سے پہلے رائج تھے۔مثلاً نیم مثقال ، اورمثقال(۱۷: ۲۴تا ۲۷)۔ مثقال کا سکہ تقریباً

دورپیه کا تھا اورہر ایک یہودی کو یہ سکہ ہیکل کے اخراجات کے لئے سالانہ دینا پڑتا تھا۔ رومی سکہ دینار تھا جس پر قیصر روم کی تصویر ہوتی تھی۔ (مرقس ۱۲: ۱۵)۔ پس اس کا ہیکل میں لے کر جانا ممنوع تھا۔ صرف مثقال کا سکہ ہی ہیکل میں جاسکتا تھا۔ لیکن جب ہیکل تباہ وبرباد ہوگئی تو قدرتاً نہ یہ سکہ مروج رہا نہ لفظ مثقال مروج رہا اورنہ ۷۰ء کے بعداس لفظ کو کوئی سمجھ ہی سکتا تھا۔ پس اس سکہ کے لفظ کا استعمال ثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی تباہی سے برسوں پہلے لکھی جاچکی تھی۔

(۴۔)

ساٹھ سال کا عرصہ ہوا پروفیسر برکس T.R.Birks نے یہ ثابت کیا تھا[1]۔ کہ متی کی انجیل ۴۴ء سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اس کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ مقدس مرقس اورمقدس لوقا اور مقدس یوحنا جب کبھی پلاطوس کاذکر کرتے ہیں تو ہمیشہ اس کا نام لیتے ہیں اورکبھی اس کو محض " گورنر" کا خطاب ہی دیتا ہے(۲۷: ۱۱ وغیرہ)۔ گو وہ اس کا نام بھی بتلاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کوئی مصنف ۴۴ء کے بعد پنطوس پلاطوس کاصرف " گورنر" کے عہدہ سے ذکر نہیں کریگا کیونکہ اس کے بعد پلاطوس کے جانشین گورنر تھے۔ یہ دلیل بطورایک مستقل دلیل کے زور اور وزن نہیں رکھتی ۔ لیکن جب یہ دیگردلائل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ انجیل ۵۰ء کے قریب لکھی گئی تھی تویہ دلیل اس بات کی معاون ہو سکتی ہے کہ انجیل کی تصنیف کے وقت پلاطوس کی گورنری نزدیک کا واقعہ تھا اوراس کی تصنیف میں اورپلاطوس کی گورنری میں قریباً چالیس سال کا وقفہ نہیں تھا۔

(۵۔)

ہم گذشتہ باب کی فصل چہارم میں ذکر کرآئے ہیں کہ متعدد علماء انجیل مرقس کے الفاظ" اجاڑنے والی مکروہ چیز" (۱۳: ۱۴) سے مراد قیصر کیلی گیولا کا بُت لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں اس قیصر کے حکم کی جانب اشارہ ہے جو اس کے قتل ہونے کی وجہ سے پورا نہ کیا گیا۔

---

[1] Exp. Times Aug.1910 p. 523 note by Engene Stock on the Date of First Gospel.

یہ امر قابلِ غور ہے کہ جب مقدس متی اس مقام پر (۲۴: ۱۵)۔ انجیل مرقس کی نقل کرتا ہے تو وہ جُملہ معترضہ " پڑھنے والا سمجھ لے" کو جو قوسین میں ہے نقل کردیتا ہے کہ لیکن وہ الفاظ" جس کا ذکر دانی ایل نبی کی معرفت ہوا" ایزا کردیتا ہے جو مقدس مرقس کی انجیل میں نہ پائے جاتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مقدس متی ان الفاظ سے وہ مطلب نہیں لیتا جو مقدس مرقس لیتا ہے کیونکہ کیلی گیولا قتل ہوچکا تھا اور بلاٹل گئی ہوئی تھی۔ لیکن مقدس متی یہ خیال کرتا ہے کہ دانی ایل نبی کی پیشینگوئی (۱۱: ۳۱) پوری ہونے کو ہے اورقوسین کے الفاظ وہ کسی دُوسرے واقعہ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مقدس لوقا ان الفاظ کو سرے سے نقل ہی نہیں کرتا۔

یہ بات معنی خیز ہے کہ عہد جدید کے مختلف مصنف اپنے اپنے خیال کے مطابق دانی ایل نبی کی پیشین گوئی کی تاویل کرتے ہیں کیونکہ پہلی صدی کے پہلے نصف میں حالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔ چنانچہ مرقس اس کی ایک تاویل کرتے ہیں اور مقدس متی اس کی دوسری تاویل کرتے ہیں ۔ مقدس پولوس اس " اجاڑنے والا مکروہ چیز" کو گناہ کا شخص یعنی ہلاکت کا فرزند مخالف مسیح" (۲۔ تھسلنیکیوں۲: ۲تا ۴) خیال کرتے ہیں۔مقدس پولوس کے الفاظ ۵۰ء میں لکھے گئے تھے ۔ پس مقدس متی کے الفاظ بھی اسی زمانہ کے قریب کے ہیں۔

مقدس متی کے قوسین کے الفاظ" پڑھنے والا سمجھ لے" ثابت کرتے ہیں کہ جس واقعہ کی طرف وہ اشارہ کرتے ہیں اس کو وہ ظاہرا طورپر بیان نہیں کرسکتے ۔ پس ان الفاظ کو نقل کرکے وہ اخفا کا پردہ اُس واقعہ پر ڈال دیتے ہیں ۔ اگریہ انجیل ۸۰ء یا ۹۰ء میں لکھی جاتی تو اس اخفا کی ضرورت کیا تھی؟ کیونکہ ۷۰ء کے بعد حالات کلیتًہ تبدیل ہوچکے تھے بلکہ اس سال سے پہلے ہی وہ ایسے بدل چکے تھے کہ ۷۵ء میں جب مقدس لوقا نے اپنی انجیل لکھی تو اس مقام میں ان الفاظ کو نقل کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ یہ انجیل ۵۰ء کے قریب لکھی گئی تھی۔

(٦)

انجیلِ متی میں سیدنا مسیح کی آمد ثانی پر خاص طورپر زوردیا گیا ہے۔ آخری عدالت کا موضوع نہایت

سنجیدگی سے پیش کیا گیا ہے (۲۵باب) اورمختلف تمثیلوں کے ذریعہ اس سوال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس انجیل کے مطابق آنخداوند کی آمد ثانی بالکل نذدیک ہے(۱۰: ۲۳، ۱۶: ۲۸، ۲۴ : ۳۴ وغیرہ) آپ کی آمد" دنیا کے آخر ہونے کا نشان" ہوگی(۲۴: ۳)۔ اوریہ دونوں واقعات یروشلیم کی تباہی کے فوراً بعد ظہورپذیر ہونگے۔ (۲۴: ۳۰تا ۳۲)۔ اوریہ سب باتیں موجودہ نسل کی آنکھیں دیکھینگی(۲۴: ۳۴) سردار کاہن اور قائدین یہودابنِ آدم کو قادرِ مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اورآسمان کے بادلوں پرآتے" دیکھینگے (۲۶: ۶۴) ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس انجیل کے مصنف کا یہ ایمان تھاکہ اس کے خداوند کی آمد بالکل نذدیک ہے۔ ورنہ وہُ اس کے اقوال درج نہ کرتا اورآمد ثانی کے قریبی ظہور کے لئے مرقس ۹: ۱ کےالفاظ کو نہ بدلتا (متی ۱۶: ۲۸) پس یہ انجیل زمانہ انتظار کے دوران میں لکھی گئی (۱۶: ۲۸) جب ابھی سیدنا مسیح کے ہم عصروں کی نسل موجود تھی(۲۴: ۳۴) اورمسیحی مبلغین" اسرائیل کے سب شہروں میں" نہ پھر چکے تھے(۱۰: ۲۳) اور حضرت کلمتہ اللہ کے سامعین میں سے بعض ایسے تھے جنہوں نے ابھی " موت کا مزہ نہیں" چکھا تھا"(۱۶: ۲۸) پس اس انجیل کےلکھنے کے وقت حضرت متی اور دیگر رسولوں کی شوق نگاہیں آنخداوند کی آمدِ ثانی کا انتظارکررہی تھیں ۔ مسیحی کلیسیا میں اس زمانہ کا نقشہ مقدس پولوس کے ان خطوط میں مفصل طورپر موجود ہے جوآپ نے تھسلنیکی کی کلیسیا کو ۵۰ء کے قریب لکھے تھے۔ ان خطوط اورانجیل متی کے اس مقام کی فضا ایک ہی ہے پس یہ انجیل بھی ۵۰ء کے لگ بھگ احاطہ تحریر میں آئی تھی۔

علاوہ ازیں پولوس رسول کے کلیسوں کے خط سے ظاہر ہے کہ جب یہ خط لکھا گیا تھا مقدس متی کی انجیل کلیسیا میں مروج تھی۔ چنانچہ کلسیوں ۳: ۱۳ میں اس انجیل کے مقام (۱۸: ۲۳تا ۳۵) کی طرف اشارہ ہے۔ یہ خط مقدس پولوس کی قید کے زمانہ کا ہے۔ پس یہ انجیل ۶۰ء میں نہیں لکھی گئی تھی۔

(۷)

ہم مقدس لوقا اور مقدس مرقس کی اناجیل کی تاریخوں کے تعین کی بحث میں ثابت کر آئے ہیں کہ ان

انجیلوں میں یروشلیم کی تباہی اورہیکل کی بربادی کے واقعہ کا نہ تو ذکر ہے اورنہ اس کی طرف ان میں اشارہ تک پایا جاتا ہے۔ جب ہم مقدس متی کی انجیل کا غائر مطالعہ کرتے ہیں تو اس انجیل میں بھی اس واقعہ کا نشان تک نہیں پاتے۔

اگریہ انجیل ۸۰ئ یا ۹۰ئ میں لکھی جاتی تو یہ ناممکن امر ہے کہ مقدس متی ہیکل کی تباہی کی پیشین گوئی کے پورا ہونے کا ذکر نہ کرتا (۲۴: ۲)۔ جیسا ہم بتلاچکے ہیں یہ انجیل نویس، نبوتوں کے پورا ہونے پر نہایت زوردیتا ہے پس اگر یروشلیم برباد اورہیکل نذرِآتش ہوچکی ہوتی تو وہ اس نبوت کے پورا ہونے کا ضرور ذکر کرتا کیونکہ اسی باب میں وہ خداوند کے صادق القول ہونے کا ایک کلمہ درج کرتا ہے جس میں سیدنا مسیح نے فرمایا ہے کہ" دیکھو میں نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا ہے"(آیت ۲۵)۔

متی ۲۷: ۲۴تا ۳۵ سے ظاہر ہے کہ رسول اورمسیحی کلیسیا سب کے سب یہود کی گردنوں پر سیدنا مسیح کے مصلوب کروانے کی ذمہ داری ڈالتے تھے۔ (استشنا۲۱: ۶، زبور ۲۶: ۶، ۷۳: ۱۳)۔ اگراس انجیل کی تصنیف کے وقت ہیکل برباد ہوگئی ہوتی تواس کتاب میں یہود کی قوم کی ذمہ داری کے نتیجہ اورالہٰی مواخذہ اورسزا اورعذاب کا ضرور ذکر کیا جاتا۔ ایک اورامر قابل ذکر ہے کہ اس انجیل میں آنخداوند کی آمدِ ثانی کویروشلیم کی تباہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔(۱۴: ۳، ۳۴ اور۱۶: ۲۸)۔ اگریہ انجیل یروشلیم کی تباہی سے پہلے نہ لکھی گئی ہوتی تواس واقعہ کے بعد اس انجیل کا پایہ اعتبار وہ نہ رہتا جو پہلی صدی کے اواخر میں اس کو حاصل تھا۔

حق تو یہ ہے کہ جس طرح ہم اس باب کی پہلی فصل میں بتلاچکے ہیں اس انجیل کی تاریخ تصنیف کا تعلق یروشلیم کی کونسل (۴۹ئ) کے ساتھ ہے۔ یروشلیم کی بربادی واقعہ اس انجیل کی تصنیف کے ربع صدی بعدکا ہے۔ پس یہ انجیل اس زمانہ میں لکھی گئی جب کہ اہلِ یہود بحیثیت ایک قوم کے ارضِ مقدس میں رہتے تھے۔اوراُن کا تمدن، تہذیب ، ثقافت وعلم ،ادب روایات وغیرہ سب برقرارتھے اوران کی تباہی اورپراگندگی کا کسی کو سان وگمان بھی نہ تھا بالفاظ دیگر یہ انجیل ۵۰ئ کے لگ بھگ، احاطہ تحریر میں آچکی تھی[1]۔

---

[1] Archdeacon Allen St.Matthew (International Commentary) and A.T. Cadoux, Sources of the Second Gospel, Exp Times Jan.1936 p. 161

ایک اور امر قابل ذکر ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ اس انجیل کا تعلق کلیسیا کی زندگی کے ابتدائی ایام کے ساتھ ہے۔ پہاڑی وعظ میں ان تمام حالا ت کا عکس پایا جاتا ہے جو آنخداوند کے زمانہ کے حالات تھے اورجو آپ کے گردوپیش کا ماحول تھا۔ اُس وقت ابھی تک فقیہہ اپنے حریف فریسی پارٹی کے ممبر نہیں تھے اوردونوں پارٹیوں کی تنظیم الگ الگ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجیل میں باربار" فقیہہ اورفریسی" یعنی دونوں پارٹیوں کے نام پائے جاتے ہیں ۔ سیدنا مسیح کے بعد کے زمانہ میں دوپارٹیوں کا وجود ختم ہوگیا تھا[1] ۔ حق تو یہ ہے کہ انجیل متی کا پایہ اعتباراس قدربلند ہے کہ جارج مُورجیسا نامورمحقق کہتا ہے کہ " اناجیل اربعہ میں سے متی کی انجیل ایسی ہے جو پہلی صدی کی یہودیت کے حالات کا علم حاصل کرنے کےلئے نہایت معتبر ماخذ ہے[2] ۔

اہلِ یہود کی تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ ۷۰ئ کے بعد سالہاسال تک یروشلیم کی تباہی اورقومِ یہود کی پراگندگی کی وجہ سے فقیہوں اورفریسیوں کے طبقہ میں اوریہود نومرید مسیحیوں میں بحث کا امکان ہی ختم ہوگیا تھا ۔ جس قسم کی بحث کا انجیل متی میں ذکر ہے وہ دوبارہ دوسری صدی میں تب شروع ہوئی تھی جب اہلِ یہود اپنی قومی زندگی کے صدمہ سے سنبھل چکے تھے۔ لیکن اس زمانہ میں تویہ انجیل جابجا کلیسیاؤں کے ہاتھوں میں تھی اورمقبول عام ہوچکی تھی۔انجیل کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ وہ بحث کی گرما گرمی اور جذبات کی برانگیختگی سے معمورہے۔ پس اگرہیکل کی تباہی زمانہ ماضی کی بات ہوتی اوراس انجیل کی تصنیف سے پہلے وقوع میں آگئی ہوتی توانجیل کا مصنف اس زبردست حربہ کا ضروراستعمال کرتا اورثابت کرتاکہ قوم یہود کی تباہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ قوم نے اپنے مسیح موعود کو رد کردیا تھا اورقوم کواس کی پاداش میں یہ سزا ملی۔

اس سلسلہ میں اس انجیل کے ۲۷باب کی ۸آیت کے الفاظ "آج کے دن تک" خاص طورپر قابلِ غورہیں۔ کیونکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ انجیل لکھی گئی تھی تب قومِ یہود

---

[1] St.Matthew (Century Bible 1922) pp.52-53
[2] George F. Moore, Judaism in the First Centuries of the Christian Era (Quoted by Filson, Origin of the Gospels) p. 186

ابھی پراگندہ نہیں ہوئی تھی اورنہ ہیکل اورنہ یروشلیم کا شہر مسمارویران ہوا تھا۔ یہی بات ۲۸: ۱۵سے مترشرح ہوتی ہے۔

پس انجیل کی اندرونی شہادت یہ ثابت کرتی ہے کہ انجیل کی فضا آنخداوند کی وفات کے چند سال بعد کی ہے، جب مقدس پطرس کلیسیا کے عملاً سربرآدرہ قائد تھے اورجب فقیہہ اورفریسی کلیسیا کے جانی دشمن تھے لیکن یہودی نومرید موسوی شریعت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ کیونکہ اُن کا یہ ایمان تھا کہ مسیح موعود نے شریعت کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کومکمل کیاہے۔ یہ فضا دورِاوّلین کی فضا ہے اوراس انجیل کی قدامت اورپایہ اعتبار کی گواہی ہے۔

پس اس انجیل کی یہ تعلیم کہ خدا کی بادشاہی کا قیام عنقریب ہونے والا ہے ثابت کرتی ہے کہ یہ یروشلیم کی تباہی سے بہت پہلے احاطۂ تحریر میں آچکی تھی۔ اس کی یہ تعلیم کہ شریعت منسوخ نہیں ہوئی اور شریعت کے احکام کا جواز ثابت کرتا ہے کہ یہ انجیل یروشلیم کی کونسل سے کچھ عرصہ پہلے یا کچھ مُدت بعد لکھی گئی تھی۔ اس کا مصنف اعمال ۱:۱۵کے خیالات کا انسان ہے ، (۵: ۱۷- ۲۰، ۱۵: ۲۴، ۷: ۶) پس یہ انجیل .ہئی کے لگ بھگ کی تصنیف ہے۔

فصل سوم

انجیلِ متی اورانجیلِ مرقس کا باہمی تعلق اوراُن کی قدامت

ہم حصہ اوّل کے باب دوم کی فصل سوم میں ثابت کر آئے ہیں کہ مقدس متی نے انجیل مرقس کے نہ صرف ترتیب واقعات اوربیانات بلکہ الفاظ تک کو نقل کیا ہے اوراس خوبی سے اپنالیا ہے کہ اس کی انجیل ایک نئی اورتازہ تصنیف ہوگئی ہے۔ اُس نے مرقس کے بیانات کواس طرح ازسرِنو ترتیب دیا ہے اوراس ترتیب میں حضرت کلمتہ اللہ کے دیگرکلماتِ طیبات ، سوانحِ حیات اورمعجزات وغیرہ کو اس طرح پیوست کردیا ہے کہ انجیلی بیان آراستہ اورپیراستہ ہوگیاہے۔ مرقس کی انجیل میں ۶۶۱آیات ہیں۔ مقدس متی نے ان میں سے چھو سو سے زائد آیات کا استعمال کیا ہے لیکن دونوں مصنفوں کی طرزِتحریر ایسی ہے کہ گو مقدس متی نے ان چھ سو آیات کا استعمال کیا ہے پر اُس کی انجیل کی ۱۰۶۸آیات میں مرقس کی یہ تمام آیات نصف حصہ سے ذرا کم

ہیں۔ تاہم انجیلِ اوّل میں مقدس مرقس کی انجیل کے اکیاون فیصد الفاظ موجود ہیں[1]۔

ان امور سے ثابت ہے کہ مقدس متی کی انجیل، مقدس مرقس کی انجیل کے بعد لکھی گئی تھی۔ ہم نے گذشتہ باب میں ثابت کردیا ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل ۵۰ء میں احاطہ تحریر میں آگئی تھی ۔ چونکہ انجیل کے لکھے جانے اوراس کے مختلف شہروں کی کلیسیاؤں میں رواج پاکر مقبول ہونے میں وقفہ درکار ہے اوراگرہم اس عرصہ کے لئے دس سال کی طویل مُدت قراردے دیں تو ہم اسی نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں جس پر ہم اندرونی شہادت اوردیگر وجوہ کے باعث پہنچے ہیں کہ یہ انجیل ۶۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی۔

جو اصحاب انجیل اوّل کے لئے ۷۰ء کے واقعہ ہائلہ کے بعد کا زمانہ تجویز کرتے ہیں وہ نہ تو اُس کے زمانہ تصنیف پر متفق ہیں اورنہ اُس کی جائے تصنیف پر اتفاق کرتے ہیں۔ وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ " انجیل اوّل مرقس کے بعدلکھی گئی تھی" لیکن اس کے آگے وہ کسی بات پر اتفاق نہیں کرتے بعض کہتے ہیں کہ" شائد وہ لوقا کے بعد لکھی گئی تھی۔ بلکہ ممکن ہے کہ انجیل یوحنا کے بعد لکھی گئی ہو۔ وہ یہ نہیں بتلاسکتے کہ وہ کب لکھی گئی اورنہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کہاں لکھی گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ روم میں لکھی گئی تھی ۔ بعض ایشیائے کوچک کا نام لیتے ہیں بعض شام اور یروشلیم بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ کسی ایسے مرکز میں لکھی گئی تھی جہاں اہلِ یہود ہجرت کرکے چلے گئے ہوئے تھے۔ لیکن یہ سب قیاسات ہی ہیں[2]۔ " چنانچہ ڈاکٹر مانٹی فیوری لکھتا ہے :

" بعض کا خیال ہے کہ مقدس متی انجیل لوقا سے واقف تھا ۔ بعض کہتے ہیں کہ لوقا انجیل اوّل سے واقف تھا لیکن اغلب یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی انجیلوں سے ناواقف تھے[3]"۔

لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم اُوپر بتلاچکے ہیں کہ یہ انجیل ۶۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی تھی اوریہودی مسیحی

---

1 Oxford Studies in the Synoptic Problem pp. 85 ff.

2 H.L. Jackson , The Present State of the Synoptic Problem in Camb Biblical Essays p. 424

3 G.C. Montefiore, The Synoptic Gospel Vol1.pXCI.

کلیسیاؤں میں جو ارضِ مقدس میں ہر چہار طرف تھیں مقبول عام ہوگئی کیونکہ اس کے واقعات کا تعلق اُن سوالات اورمسائل کے ساتھ تھا جو کنعان کی کلیسیا کے سامنے تھے[1]۔

فصل چہارم

مخالف علماء کے دلائل کی تنقید

متعدد علماء کا یہ خیال ہے کہ انجیل متی پہلی صدی کے پہلے نصف کے لگ بھگ نہیں لکھی گئی تھی بلکہ اس کی تصنیف کے لئے پہلی صدی کا آخر تجویز کرتے ہیں اوراس کے لئے مختلف دلائل پیش کرتے ہیں۔ ہم اس فصل میں ان دلائل کا موازنہ اورتنقید کرکے ان کی خامیاں ناظرین پر ظاہر کریں گے۔

(۱۔)

ان سرکردہ علماء میں پروفیسر پیک کا نام ان کے علم وفضل کی وجہ سے خاص طورپر قابل ذکر ہے۔ موصوف کہتے ہیں کہ انجیل متی سے ظاہر ہے کہ اس میں نجات کا تصوریہ ہے کہ وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے ہے۔ پس یہ انجیل ہمہ گیر ہے اورا سکی ہمہ گیری ثابت کرتی ہے کہ یہ انجیل پہلی صدی کے آخر میں لکھی گئی تھی[2]۔ علماء کا یہ گرو ہ اس انجیل کی جامعیت کو ثابت کرنے کے لئے چند مقامات پیش کرتا ہے ۔ ہم ان مقامات کی یکے بعد دیگرے جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

اوّل۔ یہ علماء کہتے ہیں کہ اس انجیل میں سیدنا مسیح کے حسبِ ذیل کلمات درج ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ سیدنا مسیح کی نجات کی خوشخبری یہود اور غیر یہود دونوں کے لئے ہے:

(۱۔) " میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ بہتیرے پورب اور پچھم سے آکر ابراہام اوراضحاق اوریعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کی ضیافت میں شریک ہوں گے مگر بادشاہی کے بیٹے باہر اندھیرے میں ڈالے جائینگے"(۸: ۱۱تا ۱۲)۔

(۲۔) " خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائیگی اوراس قوم کو جواس کے پھل لائے دے دی جائیگی"(۲۱: ۴۳)۔

[1] Burkitt, The Gospel History and its Transmission p. 191.

[2] Peake, Critical Introd. To N.T. p.123

(۳۔) " بادشاہی کی اس خوشخبری کی منادی تمام دنیا میں ہوگی تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی ہو تب خاتمہ ہوگا" (۲۴: ۱۴)۔

(۴۔) ہم اوپر ذکرکر آئے ہیں کہ یہ انجیل یہودی خیالات ، تصورات اور جذبات سے بھری پڑی ہے اوراس کا دائرہ یہودیت سے باہرنہیں جاتا۔ اس انجیل میں غیریہود کی نسبت جوروایہ اختیارکیا گیا ہے وہ۱۰: ۵، ۶ کے احکام اور۱۵: ۲۴تا ۲۶ سے ظاہر ہے ۔ پس سوال یہ پیداہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مقامات کا کیا مطلب ہے؟

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی پکا اور راسخ الاعتقاد فریسی غیریہود کو یہودیت کے حقوق سے بازنہیں رکھتا تھا کیونکہ عہدِ عتیق کی کُتُب میں باربار ایسے متعدد مقامات آئے ہیں جن کے مطابق غیریہود اقوام یہودیت کے تمام حقوق سے بہروہ ہوں گی۔ علیٰ ہذا لقیاس ہر یہودی مسیحی خواہ وہ مقدس پولوس کے طرق عمل کا کیسا ہی مخالف کیوں نہ ہو مسیح موعود کے احکام اور فرمان کو بلاچون چرا تسلیم کرتا تھا۔ پس مذکورہ بالا آیات کے الفاظ کو یہ یہودی مسیحی تسلیم کرتے تھے۔ ان کے نزدیک غیریہود سے مراد" خدا پرست نومرید" (اعمال ۱۳: ۴۳) تھے جن کو مرید بنانے کے لئے فقیہہ اورفریسی" تری اورخشکی کا دورہ" کرتے تھے۔(۲۳: ۱۵)۔ اورجو " ابراہام اور اضحاق اوریعقوب کےساتھ آسمان کی بادشاہی میں ضیافت میں شریک ہوں گے "(۸: ۱۱)۔ بالفاظ دیگر وہ یہودیت کے تمام حقوق میں برابر کے شریک ہوں گے۔ پس یہودی جو کلیسیا میں شامل ہوکر منجئی جہان پر ایمان لے آئے تھے ، وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ غیریہود کلیسیا میں شامل ہوسکتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ وہ شریعت کو مانیں(اعمال ۱۵: ۱، ۵ وغیرہ)۔ مسیح موعود کے حقیقی پیرو جو حقیقی اسرائیل ہیں باقی یہودیوں سے اوربالخصوص فقہیوں اورفریسیوں سے جُدا ہیں اوران کے امتیازی نشان یہ ہیں کہ(۱)وہ یسوع ناصری پرجو مسیح موعود ہے ایمان رکھتے ہیں(۲) اُن کو موسوی شریعت کا علم اوراصل مفہوم حاصل ہے پس وہ اس شریعت سے بہتر واقفیت رکھتے ہیں۔ (۳۔) وہ خدا کی بادشاہی پر جو عنقریب قائم ہونے والی ہے یقین رکھتے ہیں ۔ پس یہ ایمان دار اصلی

اورحقیقی اسرائیل ہیں خواہ فریسی اُن کو بدعتی (اعمال ۲۴: ۵) قراردیں اوردیگر یہود اُن کو خارج کردیں۔ لیکن دراصل اُن کے خارج کرنے والے " بادشاہت کے بیٹے ہیں جو باہر اندھیرے میں ڈالے جائینگے"(۸: ۱۲) مسیح موعود پر ایمان رکھنے والے ہی درحقیقت " بادشاہی کے بیٹے ہیں"(۱۳: ۳۸) پس ۲۱: ۴۳ آیت میں " قوم" سے انجیل نویس کی مراد غیر یہود اقوام سے نہیں بلکہ حقیقی اسرائیل سے ہے ورنہ یہاں فعل صیغہ واحد میں وارد نہ ہوتا۔ یہاں یہودی نسل اورغیر یہودی نسلوں کا سوال نہیں بلکہ روحانی حقوق کا سوال ہے۔ انجیل نویس کے خیال میں لفظ" قوم" سے مُراد مسیح موعود کےوہ تمام پیروہیں جو شریعت کو مانتے ہیں اورخدا کی بادشاہی کے منتظر ہیں۔

ان آیات کا اصلی مفہوم جاننے کےلئے ہمیں یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ انجیل نویس کی ان سے کیا مراد تھی نہ اس بیسیویں صدی میں ہم ان سے کیامطلب لیتے ہیں اوران کی کس طرح تاویل کرتے ہیں۔پس سوال یہ ہے کہ مقدس متی کا ۲۴: ۱۴ اور۲۸: ۱۹ سے کیا مطلب تھا؟ مرقس ۱۳: ۹تا ۱۰ سے (جو ۲۴: ۱۴میں نقل کی گئی ہے (ظاہر ہے کہ " گواہی " کو اسی پشت میں ختم ہونا تھا(۱۶: ۲۸ و ۲۴: ۳۴) اس سے ظاہر ہے کہ انجیل نویس کا مطلب یہاں پراگندہ یہودی قبائل سے ہے اور خوشخبری کی منادی" یہ تھی کہ مسیح موعود آسمان کے بادلوں پر آکر بادشاہی قائم کرے گا جس میں اس کے تمام پروداخل ہوں گے" جو بادشاہی کے بیٹے " ہوں گے۔

لفظ" دنیا سے مراد یہاں روئے زمین نہیں ہے۔بلکہ یوحنا ۱۷: ۶، ۱۸: ۲۰ ، ۲۱: ۲۵، اعمال ۱۷: ۶، ۱۹: ۲۷، ۲۴: ۵، ۱۱: ۲۸ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ یہ یہودی محاورہ تھا جس سے مراد دنیا کے تمام ممالك نہ تھے بلکہ ارضِ مقدس کا ملك ہی تھا، کیونکہ یہی ان کا موضوع خیال تھا۔ اسی طرح الفاظ" سب قوموں" (۲۸: ۱۹) کی ہمیں موجودہ جغرافیائی خیالات کے مطابق تاویل نہیں کرنی چاہیے بلکہ انجیل نویس کے موضوع خیال کو مدِ نظر رکھنا واجب ہے۔ ہمیں یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ فریسی اپنا فرض سمجھتے تھے کہ تمام لوگوں کو شاگرد بنائیں اوریہودی مسیحی بھی اس کو اپنا فرض گردانتے تھے لیکن اس پر بھی وہ مقدس پولوس اوراُن کے ہم خیالوں کے مخالف

تھے (اعمال ۲۱: ۲۰تا ۲۲، گلتیوں ۲: ۱۲وغیرہ)۔ یہی وجہ ہے کہ گو اس انجیل میں یہ حکم موجود ہے کہ" تم جاکر سب قوموں کو شاگرد بناؤ" (۲۸: ۱۹) تاہم تمام انجیل میں بُت پرست اقوام اورغیر یہود کلیسیاؤں کی ضروریات اورخصوصی دشواریوں اورمسائل کا ذکر چھوڑ" ان کی طرف اشارہ تک موجود نہیں۔

دوم۔ بعض اصحاب کہتے ہیں کہ اس انجیل میں بالعموم اور ۲۳باب میں بالخصوص فقیہوں اور فریسیوں پرآنخداوند کے حملے درج ہیں جن سے ظاہر ہے کہ یہ انجیل نویس یہودیت کادشمن تھا پس یہ انجیل ہیکل کی تباہی کے بعدلکھی گئی تھی۔ لیکن اناجیل اربعہ سے واضع ہے کہ سیدنا مسیح کی حینِ حیات میں اور اہلِ یہود کے مختلف طبقوں میں چپقلش اور آویزش ہوتی رہی حتیٰ کہ وہ آپ کے جانی دشمن ہوگئے اوراُنہوں نے آپ کو مصلوب کرواکے ہی دم لیا۔اعمال کی کتاب کا مطالعہ بھی یہ ظاہر کردیتا ہے کہ کٹر یہودی سیدنا مسیح کی کلیسیا کے سخت مخالف رہے اوراُنہوں نے ہرممکن کوشش کی کہ" اس طریق" کو جس کو وہ"بدعت" کہتے تھے (اعمال ۲۴: ۱۴) مٹادیں۔اوراس کے پیروؤں کو ایذائیں دیں تتر بتر کردیں اور قتل کردیں اندریں حالات جب ہم انجیل مرقس اورانجیل متی کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ جب انجیل مرقس لکھی گئی اہل یہود کی آتشِ عداوت برابر جاری تھی لیکن اس کے چند برس بعد یہ آگ بھڑکتی چلی گئی اورارضِ مقدس میں پھیلتی گئی ۔ان حالات میں انجیل اوّل لکھی گئی ۔ اس وقت یہودی فریسیوں اور فقیہوں اوریہودی نومریدوں میں مخاصمت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کا مصنف اس یہودی مسیحی جماعت سے تعلق رکھتاہے جو یسوع ناصری کو مسیح موعود مانتی ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ وہ اپنی مسیحائی بادشاہی کو قائم کرنے کےلئے آنے والا ہے پس مومنین کا فرض ہے کہ وہ اس مسیح موعود کی منادی کریں تاکہ ایمان داروں کی جماعت روز افزوں ترقی کرتی جائے اورزیادہ سے زیادہ لوگ مسیح موعود کہ حلقہ بگوش ہوجائیں۔ان کے مخالف فقیہہ اورفریسی جوآنخداوند کی پیدائش اورزندگی پر حرف گیری کرکے کہتے ہیں کہ یسوع ناصری موسوی

شریعت کا منکر تھا اورکفر بکتا تھا ، وہ ہر زہ سرائی کرتے ہیں۔
انجیل کا نفسِ مضمون ثابت کرتا ہے کہ ۲۳باب کے حملے
جوابی حملے ہیں اوریہ امر ثابت کرتا ہے کہ اس انجیل میں وہی
فضا ہے ہے جو رسولوں کے اعمال کی کتاب میں پائی جاتی
ہے اوریہ بات اس انجیل کی قدامت کی دلیل ہے۔اس کا
مصنف اوراس کے پڑھنے والے ابھی کلی طوپر" شریعت سے
آزاد" نہیں ہوئے ۔ ان کا نقطہ نظر حضرت کلمتہ اللہ کے اوّلین
شاگردوں ہی کا ہے جو آپ کو مسیح موعود مان کر آپ کو
موسوی شرع کی تکمیل کرنے والا ، نہ کہ منسوخ کرنے والا
تصورکرتے تھے تاکہ آپ کی تعلیم سے مستفیض ہوکر اہل یہود
موسوی شریعت کے صحیح مفہوم کو لوگوں پر ظاہر کرکے
اس کو ایک قدرومنزلت والی کتاب مانیں۔ پس یہ انجیل اس
نقطہ نگاہ سے یروشلیم کے پہلے ایام کی آئینہ دار ہے اورلہذا
پہلی صدی کے پہلے نصف کی ہے۔

(۲)

(۳۔) ڈاکٹر مافٹ کہتا ہے[1] کہ اس انجیل کو پڑھ کر یہ
گمان ہوتا ہے کہ یہ انجیل اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جب
کلیسیا کی تنظیم بہت بڑھ چکی تھی اوراس کے عقائد اوراموُر
ایمانیہ نشوونما پاچکے تھے۔ جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے
کہ یہ انجیل پہلی صدی اواخر میں لکھی گئی تھی۔

لیکن جب ہم اس انجیل کا بغورمطالعہ کرتے ہیں تو یہ
ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ" گمان" صرف ایک ظن ہے اوربس۔
انجیل میں کسی جگہ بھی کلیسیا کے رہنماؤں اور رہبروں کے
لئے کوئی ایسے لفظ استعمال نہیں ہوئے جو انجیلی مجموعہ
کی مابعد کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں "(۱۔ تموتھی ۴: ۱۴،
۲یوحنا ۱: ۱ وغیرہ)۔ کلیسیا کے ارکان اور رہبروں کو" نبیوں" ،
داناؤں اور فقیہوں" کے ناموں سے ہی پکارا گیا ہے(۲۳: ۳۴،
۱۳: ۵۲ وغیرہ) کیا یہ الٹا ثابت نہیں کرتا کہ یہ انجیل دورِاوّلین
اورابتدائی ایام کی تصنیف ہے۔ اس انجیل میں مقدس پطرس
شاگردوں کا نمائندہ اورنیا بت کرنے والا ہے۔ (۱۶: ۱۶ وغیرہ)

---

[1] W.C.Allen “The Alleged Catholicism of First Gospel, Exp. Times July1910 pp.439 ff.

اوریہ اعمال کی کتاب کے ابتدائی ابواب کی فضا ہے (۱: ۱۵، ۲: ۱۴، ۳: ۱۱ وغیرہ)۔پس کلیسیا کی تنظیم کا تصور جو اس انجیل میں پایا جاتا ہے وہ ابتدائی قسم کا ہے جس کا تعلق ابتدائی منازل کے ساتھ ہے۔

اس انجیل میں لفظ "کلیسیا" دو دفعہ (۱۶: ۱۸، ۱۸: ۱۷) میں وارد ہوا ہے۔ جس سے بعض علماء کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ اس لفظ سے مراد "کلیسیائے جامع" ہے اوراس کا مفہوم وہی ہے جو بعد کے زمانہ میں اس لفظ سے لیا جاتا تھا۔ پس وہ خیال کرتے ہیں کہ اس لفظ "کلیسیا" سے مسیحی جماعت کی وہ منزل مراد ہے جب اس نے دوسری صدی میں ترقی کرکے باقاعدہ طورپر منظم صورت اختیار کرلی تھی۔ لیکن تازہ دریافت اس قیاس کو غلط قرار دیتی ہے کیونکہ قدیم کتبوں میں ایک کتبہ ملا ہے جس کی تاریخ ۱۰۳ء ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ لفظ ہر قسم کی جماعت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا خواہ وہ منظم ہو یا غیر منظم۔ پس لفظ "کلیسیا" مسیحی جماعت کی اوّلین منزل میں استعمال ہوسکتا تھا۔ مقدس متی کی انجیل سے ظاہرہے کہ کلیسیا کی جامعیت کا تصور ابھی جماعت کے ذہن میں نہ تھا۔ شاگردوں کی جماعت کی تنظیم نہایت سادہ تھی۔ دوازدہ رسول اس جماعت کے "سردار" تھے جس طرح اہلِ یہود کے "سردار" تھے (اعمال ۳: ۱۷، لوقا ۲۳: ۱۳، ۳۵، ۲۴: ۲۰۔ یوحنا ۷: ۲۶، ۴۸ وغیرہ)۔ جوآنے والی بادشاہی میں اسرائیل کے بارہ تختوں پر بیٹھینگے (متی ۱۹: ۲۸) باقی لیڈروں کے لئے عہد عتیق کی اصطلاحات "نبی"، "دانا" یا فقیہ" استعمال کی کی جاتی تھیں (۲۳: ۳۴، ۱۳: ۵۲، ۱۰: ۴۱۔ متی ۱۸: ۱۷ میں لفظ کلیسیا سے مقامی جماعت مراد ہے اور۱۹: ۱۸ میں مسیح موعود کے تمام شاگردوں کی جماعت مرُاد ہے جس میں تمام شاگرد آپس میں بھائی بھائی ہیں جن کا ایک باپ خدا ہے اورایک آقا اوراستاد مسیح ہے (۲۳: ۸تا۱۰) پس وہ ایک کلیسیا ہیں جن کو بوقت ضرورت ممانعت اور اجازت کا اختیار ہے (۱۸: ۱۷تا ۱۸)۔ اس منزل کے آگے اس انجیل میں کلیسیا کا تصورنہیں جاتا۔

پس متی کی انجیل میں کوئی ایسا مقام نہیں ملتا جو ہم کو ابتدائی کلیسیا کی اُس منزل سے آگے لے جائے جس کا ذکر

اعمال کے پہلے پندرہ باب میں پایا جاتا ہے ۔ اس وقت تک کلیسیا ،کا نقطہ نظر وہی تھا جو انبیائے یہود کا تھا کہ یہودیت اقوامِ عالم کو اپنی جانب کھینچ گی۔ ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ ایک دن ایسا آئیگا جب یہ " بدعت" اور" طریق" ایک نیا مذہب بن کر یہودیت کی جگہ غضب کرلیگا۔ ابھی تک یہودی مسیحی کلیسیا نے آنخداوند کے اقوالِ مبارکہ کی تہ کو نہ پایا تھا اوراس منزل مقصود کا نظارہ نہ دیکھا تھا جو آنخداوند کا اصلی منشاء تھا کہ اسرائیل اورغیر یہود، کل اقوامِ عالم آپ کی نجات سے بہرہ اندوزہونگی۔

پس اس انجیل کے مطابق کلیسیا کے شرکا صرف یہود ہونگے یا " خدا پرست نوُمرید" ۔ کیا یہ حالات پہلی صدی کے اواخر کے ہیں جب قوم یہود تباہ اورپراگندہ ہوچکی تھی اور بُت پرست مُشرک غیر یہود لاکھوں کی تعداد میں منجئ جہان پر ایمان لاچکے تھے اورموسوی شریعت کی قیود سے آزاد ہوچکے تھے ۔ اس انجیل کی اندرونی شہادت تو صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ انجیل ان حالات میں لکھی گئی تھی جو یروشلیم کی کانفرنس (اعمال ۱۵باب) اورمقدس پولوس کے یروشلیم میں آنے کے درمیانی عرصہ کے ہیں (اعمال ۲۱باب) یعنی ۴۸ء اور۵۷ء کے درمیانی حالات کی فضا میں یہ انجیل تصنیف کی گئی تھی۔

(۳۔)

ڈاکٹر مافٹ کہتا ہے کہ اس انجیل میں مسیحی ایمان کے اُمور اور عقائد کا ذکر ثابت کرتا ہے کہ وہ نشوونما پاچکے تھے۔ لیکن جب ہم اس انجیل کا غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر واضح ہوجاتا ہے کہ یہ بھی " گمان" ہی گمان ہے اورحقیقت پر مبنی نہیں۔ چنانچہ اس انجیل میں آمدِ ثانی کے متعلق جوباتیں درج ہیں وہ وہی ہیں جو تھسلنیکیوں کے خطوط (۵۰ء) اوراعمال کی کتاب کے پہلے ابواب میں پائی جاتی ہیں۔ جب ہم ۱۔تھسلنیکیوں ۵: ۲تا ۸ کا مطالعہ کرتے ہیں توہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیات مقدس متی کی انجیل کے خیالات اورالفاظ کی صدائے بازگشت ہیں(۲۴: ۴۲تا ۴۳)۔ انجیل اوّل کی تمثیلیں، سب انہی خیالا کی تائید کرتی ہیں(۲۴: ۲۷تا ۲۵: ۳۰)۔ فرق صرف یہ ہے کہ مقدس پولوس" ابنِ آدم کے دن" کی بجائے" خداوند کا دن" لکھتا ہے۔ اس حوالہ سے یہ بھی

ظاہر ہے کہ مقدس پولوس اس انجیل سے واقف تھے۔ پس یہ نکتہ اس کی بجائے کہ یہ ثابت کرے کہ انجیل متی پہلی صدی کے اواخر میں لکھی گئی تھی، الٹا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ابتدائی ایام کی تصنیف ہے۔

حق تویہ ہے کہ جیسا ہارنیک کہتا ہے[1] یہ ماننا زیادہ آسان ہے کہ یہ انجیل ۷۰ء سے پہلے لکھی گئی تھی کیونکہ اس واقعہ کے دس سال بعد یہ تسلیم کرنا آسان نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آیت ۲۸: ۲۰ کے مطابق ابھی یہ نسل تمام نہ ہوگی کہ تمام تبدیلیاں واقع ہوجائیں گی۔

علاوہ ازیں اس انجیل میں آنخداوند کی ذات کا عقیدہ اپنی ابتدائی منازل میں ہی ہے۔ یسوع ناصری مسیح موعود ہے جو خدا کا محبوب ہے (۳: ۱۷)۔ وہ "ابن آدم" ہے جو دانی ایل،نبی کے قول کے مطابق آسمان کے بادلوں پر آئیگا اورآسمان کی بادشاہی قائم کریگا۔ اس منزل سے یہ انجیل ایک قدم بھی آگے نہیں جاتی۔جائے تعجب ہے کہ موجودہ زمانہ کے مصنف اس طرح لکھتے ہیں کہ گویا انجیل اوّل کا مصنف کوئی کٹر غالی سیس تھا[2]۔ جس کی کتاب بتلاتی ہے کہ سیدنا مسیح نے ان تمام عقائد پر مہرُ ثبت کردی ہے جو آپ کی صلیبی موت کے دوتین پشتوں کے بعد کلیسیا میں مروج تھے۔

(۴۔)

ایک اورامر قابلِ غورہے۔ اگریہ انجیل پہلی صدی کے اواخر میں لکھی جاتی تو مغرب کی کلیسیائیں جن کی اکثریت غیر یہود مشرکین سے سیدنا مسیح کے قدموں میں آئی تھی، اس قسم کی انجیل کو قبول نہ کرتیں جس کا مدعا ہی یہ تھا کہ وہ ثابت کرے کہ آنخداوند صرف یہود کے ہی مسیح موعود ہیں اورجس کا ہر صفحہ یہودیت کی اصطلاحات سے بھرا پڑاہے۔۷۰ء کے بعد کے زمانہ کےساتھ اس انجیل کے مضامین کا تعلق کہیں نظر نہیں آتا۔ اس واقعہ ہائلہ کے بعد کس غیر یہود نومرید کو یہ جاننے کی ضرورت تھی کہ یسوع ناصری فقط اہلِ یہود کا مسیح موعود ہے؟ غیر یہودی کلیسیائیں تواس سے مدتوں پہلے اس بات کی قائل ہوچکی تھیں کہ آنخداوند نہ صرف اہلِ یہود کے مسیح موعود ہیں بلکہ

---

[1] Allen, “Recent Criticism of Synoptic Gospels.” Exp Times July 1909 pp. 445 ff.

[2] B.W.Bacon, The Story of Jesus (1928) p.33

تمام دنیا کی اقوام کے نجات دینے والے ہیں۔ اگریہ انجیل کلیسیا کے ابتدائی ایام میں نہ لکھی جاتی تو وہ غیر یہودی کلیسیاؤں میں کبھی رواج نہ پاتی۔ لیکن ۷۰ء سے پہلے یہ انجیل بکثرت نقل ہوکر ارضِ مقدس کے اندر اورباہر مقبولِ عام ہوکر خصوصیت کے ساتھ "الانجیل" کہلاتی تھی۔ چنانچہ دوسری صدی کے آغازمیں بعض آبائے کلیسیا بھی اس کو یہی نام دیتے ہیں۱۔ لہذا یہ انجیل اپنی قدامت اورپایہ اعتبار کی وجہ سے ہر جگہ مقبول تھی۔

ناظرین پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ جو علماء یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ انجیل پہلی صدی کے آخر میں لکھی گئی تھی اُن کے دلائل درحقیقت زور نہیں رکھتے۔ ان علماء کے برعکس ہمارے خیال میں اُن علماء کے دلائل نہایت وزن دارہیں جو کہتے ہیں کہ انجیل پہلی صدی کے پہلے نصف کے اختتام کے وقت یعنی ۵۰ء کے قریب لکھی گئی۔ بالفاظِ دیگر یہ انجیل واقعہ صلیب کے سترہ برس کے اندر اندر احاطہ تحریر میں آگئی تھی۔

اس حصہ کی بحث کا ماحصل یہ ہے کہ اناجیلِ متفقہ یروشلیم کی تباہی سے مُدتوں پہلے لکھی گئی تھیں جب کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آیا تھاکہ اہل یہود کا مقدس شہر تباہ ویران ہوجائیگا، قدس الاقداس نذرِآتش ہوجائیگا قومِ یہود خستہ اورپراگندہ ہوجائے گی اوریہود کی قومی روایات ، ملی رسوم ورواج اور شرعی پابندیاں سب کی سب یکسر ختم ہوجائینگی ۔ قدم تریں انجیل کو مقدس مرقس نے سیدنا مسیح کی صلیبی موت کے سات برس کے اند رلکھا ۔ مقدس متی نے اپنی انجیل کو اس جانکاہ واقعہ کے ۱۷ برس کے اندر لکھا اورمقدس لوقا نے اپنی انجیل کو منجئی عالمین کی وفات کے پچیس سال کے بعد لکھا۔ ان اناجیل کی اور ان کے ماخذوں کی قدامت ان کی اصلیت پر گواہ ہے۔